امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کے گرانقدر
ملفوظات کا نادر خزانہ

ملفوظات
محدث کشمیری

مرتب
مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب

ناشر
اشرف اکیڈمی
جامعہ اشرفیہ ○ نیلا گنبد ○ لاہور

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے گرانقدر
ملفوظات کا نادر خزانہ

ملفوظات
محدث کشمیریؒ

مرتب
مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب

ناشر
اشرف اکیڈمی
جامعہ اشرفیہ ○ نیلا گنبد ○ لاہور

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے گرانقدر
ملفوظات کا نادر خزانہ

ملفوظاتِ محدث کشمیریؒ

مرتب
مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب

ناشر
اشرف اکیڈمی
جامعہ اشرفیہ ○ نیلا گنبد ○ لاہور

کلامِ شورش کشمیری در مدح علامہ کشمیریؒ

حاشیہ بردار دربارِ رسول اللہ کا
ماضیٔ مرحوم کے اعجاز دکھلاتا رہا

آدمی کے روپ میں قدرت کا روشن معجزہ
علم کی ہیبت سے رزم و بزم پر چھاتا رہا

سادگی میں عہدِ اول کے صحابہ کی مثال
سیرتِ پیغمبرِ کونین سمجھاتا رہا

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اِس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

شورش کشمیری — مدیر چٹان لاہور

طبع فی المطبعۃ العربیۃ
۳۰- ایک روڈ، بالمقابل فنشی چیمبر، پرانی انارکلی، لاہور

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

الحمد لاھلہ والصلوۃ لاھلھا

قطعِ نظر شرعی اصطلاحات ومصطلحاتِ متکلمین سے بجد آنے والی بات ذہنی ارتداد کا مظہر نہیں بلکہ تمام ہی اجزائے شریعت وتکلمین اسلام کی کاوشوں ودیدہ ریزیوں کو دل وجان سے تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ اس وقت کہنا اور لکھنا ہے وہ اس معذرت کے ساتھ ع

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

کیا ہے قرآن مجید سب کچھ تسلیم کر لینے کے باوجود بہرحال خدا تعالےٰ کے ملفوظات وارشاداتِ عالیہ کا مجموعہ اور تئیس ۲۳ سالہ عہدِ نبوت کا سارا ذخیرۂ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیش بہا ملفوظات گرامی، قدسی صفات صحابہ کا مجمع لگتا، حلقہ اندر حلقہ بیٹھتے، اور قدسی الاصل صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا سلسلہ چلتا اب چاہے تو انھیں حدیث کہہ دیجئے، دل چاہے تو کلامِ رسول، اور اگر ہیچ مداں کی تعبیر گوارا ہو تو ملفوظات النبی الامی صلے اللہ علیہ وسلم، روحی فداہ رسالت کا عہدِ میمون دھیرے دھیرے ختم ہوا اور ایک وجود اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے خاک دانِ ارضی کو چھوڑ چھاڑ کر دوسرے عالم کی رونقیں بڑھائیں تو اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم تابعین وتبع تابعین، امت کی اصلاح کے ذمہ دار بن گئے یہ تنکا تنکا چن کر علم وآگہی کا آشیانہ بناتے، مستفیدین قطار اندر قطار آتے اور النبی الامی صلے اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات سے نہ صرف تیرہ باطنی کا علاج بلکہ تیرہ وتار ماحول کو انوارِ نبوت سے روشن ومنور کرتے یہ قرن بھی نمٹ گیا تو علماء نے مسندیں سنبھالیں درس گاہوں سے علم کی تقسیم، اور دانش کدوں سے دانشوروں کی فیاضی، پورے عالم میں موجیں لینے لگی، انوارِ نبوت حال سے دور ہو رہے تھے، ماضی اپنی تمام برکات کے ساتھ دامن سمیٹ رہی تھی، ظاہر تو ٹھیک ہو رہا تھا لیکن باطن کی کائنات اندھیروں سے روابط وضوابط بڑھا رہی تھی ٹھیک اس وقت میں صوفیہ صافیہ کھڑے ہوئے اور نہاں خانۂ

باطن کو صیقل کرنے کے لئے اذکار و اشغال کے کچھ مسنون اور کچھ طبع زاد طور و طریق سنبھال بیٹھے خانقاہیں ہو حق سے لبریز ہوگئیں، نالۂ سحر گاہی عرش تک جا پہنچے، ارض و سماء کی مسافتیں سمٹ گئیں، بشاشتِ ایمان دلوں میں رچی، اعمال کی نورانیت سراپا پر کھلی، غنچہائے دل چٹکے معرفتِ ربانی کے زمزمے بلند ہوئے اور اس طرح اسلام کی گاڑی جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لائن پر ڈالا تھا تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ گئی۔

موجودہ ریلوے نظام نے ریلوے سسٹم کو شہروں، قصبات اور دیہات تک پہونچادیا بجلی کے قمقمے قریہ قریہ نظر افروز ہیں، ڈسپنسریاں گاؤں گاؤں کھل گئیں، مدارس و مکاتب کا جال ادھر سے ادھر تک پھیل گیا تو دین کی گاڑی بفحوائے قول رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اگر خشکی تری شہر اور قریہ میں جا پہونچے تو استحالہ کیا ہے اور استعجاب کیوں ؟

حضرات صوفیاء مجالس جماتے ان کے ملفوظات دلوں کو گرماتے، دماغ روشن ہو جاتے نہاں خانہ باطن چمک اٹھتا، نیکی سے قرب، بدی سے بُعد، شر سے بجانبِ خیر، بُرائی سے بسمتِ بھلائی، قافلے سرگرمِ سفر ہوتے یہ ملفوظات آج بھی امت کا اثاثہ ہیں۔ ان میں وہی سوز و گداز، وہی گرما گرمی، اعمالِ خیر کی جانب متوجہ کرنے کی وہی قوت، مزکیٰ و مقدس بنانے کی وہی استعداد زندہ و توانا ہے۔

الشیخ عبدالقادر جیلانی المعروف "بغوثِ اعظم" کے ارشادات اب بھی لوہے کو پارس بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، شیخ رفاعی کا کلام بدستور تیز و تند ہے، فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے نعرے آج بھی جوش زن ہیں، ابن جوزی کا کلام آشنا برودت نہ ہوا، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ نقشبند، داعی الی اللہ شیخ اجمیری کا سرمایہ بدستور باعثِ گرمیٔ محفل ہے، محبوب الٰہی یعنی سلطانِ دہلی، کے فوائد الفواد اور افضل الفوائد ہنوز دلوں کے تار چھیڑتے ہیں خواجہ باقی باللہ کے ارشادات قلب و دماغ تک اثر ڈالنے میں کسی سے کم نہیں، مجدد الف ثانی کے مکتوبات کساد بازاری کی زد میں نہیں اور ذکر کیوں چھوڑتیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں کا اور ان کے مسترشد مولانا غلام علی کا اور جہاں آباد کے شیخ کلیم اللہ کا اور کیا فراموش کر سکتے ہیں ماضی قریب کی پُرنور شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی

تھانوی کو کہ ان سب کے ملفوظات مغتنماتِ باردہ یا گنجینۂ بادآورد ہیں۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ صوفیاء کے ملفوظات نے وہ کام کر دکھایا جو عصرِ حاضر کے قلم کاروں کے بھاری بھرکم لٹریچر سے ممکن نہ ہوا مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات ہزارہا ہزار زندگیوں کو اسلام کی حقیقت سے آشنا، احسان کی گہرائیوں سے واقف، عرفانِ رب کے البیلے سبق اور صفائی معاملات کے مؤثر درس دے رہے ہیں۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کا کلام اس کی افتادِ طبع کا آئینہ دار اور اس کے مزاج کا ترجمان ہوتا ہے، خدا تعالےٰ کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کاروانِ انسانیت کے سنگ میل ہیں، صوفیہ کا لٹریچر سب سے ٹوٹ کر خدائے واحد سے رشتے استوار کرنے کا مضبوط وسیلہ ہے، اور اہلِ علم کے ملفوظات میں علم و دانش کا تموج مہیا ہے آج بھی تجربہ کر لیجئے اہلِ باطن کی چیزیں پڑھ کر باطن کی کائنات آراستہ ہوگی اور زائغین کے لٹریچر کے مطالعہ سے قلوب تیرہ و تار ہوں گے۔

ہندوستان کے دورِ غلامی کی بارھویں صدی کا اختتام اور تیرھویں صدی کا آغاز انسانی زندگی کی فصلِ بہار ہے ہر گوشہ اور ہر شعبہ میں وہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے اپنے کارناموں سے اعلان کر دیا ؏

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

صحافت ہو کہ انشاء، نثر نگاری ہو کہ شاعری، سیاست ہو کہ قیادت، طبابت ہو کہ حذاقت، علم ہو کہ دانش، دانش ہو کہ بینش، ہر گوشہ میں منفرد اشخاص پیدا ہوئے، منقطع النظیر اور بے مثال، زمانہ قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ جدید علوم اپنے پھریرے اُڑا رہے ہیں، نت نئے انکشافات اپنا لوہا منوا رہے ہیں اور انسان سمندروں کی گہرائی تک جا پہنچا، مائل پرواز ہوا تو چاند پر جا اُترا، مارکیٹ جدید کتابوں سے لبریز ہے، طباعت کے نئے طریقوں نے حیرت زدہ منظر دکھائے مگر بارھویں صدی کا خاتمہ اور تیرھویں صدی کا اوائل اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ لوٹ کر نہیں آسکتا ؏

نکل گئی ہے وہ کوسوں دیارِ حرماں سے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ علماء کی کثرت اور کثرتِ تصانیف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے مگر خوب دیکھ لیا جائے کہ جامعیت وعبقریت، گہرائی وگیرائی کس کے حصہ میں آئی کوئی حدیث میں یکتا تو فقہ سے نابلد، کسی کے علوم بلند وبالا لیکن منطق میں کمزور، بلکہ عربیت میں بھی خام، فتوے نویسی میں حذاقت، لیکن حدیث سے سراسر ناواقفیت، خال خال ہی افراد پوری امت میں نظر آئیں گے، جنھیں تبحر کے ساتھ تعمق، وسعت کے ساتھ ژرف نگاہی، عبقریت کے پہلو بہ پہلو، جامعیت کی بے نظیر انفرادیت دی گئی کہیں اور نہیں اپنے اسی ہندوستان میں دیکھئے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی ہیں، اور ملا عبد العلی بحر العلوم بھی، دہلی کا مشہور علمی خاندان بھی ہے، اور علماءِ فرنگی محل کا ممتاز خانوادہ بھی، مگر شاہ عبد العزیز دہلوی علیہ الرحمہ سرخیلِ علماء ہیں، لاریب کہ مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کے علوم میں وسعت جلوہ گر ہے، لیکن خالکم بدہن جسے گہرائی کہیئے تو اس کو تلاش کرنا ہوگا۔

اور جب اکابر علم کا یہ حال ہے تو بدیگراں چہ رسد، میں جہاں تک جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں ہندوستانی علماء میں شاہ عبد العزیز الدہلوی منفرد حیثیت رکھتے ہیں، خدا تعالیٰ نے ان کو پورے خاندان میں تبحر، تحقیق، وسعت ودقت نظری کی چند در چند خصوصیات سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ محققین نے لکھا ہے کہ عوامی قبولیت معیارِ قبولیت نہیں البتہ اگر خواص کسی کے علم وفن، سلوک ومعرفت کو تسلیم کریں تو وہی معیاری قبولیت ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ مشہور مورخ ابن خلدون نے لکھا کہ بخاری شریف کے حل کا حق امت ادا نہیں کرسکتی، حافظ ابن حجر عسقلانی کی طویل وعریض شرح بنام فتح الباری سامنے آئی تو ان کے ممتاز شاگرد سخاوی نے اعلان کیا کہ بخاری کا حق از جانب امت ہمارے شیخ نے ادا کردیا، لاریب کہ ابن حجر کی حدیث میں دیدہ ریزی کے اعتراف کے باوصف فقہ میں وہ بلند وبالا رسائی نہیں رکھتے جو ان کے شایانِ شان

تھی، مزید حنفیت کو زک پہونچانے کی جدوجہد میں بعض چیزیں اپنے منصب سے فروتر بھی کر گئے تاہم ان کے کارنامہ کا اعتراف نہ کرنا خود اپنی جہالت وسفاہت کا اعلان ہے۔

بات دور جا پڑی کہنا تو یہ تھا کہ کلام اللہ پر لکھنے والوں نے ایک بڑا ذخیرہ تیار کر دیا اور غالباً کوئی گوشہ قرآنیات سے متعلق ایسا نہیں جس پر علمی وثائق و دستاویزات مہیا نہ ہوں مگر پھر بھی علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے (قرآن کے حل کرنے کا حق امت پر چلا آتا ہے کاش کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پوری ہو جاتی تو امت سے یہ حق ادا ہو جاتا۔)

مجھے خوب یاد ہے کہ کراچی میں ایک صبح ناشتہ کے دسترخوان پر مرحوم مولانا یوسف صاحب بنوری مجھ ہی سے فرما رہے تھے کہ ہندوستانی علماء میں شاہ عبدالعزیزؒ اس ممتاز حیثیت کے مالک ہیں کہ آنکھ بند کر کے اگر ان کی تقلید کی جائے تو آدمی مقصود تک پہونچ جائے گا، سطور بالا میں قبولیت کے معیار کی جس جانب اشارہ کر چکا ہوں اسے سامنے رکھ کر اب سینئے اور لکھنے والے پر ہرگز یہ بدگمانی نہ کیجئے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی تعریف میں رطب اللسان یا قلم کی تیز گامیاں دکھا رہا ہے کھلی دعوت ہے کہ علوم انوری کا جتنا اور جس قدر ذخیرہ اس وقت فراہم ہے اسے دیکھ جائیے تو غلو و مبالغہ یا اطراء مادح کا شک وشبہ تک نہیں ہوگا، سیکڑوں طالب علموں کے مجمع میں اب بھی چند ایسے نکل آتے ہیں جو اپنے استاد کے علم کی گہرائی کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں، پھر آج سے پچاس۵۰ ساٹھ۶۰ سال پہلے ذی استعداد اور اہل سواد طلبہ درس گاہوں میں بکثرت پہونچ جاتے، پنجاب اور پشاور سے آنے والے متون صرف ونحو کے حافظ، فلسفہ و منطق میں حاذق اور مختلف و متنوع علوم کے حامل ہوتے پھر ان میں ایک تعداد ان کی بھی ہوتی جو سالہا سال درس دے چکے ہوتے علمی غوامض پر ان کو اطلاع ہوتی اور ان کے دل و دماغ میں جو علمی اشکالات مسلسل چبھن کا باعث بن رہے تھے ان ہی کو حل کرنیکے لئے براہ راست علامہ کشمیری کی درس گاہ میں پہونچتے اس وقت دارالعلوم میں وہ اساتذہ بھی موجود

تھے جن کی سحر البیانی کا ڈنکا ہندوستان کے اس کونے سے اس کونے تک تھا یہ اپنی طلاقت سے معمولی بات کو رازی کا فلسفہ، غزالی کا نکتہ، ابن حجر کا دقیقہ، اور ابن ہمام کا شگوفہ بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے مگر خواص میں جس کے علم نے قبولیت کے نوبنو تمغے حاصل کئے وہ صرف علامہ انور شاہ کشمیری تھے حالانکہ کشمیر کا یہ فرد اردو کی نزاکت و لطافت سے ناواقف، زبان و بیان میں رعنائی پیدا کرنے کے گر سے نا آشنا، سحر البیانی کے کرشموں سے دور اور زبان زوری کے بوتے پر مخاطب کو مسحور کرنیکی شعبدہ بازی سے تہی تھا، پھر بھی نصف صدی سے زائد عرصہ گذر گیا اس کا علم وفن روز بروز چمک رہا ہے، حالانکہ اس کے ساتھ غیروں نے نہیں انہوں نے وہ معاملہ کیا کہ اس داستان کا ہر جزو تکلیف دہ والمناک ہے۔

اپنے اکابر سے مسلسل سنا ہے کہ دارالعلوم کے چند دور گذرے ہیں ایک وہ وقت تھا کہ درودیوار سے ذکر کے انوار پھوٹے پڑتے تھے، پتے پتے سے ہوحق کی صدائیں آتیں اور تو اور یہاں کا دربان بھی اہل نسبت میں شمار ہوتا، دوسرا وہ دور آیا کہ اس ازہر الہند کا حصار علمی چرچوں سے لبریز تھا، طلبہ کی بے تکلف مجلس، درحقیقت علمی مذاکرے ہوتے، محفلوں میں علمی دقائق حل کئے جاتے، تحقیقات علمی طلبہ کا ذوق بن گیا تھا، ابن تیمیہ، ابن حجر، عینی، ابن ہمام، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، ابن قیم، قاسم ابن قطلوبغا اور سیکڑوں علماء روزگار کے تذکرے نقل مجلس تھے۔

پھر انقلاب زمانہ یا بمطابق اصول ہر کمالے را زوال، تیسرا دور آیا کہ اب دارالعلوم کے احاطہ میں سیاسی ذہنیت کی پرورش، سیاسی جوڑ توڑ کی تعلیم، اکھاڑ پچھاڑ کے درس اور انقلاب زندہ باد کے نعرے پوری قوت سے گونجنے لگے یہی زمانہ تھا کہ اکابر کی دستار فضیلت پر ہاتھ ڈالنے کا عمل شروع ہوا جس کا نقطۂ عروج مولانا قاری محمد طیب صاحب کی صریح اہانت تھی اور اس "کار خیر" میں اسلام کے بڑے بڑے جمپئن بلکہ ایک بقلم خود عاجز لیکن قلب میں بوقبیس پہاڑ کی برابر کبر قلمی جہاد

کے لئے بے دھڑک کود گئے اور بالآخر "فتح مکہ" کا بگل بجا کر ہی دم لیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ مٹھی جب کھل جاتی ہے تو پھر اسے بند کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہوجاتا ہے۔

وہ تو خدا دا ئما ٹھنڈی رکھے تربت فخر الدین مرادآبادی کی، وہ دارالعلوم دیوبند میں آئے اور اس شان سے آئے کہ ان کے دامن میں علومِ انوری کے سکّے تھے، دل ودماغ حضرت شیخ الہند اور علامہ کشمیری کے علوم کا معدن تھا، انھوں نے دارالحدیث میں بیٹھ کر صورِ اسرافیل کے انداز میں علومِ انوری کا چرچا کیا تو کشمیر کی یہ مظلوم شخصیت ایک معلوم ہستی کی حیثیت سے عداوتوں کی منوں مٹی کے نیچے سے نکل کر پھر منظرِ عام پر آئی، ادھر پاکستان وجود میں آیا تو مرحوم کے باختصاص تلامذہ مدارس کھول کر بیٹھے، لاہور میں مولانا محمد حسن امرتسری و شارحِ مشکوٰۃ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، کراچی میں مولانا محمد یوسف بنوری و مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالخالق ملتانی وغیرہ وہ نمایاں شخصیتیں تھیں جنھوں نے پاکستان کے ذرہ ذرہ کو علومِ انوری سے جگمگ کر دیا۔

بنگلہ دیش میں مولانا اطہر علی، مولانا مفتی فیض اللہ، ہاٹ ہزاری میں مولانا عبدالوہاب، مولانا تاج الاسلام اور خدا جانے کتنے معروف وغیر معروف رجال علم نے کمالاتِ انوری کو تابندہ و پائندہ بنا دیا۔

یہ بھیانک ظلم جو کشمیر کے ایک نامور فرد کے ساتھ روا رکھا گیا باوجودیکہ تقریباً چالیس سال سے میرا سینہ اس ظلم و عدوان کی تفصیل کا سربستہ راز ہے اب کہ قلم مقدمۂ ملفوظاتِ انور کے لئے اٹھا تو بے اختیار خوں چکاں داستان کے کچھ اجزاء قلم پر آگئے جو قارئین کے سامنے اس معذرت کے ساتھ پیش ہیں ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

عرب وعجم جس نے ایک زبان ہو کر انور شاہ کی علمی رزانت وخصوصیت کو تسلیم کیا اسے علمی حلقہ بہت سی زبانوں اور بہت سے قلموں سے سن چکا اور خود یہ

راقم الحروف بھی "نقشِ دوام" سوانح کشمیری میں جستہ جستہ پیش کر چکا۔

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کے ساتھ ہندوستان کے نامی گرامی اس بالغ النظر انشا پرداز کا شذرہ بھی شریک کردوں جو اس نے علامہ کشمیری کی وفات پر قلم سے نہیں بلکہ چشمِ گریاں وقلب بریاں کے ساتھ لکھا تھا یہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریر ہے جو انھوں نے علامہ کی وفات پر اپنے مشہور عالم جریدہ "سچ" میں شائع کی، نقشِ دوام کا ایک طویل پیراگراف مرحوم کشمیری کی سیاسی زندگی سے بھی متعلق تھا، مغربی اضلاع کا ایک ادارہ جسے دیوبند اور اکابرِ دیوبند سے خدا واسطے کا بیر ہے اس سے متعلق مبصر نے تبصرہ لکھتے ہوئے یہ بھی لکھ مارا کہ مؤلف اپنے باپ کو ہر ہی شعبہ میں با اختصاص دکھانے کی خبط میں کیوں مبتلا ہو گئے، بطور جواب آں غزل عرض ہے کہ پشاور کے خطبۂ صدارت میں علامہ مرحوم نے جس سیاسی سوجھ بوجھ کی گل کاریاں کیں اس پر ایک طویل نوٹ خود ان ہی مولانا دریابادی کے قلم سے اسی "سچ" میں نکلا ہے جس میں انھوں نے اعتراف کیا کہ ایک بوریا نشیں عالم سے اس بلند وبالا سیاسی فراست کا گمان تک نہیں تھا یہ وثیقہ بھی میرے پاس موجود ہے، مناسب وقت اس کی طباعت کے انتظار میں ہے اور یہ اس لئے کہ مذکورہ بالا ادارہ اور اس سے وابستہ حلقہ میں مولانا دریابادی کی بالغ النظری تقریباً تسلیم ہے۔ شاید اس کو دیکھ کر اور پڑھ کر وہ خود کو اعتراف پر مجبور پائیں۔

بہرحال بات لمبی ہوتی جاتی ہے کہنا یہ ہے کہ اس کا کون اور کب انکار کر سکتا ہے کہ علت ومعلول سبب ومسبب کی اس لمبی چوڑی کائنات میں خود مسبب الاسباب نے ہر چیز کو وابستۂ اسباب کر دیا، مقبولیت ومردودیت بلاشبہ خدائے قادر وتوانا کی جانب سے ہے مگر رد وقبول کے ظاہری اسباب بھی بہرحال ہوتے ہیں، ہر صاحبِ فن کے ایک عروج وکمال کا دور ہوتا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کے ساتھ فن بھی زمین دوز ہو جاتا ہے، پیری مریدی سے سہل الحصول غالباً کوئی تجارت نہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں عصر حاضر کو سامنے رکھ کر مگر دیکھنے والوں نے بارہا دیکھا کہ نام نہاد مشائخ کے ساتھ ان کی

مسندیں بھی الٹ گئیں اور ان کے حلقوں کی ایک ایک کڑی بکھر گئی مگر جسے علم وفن کہئے یا جامعیت وعبقریت نام رکھئے صدیوں کے الٹ پھیر کے باوجود وہ کہنگی سے آشنا نہیں کتنوں کے سینوں میں مولانا تھانوی کے مٹانے کی آرزوئیں نہ صرف پرورش بلکہ عملی شکلیں اختیار کر رہی ہیں مگر آئے دن دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ اقطارِ ہند وپاک میں مرحوم کی تصانیف نت نئے انداز سے چلی آتی ہیں اور خدا تعالے اپنی قدرت کاملہ سے کام لے کر خریدنے والے، پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے پیدا کئے چلے جا رہا ہے، بات کو اگر سمیٹا جائے تو تصنیف وتالیف مآثر علمیہ اور جیتے جاگتے تلامذہ کا طویل سلسلہ بظاہر اپنے اساتذہ کی یاد اور ان کے ذکر وفکر سے ماحول کو لبریز رکھتا ہے آج تو مدارس کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ شرکاء حدیث پلٹن اندر پلٹن ہیں ہر چھوٹی بڑی درس گاہ درسِ حدیث کا آغاز اپنے مفاخر میں گرداننے لگی، لیکن کتنے انور شاہ، کتنے شبیر احمد عثمانی، کتنے حضرت مدنی، کتنے فخر الدین اور کتنے سید سلیمان ندوی پیدا ہو رہے ہیں۔

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے سر ہی دھنتے رہ جایئے گا اور چپ وراست سے صرف یہ مایوس کن جواب سننا ہوگا ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صدا میرے بعد

دار العلوم کا وہی عہد زریں جسے زریں بنانے والی شخصیتوں کو اب بقوت خمول وگمنامی کے دشت بے کراں میں پھینک آنے کی سعی ہے۔ اُس وقت علامہ کشمیری کے آخری سال والے دورۂ حدیث میں غالباً ساٹھ ستر سے زیادہ تعداد نہیں تھی مگر اس دار الضرب سے تیار ہونے والا ہر سکّہ رائج الوقت تھا نظر انصاف شرط ہے۔ ہندوستان وپاکستان، بنگلہ دیش کے علمی چرچوں کا اچٹتی ہوئی نہیں بلکہ نظر غائر سے جائزہ لیجئے تو تمام علمی رونقیں، تصنیفی وتالیفی کاروبار، علم کے شاہکار، اور فن کے شاہسوار، مرحوم کشمیری ہی کے دامنِ علم وعمل سے وابستہ اشخاص ورجال نظر آئیں گے

کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ آسمان کا تھوکا اپنے ہی منہ پر گرتا ہے۔

سطور بالا میں پیش کردہ حقیقت کے منکر اپنی ہی سفاہت کا اعلان کر رہے ہیں چند سال سے مسلسل درسِ بخاری کی سعادت حاصل ہے، اس عظیم کتاب سے متعلق اردو عربی میں جو شروحات چلی آرہی ہیں وہ کشمیری کے اس دانشور کا پس خوردہ ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ پاکستان سے ایک شرح بخاری دو جلدوں میں آئی، علامہ کشمیری کے علوم کو ان کا نام لئے بغیر بکثرت نقل کردیا گیا۔

علامہ مرحوم کی تقریر ترمذی العرف الشذی حالانکہ ایک طالب علم کی جمع کی ہوئی تھی اسی کے مطالعہ سے نامی گرامی درس گاہوں کے محدثین ہنگامۂ درس وتدریس کئے ہوئے تھے اور ساتھ ہی کشمیری کے نام وکام کو بے وقار بنانے کی مکروہ کوشش بھی جاری تھی، خود کشمیری اس صورت حال پر فرمایا کرتے تھے الشیر ٹوکل دیزم۔

کہاں تک سناؤں ان مظالم کی آپ کو داستان بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا البتہ کبھی کبھی صبر وضبط کی تمام کوششوں کے باوجود کچھ اشک خونیں قلم وقرطاس پر بے اختیار آجاتے ہیں مخلص تلامذہ کے بعد خود علامہ کے قلم سے نکلی ہوئی تصانیف اور آپ کی درسی تقریروں کے مجموعے آپ کے علم وفن کو پائندگی دے رہے ہیں اور ان ہی کو دیکھ کر آج کا علمی طبقہ علامہ مرحوم کی علمی غزارت کو تسلیم کر رہا ہے، عرب کے وہی ممتاز اشخاص جو کسی عجمی کے کمالات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے انھوں نے پوری کشادہ دلی سے مرحوم کی انفرادیت کا اعتراف کیا قصہ تو طویل ہے لیکن ذرا اسے دیکھئے کہ تاثرات کی کڑیاں کس طرح ایک دوسرے سے پیوست ہیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی جو بذات خود دائرۃ المعارف تھے۔ فرماتے ہیں کہ آخری کی پانچ صدیوں کا تمام علم یکجا کرلیا جائے تو انورشاہ کے علم کی زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی، یہی بات ایک دوسرے اسلوب میں شہرۂ آفاق شخصیت علامہ کوثری کی زبان سے یوں ادا ہوئی کہ حافظ ابن ہمام کے بعد ایسی دیدہ ور اور اسلامی ذخیرہ سے نادر استنباط کرنے والی شخصیت پھر نہ اٹھی، حکیم مشرق شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال نے فرمایا کہ "اسلام کی آخری پانچ صدیاں مولانا انورشاہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔"

اعتراف اور تسلیم کے اس حسین و دلکش ہار کو جسے قدیم و جدید دونوں حلقوں کے چابکدستوں نے تیار کیا ذرا توجہ سے دیکھئے اور پڑھیئے کہ اس طرح کی سعادت خال خال ہی کسی ہندی نژاد عالم کے حصہ میں آئی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مرحوم علامہ کشمیری اپنے بے پناہ علوم کے اعتبار سے آخری صدیوں میں آیۃ من آیات اللہ تھے، اسلامی علوم وفنون میں کوئی ایسا فن نہ تھا جس میں وہ اپنی ذاتی رائے نہ رکھتے ہوں خود فرماتے، "میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں بجز فقہ کے کہ ابو حنیفہ کی تقلید محض کرتا ہوں" قرآن وحدیث اور اسلامی علوم کا بالغ النظری سے انھوں نے مطالعہ کیا تھا قرآن کریم پر بھرپور نظر تھی، اعجاز قرآن کا مسئلہ جو آج تک زیر بحث چلا آرہا ہے فرماتے کہ "یہ مسئلہ میرے لئے سورج کی طرح روشن و منور ہے" وہ درسِ حدیث میں اس کا اہتمام کرتے کہ احادیث کا ماخذ قرآن کی آیات سے طلبہ کے سامنے کھول دیں، مختلف الاحادیث میں تطبیق کی ایسی دلآویز شکل پیدا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال متعارض نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مطابقت لئے ہوئے دکھائی دیتے، خاص ان کا دستور تھا کہ قرآن وحدیث کے تمام بیانات کو سامنے رکھ کر پھر کسی مسئلہ کی تنقیح فرماتے، ان کے مآثر علمیہ میں سیکڑوں اس کے نظائر موجود ہیں کہ ائمہ اربعہ کے درمیان خلافیات میں مسئلہ کی وہ تقریر کی کہ چاروں فقہاء اپنے افکار و نظریات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب نظر آتے، فقہی اختلافات میں اختلافِ فقہاء کی خلیج کو پاٹنے کی جدوجہد ہمیشہ سے تھی اس لئے تین ائمہ سے نظریاتی اختلاف ہوتا تو وہ حنفی مکتبۂ فکر سے کسی ایسے حنفی عالم کی رائے لے لیتے جو باقی فقہاء کے اقوال سے اتحاد و اتفاق کی راہیں نکالتی۔

تیرہ سو صدی کے تمام ممتاز علماء کی خصوصیات پر ان کی نظر تھی، ہر دانشور کے علمی تفوق کو تسلیم کرتے، ساتھ ہی اس کی خامی کی بھی نشان دہی کرتے، ابن تیمیہ کی ذکاوت و ذہانت، تبحر و تعمق کو تسلیم کرتے ہوئے عربیت میں ان کی خامی، منطق و معقول میں عدم حذاقت اور مزاجی لااعتدالی کی نشان دہی فرماتے، محی الدین ابن عربی کو بے پناہ تسلیم کرنے کے ساتھ ان کے تفردات پر نکتہ چینی سے گریز نہ تھا، حنفیت میں استحکام کے باوجود دوسرے

ائمہ ورجال علم کے کمالات کو تسلیم کرنے میں فراخ حوصلہ تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کو معمولاً رئیس الاذکیاء فرماتے، داؤد ظاہری کو اذکیاء امت میں بتاتے، ابن حجر عسقلانی کے لئے جبل العلم، حافظ الدین والدنیا کا وقیع لقب ان ہی کی درس گاہ میں گونجا ابن عبد البر المالکی کے اعتدال کی تعریف ہوتی، ابن حزم اندلسی کی حدت مزاج وتیزی قلم کا راز بتاتے فخر المفسرین امام رازی باوجودیکہ شافعی المسلک ہیں مگر تفسیر ان کے قلم سے وہ نکلی کہ مولانا روم ایسی شخصیت کو بھی اقرار کرنا پڑا ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بودے
فخر رازی رازدارِ دیں بودے

لیکن
پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

فخر رازی کے اسی جلیل وعظیم کارنامے پر کسی نے بھبتی کستے ہوئے کہا دکل شئی فیہ الا التفسیر، اس مقولہ کو درس گاہ میں نقل کرتے تو جوش تردید ودفاع عن الرازی میں فرماتے کہ یہ ان کا مقولہ ہے جو قرآن کے لطائف ولطافت سے واقف نہیں، ہاں ہندوستانی علماء میں سچی بات یہ ہے کہ مرحوم مجھے کسی سے متاثر نظر نہیں آتے مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے بہت سے قلمی سہوؤں پر انھوں نے مطلع کیا، عبد العلی بحر العلوم کی بعض تحقیقات سے اختلاف کیا، شاہ ولی اللہؒ کے اقوال سے گنتی کے دو چار مسئلوں میں تائید کی، ابن نجیم، سہیلی کے بعد متاخرین میں حضرت گنگوہی کو نقیہ النفس فرماتے مگر ان کے علمی وثائق میں حضرت گنگوہی کی رائے بھی بحیثیت موئید خال خال ہے انھوں نے بعض وہ احادیث ذخیرۂ احادیث سے ڈھونڈھ نکالیں جو بدر عینی، ابن ہمام اور زیلعی کے ہاتھ نہیں لگی تھیں۔

قصہ مختصر آپ کی نشست وبرخاست، رفتار وگفتار، مجلس عام وخاص، درس ودرسگاہ وعظ وتقریر ہر ایک میں کتب خانۂ علم کھلتا اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور کوئی علمی سوال نہ کرتا تو فرماتے "بھائی کچھ پوچھو کیا قبرستان میں بیٹھا ہوں"؟

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں کہ دارالعلوم میں وہ انقلاب آیا جس کی تفصیلات ناگفتہ بہ

ہیں نتیجۃً رجال کا ورجالِ علم کا قافلہ دیوبند سے ڈابھیل جا پہنچا اس کاروانِ علم کے قافلہ سالار مولانا انور شاہ کشمیری تھے اب ڈابھیل کی پرسکون فضا میں علمی مجالس آراستہ ہوئیں اسی زمانہ کے یہ ملفوظات نذرِ قارئین ہیں جن کی قدر و قیمت مطالعہ سے معلوم ہوگی۔

مرتب جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ہیں جو حضرت مرحوم کے داماد بھی ہیں بجنور کے سادات خاندان میں عدم آباد سے منصۂ وجود پر قدم زنی کرنے والا یہ ہونہار ضلع بجنور و مراد آباد کے بعض مدارس میں علم کی تلاش میں سرگردانی کے بعد دیوبند آ پہونچا دارالعلوم کا یہ وہ دور تھا جس کے تاباں و تابناک ہونے پر خود چشمِ فلک بھی مبتلائے حیرت تھی، فنون میں اساسی شخصیتوں کے ساتھ اہلِ دل و اہل اللہ کا اجتماع بھی تھا مولانا مفتی عزیز الرحمٰن "نقشبندیت" کا عَلَم اٹھائے ہوئے اتباعِ سنت کا درس اور جلاءِ باطن کے سبق دے رہے تھے، پیروزہ بختی کہئے یا اس طالب علم کی طلبِ صادق کہ مفتی صاحب ایسے معصوم ولی اللہ کی معیت و رفاقت کی سعادت دامن میں آپڑی، اسی رفاقت نے فکر کو مستقیم، عقائد کو استوار، اور اعمال کی تطہیر، اور درست زاویۂ نظر کی دولت بخشی یہی وقت تھا کہ علامہ عثمانی علیہ الرحمہ کی درس گاہ دانش و بینش کی تقسیم کر رہی تھی۔ مولانا رسول خاں صاحب مرحوم فلسفہ و منطق کے جھنڈے بلند کر رہے تھے۔ علامہ ابراہیم صاحبؒ کلامیات میں نعرۂ انا ولا غیری لگاتے، حضرت مولانا اعزاز علیؒ فقہ و ادب میں انفرادیت کا اعلان کرتے مولانا مفتی محمد شفیع المغفور فقاہت کے سربستہ راز کھولتے مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے درس میں کلام اللہ کے اسرار سے نقاب کشائی ہوتی اور علامہ کشمیری کا فیضانِ علم موج پذیر تھا، مولانا سید احمد رضا صاحب کو علم و عمل کے ان سمندروں سے سیرابی کی سعادت میسر آئی، کسب و اکتساب اور اخذ و قبول کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ دارالعلوم کے منارۂ فخر و امتیاز کا کلس ٹوٹ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی زینتوں کا باعث بن گیا، دارالعلوم کی اس محرومی اور جامعہ ڈابھیل کی خوش نصیبی پر دیدہ ور یہی کہتے ؎

غنی روزِ سیاہِ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

اس طرح مرتب ملفوظات کو علامہ کشمیری کا دار العلوم اور علامہ کشمیری کے بعد کا دار العلوم دونوں کو دیکھنے کا موقع ملا اور آج ان کا شمار ان مبصرین میں ہے جو پوری بصیرت و بصارت دیدہ دری و دیدہ ریزی کے ساتھ دار العلوم کے ماضی وحال پر جچا تلا تبصرہ کرنے کا حق رکھتے ہیں، فراغت کے بعد مطالعۂ مذاہب اور علوم جدیدہ کا ذائقہ چکھنے کے لئے کرنال میں کچھ وقت گذرا اور پھر مولانا بشیر احمد بھٹہ مرحوم کی کوششوں سے ڈابھیل جا پہونچے اس طرح استفادہ کا وہ سلسلہ جو علامہ کشمیری سے ٹوٹ گیا تھا قدرت کی چارہ سازیوں سے پھر استوار ہو گیا مرحوم کشمیری کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ "ہمیں کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا" مقدمہ بھاولپور سے جب وہ لوٹے تو قادنیت کے تابوت کو زیر زمین کرنے سے زیادہ انھیں اس پر مسرت تھی کہ بھاولپور کی عدالت عالیہ کا جج میری بات سمجھتا تھا" ایسی دیدہ ور شخصیت کی نظر کرم کسی کی وقعت بڑی سند اور بڑا امتیاز ہے، مولانا احمد رضا صاحب کی رفاقت پر علامہ فرماتے کہ "یہ صاحب اگر پہلے سے ہمکو میسر آجاتے تو بڑا کام ہو جاتا" شب و روز کی یکجائی چند ہی سالہ تھی مگر بعض روشن باطن مسترشدین نے مرشد کامل سے چند ساعتی صحبت میں تجلیہ باطن کی سند لے لی تو پھر اس میں استعجاب کیا کہ ایک طالب علم چند سالوں میں اپنے جیب و دامن کو ایک بحر العلوم کی صحبت سے علم کے زریں سکوں سے لبریز کرلے۔

علامہ کشمیری کے مسودات کو پڑھنا اور ان کی تبیض، کار مشکل تھا اہل سواد اور ذی استعداد عالم و فاضل ہی اس مہم کو انجام دے سکتے تھے۔ ممدوح مرتب نے اس سنگلاخ کو اس خوبی سے طے کیا کہ بہت جلد علامہ کی نظر میں اعتماد حاصل کر لیا جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے ساتھ "مجلس علمی" کا انصرام وانتظام مولانا احمد رضا صاحب سے ہی متعلق رہا، ان کی ہی جد و جہد سے اس ادارہ نے قلیل عرصہ میں ہندوستان کے علمی اداروں میں اپنا مقام بنا لیا، شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ اور علامہ کشمیریؒ وغیرہ کی تالیفات و تصانیف منظر عام پر آئیں جناب مرتب ہی کی سعی و کاوش سے بخاری شریف کی املائی تقریر مولانا بدر عالم صاحب نے ترتیب دی مولانا محمد یوسف بنوری جیسا جوہر قابل اس دائرۃ المعارف سے وابستہ ہوا خود مولانا نے علامہ کشمیری مرحوم کی مشکلات قرآن کی تخریج کی، اسی دور میں ابو الکلام آزاد

کے ترجمان القرآن پر علمی تعاقب کئے اور مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار میں جو جھول نظر آئے اس سے علمی حلقوں کو باخبر رکھا۔

مگر افسوس کہ مجلسِ علمی جیسا پر وقار ادارہ ناقدر شناس افراد کے ہاتھوں پہونچ کر اپنا امتیاز کھو بیٹھا اور اب پاکستان میں ایک عجائب خانہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ڈابھیل سے اٹھے اور کچھ عرصہ کے بعد دار العلوم سے متعلق ہوئے یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے مآخر علمیہ کی تسہیل کا اہم کام شروع کیا حفیدِ نانوتویؒ مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے اس تسہیل کو دیکھ کر آپ کا فوراً تقرر کر لیا لیکن اب دار العلوم ذی علم افراد کو قبول کرنے کے بجائے انھیں دور پھینکنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا اس افسوسناک صورت حال نے مولانا کو دل برداشتہ کر دیا اور "خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" کے اصول کے مطابق قدرت نے انھیں ایک اور اہم ترین علمی کام میں مشغول کر دیا یہ جلیل کارنامہ حضرت شاہ صاحب کی درسِ بخاری کی تقاریر ہیں جو مولانا ممدوح نے سالہا سال ان کی درس گاہ میں بیٹھ کر جمع کیں اب وہ اُن ہی کو بلباسِ اُردو ترتیب دے رہے ہیں شروحاتِ بخاری کی کمی نہیں، عربی، فارسی، اردو ہر ایک زبان میں اس عظیم کتاب سے متعلق تشریح و تسہیل کا ذخیرہ موجود ہے لیکن "انوار الباری" منفرد حیثیت رکھتی ہے اس میں حدیث کی بھرپور تشریح کے ساتھ اکابرِ علم کے چھنے چھنائے اقوال کتاب کی زینت ہیں، علامہ کشمیری کے بلند پایہ علوم سے یہ شرح مزین ہے اور بیشتر ان ہی کے لب و لہجہ میں، اس کی سب سے بڑی خصوصیت حنفیت کی بنیادوں کا استحکام، دفاع عن ابی حنیفہؒ، رجالِ احناف پر ناروا مظالم کی تردید امام بخاری علیہ الرحمہ کی حنفیہ سے بدگمانیوں کا ازالہ، حافظ ابن حجر کی زیادتیوں کا تعاقب چاروں فقہوں میں حنفیت کی ترجیح، قدیم علوم کے دوش بدوش جدید معلومات کا اضافہ، اور رائج الوقت غلط افکار و نظریات پر معتدل تبصرہ ہے تقریباً بیس کے قریب اقساط منظر عام پر آ کر قدر شناس علماء کی تحسین کا انبار اپنی پشت پر رکھتی ہیں، بہت بڑا کام ہے جو مولانا انجام دے رہے ہیں دعا ہے کہ قادر و توانا اس عظیم شاہکار کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے

لیکن علامہ مرحوم کا ابھی ایک اہم قرض ان کے تلامذہ پر باقی ہے وہ ہے "آثار السنن"

مولانا شوق نیموی کی اس معرکۃ الآراء تالیف پر علامہ نے مسلسل حاشیہ لکھا یہ حواشی علوم انوری کا گنج گراں مایہ، سیکڑوں کتابوں کا ملخص، بلند پایہ تحقیقات کا ذخیرہ، اور حنفیت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے بے نظیر خزانہ ہے خم خانہ انوری کے قرابہ کش ایک ایک کرکے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو رہے ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ان مستوں اور سرخوشوں میں گنتی کے چند کے تھے مولانا سید احمد رضا صاحب بھی ہیں مقالہ نگار بارہا ان سے اور دوسرے تلامذہ سے عرض کرتا رہا کہ اس قرض کی ادائیگی کی واجبی فکر کریں لیکن

کس بمیداں رو نمی آرد سواراں راچہ شد

ہمارے مولانا جہاں گشت بھی ہیں سعودی عربیہ، قاہرہ، استنبول، افریقہ، ہندو پاکستان کے اسفار برابر ہوتے رہے، ایک زمانہ میں ان کی صحت نوجوانوں کیلئے موجب رشک تھی مگر اب بھی ہشتاد سالہ عمر اور پیہم حوادث وغم کے باوجود ان کی چلت پھرت، کام کی دھن، مصروفیات کا تسلسل ہم ایسے ناتوانوں کیلئے مہمیز ہے، علامہ مرحوم کے ان ملفوظات کو ان سے ترتیب دلانے میں قسام ازل نے مجھے بھی حصہ دینا چاہا۔ سو الحمد للہ معارفِ انوری کا ایک اور رُخِ زیبا سامنے ہے میں تو یقین رکھتا ہوں کہ یہ بلند پایہ ملفوظات اہل علم کے لئے فانوس اور دانشوروں کے لئے شمع فروزاں ثابت ہوں گے والامر بید اللہ

نازیبا ہوگا کہ میں ان محسنین کا شکریہ ادا کرنے سے غفلت برتوں جنھوں نے اس خزینۂ علم وفن کو منظرِ عام پر لانے میں مجھے وہ تعاون دیا جس پر وہ احسن الجزاء کے طالب ہیں اور بس، میں بھی شہرت پسندی سے گریز کرنے والے ان مخلصین کی فہرست اپنے نہاں خانۂ دل کی امانت گردانتے ہوئے طول نگاری وقدرے تلخ نوائی کی مکرر معذرت کے ساتھ طالبِ رخصت ہوں۔

وانا احقر الاواہ محمد انظر شاہ المسعودی
رکنِ ہیئت التدریس بدار العلوم وقف
بین العشائین ۲۳/۵/۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ الحی القیوم، حمد ایبقی ببقائہ ویدوم، من ازل الازل الی ابد الابد، والصلوٰۃ والسلام والتحیات المبارکۃ علی جملۃ رسلہ وانبیائہ، وسیما خیر خلقہ وخیرۃ انبیائہ محمد وآلہ واصحابہ بدون حد وعد

اما بعد:۔

"میں اپنی زندگی کے ان گراں قدر لمحات پر جس قدر بھی فخر کروں بجا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں گذرے اور ان میں حضرت سے اکثر اوقات استفادہ کے مواقع میسر آئے"۔

یوں تو دارالعلوم دیوبند پہنچنے کے بعد ابتداء ہی سے حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم کے تعلق کی بنا پر حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے آخری سال (جو اسٹرائک و ہنگاموں کا سال تھا) چند ماہ درسِ حدیث میں بھی باقاعدہ شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اور اب تک ثلجِ صدر کی وہ کیفیت اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔ جو حضرتؒ نے ترمذی کے درس کے وقت مہمات مسائل پر اپنے کافی و شافی بیانات سے فائض کی تھی، یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ چند بار دارالحدیث سے اپنے اوپر کے کمرے میں تشریف لے جاتے ہوئے حضرتؒ کے ساتھ ہو گیا اور راستہ میں بھی کچھ پوچھتا گیا، اور حضرتؒ نے شفقت سے جواب دے کر تشفی فرمائی۔

چند ماہ کے بعد حضرتؒ نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ اور احقر نے اپنی کچھ مجبوریوں کے پیشِ نظر حضرت سے استصواب کے بعد وہ سال دورۂ حدیث کا دیوبند رہ کر ہی پورا کیا۔ فراغت کے بعد احقر تبلیغ کالج، کرنال جاکر تین سال سے کچھ زائد فن ادب، مطالعہ دیگر مذاہب

تبلیغی ضرورت کے لئے مشق تحریر و تقریر اور تحصیل زبان انگریزی میں مشغول رہا۔

اس عرصہ میں بھی حضرتؒ سے استفادہ کرتا رہا، اور وہاں سے فراغت کے بعد مولنا مشیت اللہ صاحب مرحوم اور مولنا بشیر احمد صاحب مرحوم کے ایماء پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہنچا۔ وہاں محترم مولنا محمد میاں صاحب سملکی (افریقی) نے حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں "مجلس علمی" قائم کی، جس سے اکابر امت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اور خود حضرت شاہ صاحبؒ کے نادر علمی خزینوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس تقریب سے کئی سال تک حضرتؒ سے ہر وقت قرب، حضوری و استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ بخاری شریف کے دروس میں ڈیڑھ سال حاضر رہ کر حضرتؒ کی ذاتی تحقیق و رائے قلمبند کرنے کا التزام کیا اور مجلس میں حاضری کے وقت آپ کے ملفوظات جو بڑی تحقیق کا نچوڑ اور خلاصہ ہوتے تھے لکھ لیا کرتا تھا۔ کچھ مواعظ بھی قلمبند کئے۔ ملفوظات و مواعظ محفوظ کرنے کا مجھے اس زمانہ میں اتنا شغف تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولنا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ملفوظات و مواعظ بھی عرصہ تک لکھتا رہا اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات متعدد کتابوں اور رسالوں سے منتخب کرکے ایک الگ یادداشت بنائی تھی کہ کسی وقت ان ہر سہ اکابر کے ٹھوس علمی ملفوظات مرتب کرکے یکجا شائع کئے جائیں۔

مجلس علمی ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں یہ بات خاص طور پر میں نے محسوس کی کہ اساتذہ جامعہ میں سے کم و کیف دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ علمی استفادہ حضرت شاہ صاحبؒ سے حضرت مولنا عثمانیؒ نے کیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو رجال کی مدح و توصیف میں انتہائی محتاط تھے، ایک بار مولنا مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی دام ظلہٗ سے فرمایا:-

"تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ مولنا شبیر احمد صاحب کو علم حدیث سے مناسبت ہو گئی ہے۔"

اس مختصر جملہ سے اندازہ لگائیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیق کا مرتبہ کس قدر بلند تھا کہ حضرت مولانا عثمانیؒ جیسی جامع معقول و منقول شخصیت کے لئے یہ الفاظ فرمانا جو دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ میں مسلم شریف کا درس دیا کرتے تھے اور کتاب الایمان کی درسی تقاریر میں تو ان کی غیر معمولی شہرت تھی لیکن یہ واقعہ ہے کہ ڈابھیل جا کر انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے تفسیر، حدیث، اور دوسرے علوم کے دقائق و مشکلات میں رجوع فرما کر صحیح معنی میں اپنی علمی تشنگی بجھائی، اسی لئے حضرت عثمانیؒ کے علم و فضل میں ڈابھیل جا کر بہ نسبت دیوبند کے زمین و آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔

اس حقیقت کا اعتراف خود حضرت عثمانیؒ بھی فرمایا کرتے تھے، اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خبرِ وفات جب جامعہ ڈابھیل میں پہنچی اور جلسۂ تعزیت دارالحدیث میں منعقد ہوا تو مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ طلبہ اساتذہ اور اہلِ قصبہ کا پورا مجمع حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر گریہ و بکا میں مصروف تھا، اور خود حضرت عثمانیؒ نے جب تقریر شروع فرمائی تو وہ بھی تحمل نہ فرما سکے اور فرطِ گریہ سے کچھ دیر کے لئے رُکے تقریر بند کرنی پڑی، پھر انہوں نے طلبہ کو خطاب فرمایا کہ:۔

"حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے تم لوگ یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم جیسے پڑھانے والے یتیم ہو گئے ہیں کیونکہ تمہارے لئے تو خدا کے فضل سے ہم بھی کافی ہیں مگر جس سے ہم پڑھانے والے پڑھتے تھے، وہ شخصیت ہم سے جدا ہو گئی ہے"۔ پھر فرمایا کہ ہم لوگوں کی نظر بہت وسیع ہو گی تو صرف مسائل و جزئیات کا احاطہ کر لیگی، اور حضرت شاہ صاحبؒ مسائل کی ارواح و حقائق سے باخبر تھے، اس لئے ہم اتنی بڑی عظیم الشان نعمت سے محروم ہو گئے ہیں" وغیر ذلک۔

نفحۃ العنبر اور حیاتِ انور میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خصوصیات علم و فضل اور کمالات و مناقب پر اچھا خاصہ ذخیرہ پیش ہو چکا ہے، مگر جن آنکھوں نے ان کو قریب سے دیکھا وہ

شاید حضرتؒ کے علم و عمل کا سراپا الفاظ کی شکل میں پیش کرنے سے عاجز رہیں گے، البتہ مولٰنا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔

وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ڈابھیل تشریف لائے تو طلبہ نے ان سے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ مناقب بیان کیجیے، تو بے ساختہ فرمایا کہ "بھائی! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے تھے۔"

شاہ صاحب کے اس جملہ کی داد دینا بہت دشوار ہے کہ اس مختصر جملہ میں انھوں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو بڑی بڑی تقریروں اور مضامین سے بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح حضرت عائشہؓ سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا "کان خلقہ القرآن" اس سے بہتر اور مختصر، جامع اور برمحل جواب نہیں ہو سکتا۔

علمی خصوصیات

مناسب ہو گا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی خصوصیات کا ایک خاکہ جو میرے ذہن میں ہے اس کو بھی ملاحظہ کیجیے۔

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ عربی زبان کی تمام مطبوعہ و قلمی کتابیں جو بھی مل سکیں ان کا ایک بار مطالعہ ضرور فرما لیتے تھے، ہندوستان کے کتب خانوں کے علاوہ زیارت حرمین کے موقع پر وہاں کے کتب خانوں سے پورا استفادہ کیا۔ اور اس قدر مطالعہ وہ فرما چکے تھے کہ ایک بار زمانہ قیام ڈابھیل میں فرمایا کہ "جب کوئی نئی کتاب مصر سے چھپ کر آتی ہے تو اس کو میں بڑے اشتیاق سے از اول تا آخر دیکھتا ہوں۔ اور بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کئی کئی جلدوں کی کتابوں میں بھی کوئی نئی بات (جو پہلے سے مطالعہ میں نہ آئی ہو) نہیں ملتی۔"

(۲) حضرت شاہ صاحبؒ کسی کتاب کا مطالعہ بھی سرسری نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ نہایت غائر نظر سے، پورے انہماک کے ساتھ کرتے تھے، اسی لئے آپ کے ارشادات میں بھی بڑی گہرائی اور تحقیق و تدقیق کے آثار جھلکتے تھے۔ کتبِ سیر میں اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے اوصاف میں اس طرح کے الفاظ منقول ہیں کان اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابر الناس قلبا واعمقهم علما واقلهم تکلفا "یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب نیکیوں پر مجبول تھے کہ بھلائی ونیکی کی راہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرنا ان کے قلوب پر انتہائی شاق ہوتا تھا اور ان کے علوم میں گہرائی تھی کہ اس سے زیادہ تعمق ودقیقہ رسی عادۃً ممکن نہیں، نیز وہ اپنی سادہ فطرتوں سے تکلف وبناوٹ کو بہت دور رکھتے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ میں یہ اوصاف پوری طرح موجود تھے۔

یوں خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اکابر دیوبند سب ہی اپنے اپنے وقت میں علم وعمل فضائل ومناقب کے اعتبار سے آفتاب ومہتاب ہوئے ہیں، حضرت نانوتویؒ۔ حضرت گنگوہیؒ حضرت شیخ الہندؒ۔ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ۔ حضرت شاہ صاحبؒ۔ حضرت تھانویؒ۔ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ وغیرہ کے علمی وعملی کمالات، قریبی دور میں ہمارے مشاہدہ سے گذرے ہیں اور الحمدللہ ان کے بعد موجودہ دور کے ارباب فضل وکمال بھی علوم نبوت کے افادہ وافاضہ کی گران قدر خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ "کثر اللہ امثالھم وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

میں تو یہاں عنوان مضمون کی مناسبت سے صرف حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر کر رہا تھا جو بقول مولنا محمد میاں صاحب سملکی افریقی مجھ پر فرض بھی ہے، اور ان کا حکم تھا کہ مجھے جو کچھ معلومات حضرتؒ کے بارے میں حاصل ہیں، ان کو جس طرح بھی ہو، اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے ادا ضرور کروں۔

حضرت مولنا عثمانیؒ کے حوالہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی تحقیق کی شان واضح ہو چکی ہے، اس کے علاوہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی ایک تحقیق ہے کہ علم، سمع بصر وغیرہ وہ ملکات ہیں جو حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک خاص انداز سے مرحمت فرمائے ہیں۔

اور علمی کاوشوں سے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان سے جو کچھ اضافہ ہوتا ہے وہ اس کی معلومات، مسموعات اور مبصرات میں ہوتا ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں خیال ہوتا ہے (واللہ اعلم وعلمہ اتم) کہ علوم وفنون کے سمندروں کی گہرائیوں میں اُتر کر گرانقدر علمی جواہرات وموتیوں کو نکالنا ہر عالم کی دسترس سے باہر ہے اور اس قسم کا علم جو اخص الخصوص موہبتِ الٰہیہ ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کو اور پھر خال خال اکابر امت کو عطا ہوا ہے۔

اپنا تاثر حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرتؒ کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ اسی خاص قسم علم سے نوازے گئے تھے۔ حضرتؒ نے اپنی تالیف "آبِ حیات" میں جو آیت "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم کی تفسیر وتوضیح فرماتے ہوئے علوم وحقائق کے گوہر لٹائے ہیں، وہ میرے تاثر کی بڑی بنیاد ہیں، خیال فرمائیے کہ حضرتؒ نے ایک آیت پر اُردو زبان میں پوری ایک کتاب لکھ دی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے استفادہ عمیق علم اور گہرے مطالعہ کے بغیر آسان نہیں، اور جہاں تک میں نے سمجھا، حضرتؒ نے اس آیت کے بھی صرف ایک کلمہ "اولیٰ" پر اپنی تحقیق وتدقیق کی بنیاد رکھی ہے، اس مضمون کو حسبِ ضرورت شرح کے ساتھ خدا نے چاہا تو پھر کسی موقع پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی شان بھی میرے نزدیک اسی قسم کی تھی وہ بھی بعض آیات واحادیث کے ایک ایک کلمہ پر ساری تحقیق وتدقیق کی بنیاد رکھ کر مہمات مسائل کو اس قدر مضبوط ومستحکم کر گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کے علم وفضل کا اعتراف موافق ومخالف سب کو کرنا پڑیگا

(۳) حضرت شاہ صاحبؒ کے علم وفضل کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے زمانہ کے معاصرین اہل فضل وکمال نے بھی ان سے استفادہ کیا، جن میں سے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ زمانۂ قیام ڈابھیل میں سب سے زیادہ وہی مستفید ہوئے اور فوائد قرآن مجید (مطبوعہ بجنور) اور فتح الملہم شرح مسلم میں ان کے افادات کہیں

تصریح نام کے ساتھ اور کہیں بغیر تصریح کے جا بجا موجود ہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اکثر علمی مسائل میں حضرتؒ سے رجوع فرماتے تھے۔ حضرت تھانویؒ ان کو حقانیت اسلام کی زندہ مثال و حجت قرار دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک فقرے پر ایک ایک رسالہ تصنیف کیا جا سکتا ہے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ میرے قلب میں ان کا احترام اس طرح ہے جیسا کہ اپنے اساتذہ کا، گو میں نے ان کی باقاعدہ شاگردی نہیں کی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری ..... رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے ترمذی شریف وغیرہ پڑھی تھی، وہ فرماتے ہیں کہ واقعی حضرت شاہ صاحبؒ آیۃ من آیات اللہ تھے اور فرمایا کہ میں تو غیر مقلد ہو گیا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ کی برکت سے حنفی مذہب پر استقامت نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا احمد خاں صاحب (مشہور نقشبندی عالم و بزرگ ساکن کندیاں، ضلع میانوالی) نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کاملین میں سے تھے اور آپ کے وصال سے علماء یتیم ہو گئے، طلبہ کو پڑھانے والے اساتذہ مل سکتے ہیں، لیکن علماء کی پیاس کون بجھائے گا۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (مشہور نقشبندی و مفسر بزرگ) جو حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ راقم الحروف حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر ان کی خدمت میں تقریباً ایک ماہ رہا اور خوش قسمتی سے پورا قرآن مجید مع تفسیر ان سے پڑھا اور شرف بیعت و اجازت بھی حاصل ہوا، وہ اپنی مجالسِ درس و ارشاد میں اکثر حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکرِ خیر فرماتے تھے اور بڑے مداح تھے۔

علامہ علی مصری حنبلی جو صحیحین کے تقریباً حافظ تھے، مصر سے سورت اور راندیر آئے وہاں حضرت مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مفتی گجرات (حال مفتی دارالعلوم دیوبند) سے ملاقات ہوئی اور آپ نے علامہ علی کو دیوبند جانے کا مشورہ دیا، تو وہ دہلی ہو کر دیوبند بھی پہنچے۔

زمانہ قیام دارالعلوم میں اساتذہ کے درس میں بیٹھے اور خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں درسِ بخاری شریف سنا، حضرت شاہ صاحبؒ نے درسی تقریر بھی ان کی رعایت سے عربی میں کی، علامہ نے سوالات کئے، حضرتؒ جوابات دیتے رہے، درس کے بعد فرمانے لگے کہ:۔

"میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علمائے زمانہ سے ملا۔ خود مصر میں کئی سال حدیث شریف کا درس دیا ہے۔ میں نے شام سے لے کر ہند تک اس شان کا کوئی محدث و عالمِ دین نہیں دیکھا میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضارِ علوم و تیقظ، حفظ و اتقان، ذکاوت و وسعتِ نظر سے حیران رہ گیا۔"

علامہ نے دارالعلوم میں تین ہفتے قیام کیا اور حضرتؒ سے برابر استفادہ کرتے رہے، اور ایک دفعہ جوش میں آکر یہ بھی کہا "لو حلفت انہ اعلم من ابی حنیفۃ لما حنثت" حضرت شاہ صاحبؒ کو یہ جملہ پہنچا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "ہمیں امام کے مدارکِ اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے۔"

مصر پہنچ کر علامہ مذکور نے "المنار" میں اپنا سفرنامہ شائع کیا اور علماءِ دیوبند کے کمالات علمی و عملی پر ایک طویل مقالہ سپردِ قلم کیا تھا۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے بڑی عقیدت کے ساتھ دو زانو بیٹھا کرتے تھے اور استفادہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ باوجود اختلافِ خیال حضرت شاہ صاحبؒ کے علم و فضل کے بڑے مداح تھے، اور برابر علمی استفادات فرماتے رہتے اور آپ کو بےنظیر عالمِ دین فرماتے تھے۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ میر سیالکوٹی نے قادیان کے پہلے بے نظیر اجتماع میں جب حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سُنی تو فرمایا کہ "اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو

دیکھ لے"۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو علم وفضل کا ایک سمندر قرار دیا جس کی اوپر کی سطح ساکت ہوتی ہے اور اندر گرانقدر موتی و جواہرات بھرے ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے شاگرد رشید جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی مدظلہ شیخ التفسیر ندوہ لکھنؤ کو درس تفسیر دیتے ہوئے آیت "توفی، ورفع" کے موقع پر ہدایت فرمائی کہ اس موضوع پر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کا رسالہ بے حد تحقیقی اور نافع ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔ یہ تو علمائے دین کا مختصر تذکرہ تھا۔

اسی طرح علامہ اقبالؒ اور دوسرے ہزارہا نو تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد نے پنجاب، سرحد سندھ، یوپی، حیدرآباد و گجرات وغیرہ میں جو علمی استفادات حضرتؒ سے کئے وہ بھی حضرتؒ کے تبحر علم وفضل اور وسعتِ معلومات نیز جامعیت و افادیت کے پہلو نمایاں کرتے ہیں۔

(۴) حضرتؒ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ بہتر سے بہتر تحقیق بھی گو کہ وہ آپ کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہو، اگر وہی تحقیق کسی وقت کسی ذریعہ سلف سے مل گئی تو اس کو اسی حوالہ سے نقل فرماتے تھے اور اس پر انتہائی مسرت و اطمینان کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

(۵) جب کسی جزئی مسئلہ پر یا مشکل مضمون کے بارے میں آپ سے رجوع کیا جاتا تھا تو اس کا جواب آپ اس طرح دیتے تھے جیسے وہ اس مشکل سے بہت پہلے گذر چکے ہیں اور اس کا بہترین منقح حل بتلا دیتے تھے۔ اگر اس کا کوئی حل یا تحقیق کسی کتاب میں ہے تو صرف اس کا حوالہ بتلا دیتے تھے کہ فلاں مقام سے فلاں کتاب میں دیکھ لیں۔

(۶) اس غیر معمولی تبحر و وسعتِ مطالعہ کے ساتھ یہ بات بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ سلف کے مسلک سے الگ ہو کر کسی تحقیق کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے اکابر و اساتذہ کے مسلک کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ احقر نے دورانِ قیام کرنال ہیں تفسیر طنطاوی میں تصویر اور مروجہ فوٹو کے بارے

میں علامہ طنطاوی کے نقلی و عقلی استدلالات کا حوالہ دے کر استصواب رائے کیا تو تحریری جواب کچھ نہ ملا۔ کچھ عرصہ کے بعد احقر خدمت والا میں حاضر ہوا تو اپنے خط کا ذکر کیا، فرمایا کہ جی ہاں! خط ملا تھا جواب کا موقع نہیں ہوا، پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ "اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے" بس اس قدر جواب تھا اور اس سے بہتر وافی و شافی جواب کیا ہو سکتا ہے؟

(۷) جامعیت علوم و فنون

حضرتؒ کی شخصیت ایسی جامع معقول و منقول شخصیت تھی کہ ہر علم و فن کی امہاتِ کتب کا مطالعہ فرما کر ان کی مشکلاتِ فقہ کو حل فرما چکے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر علم میں اپنی ایک رائے رکھتا ہوں، سوائے کے، اور فقہاء کی علمی کاوشوں کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے، اور کتبِ فقہ میں مبسوط و بحر الرائق کے علاوہ بدائع الصنائع کی زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب فقیہ النفس بنا دینے والی ہے۔

دینی علوم متداولہ کے علاوہ فن طب، جفر، رمل و نجوم وغیرہ علوم کا بھی مکمل مطالعہ فرمایا تھا اور ان کی مشکلات پر بحث فرماتے تھے، اور سائلین کو تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

(۸) جدید سائنس کی کتابیں مصر سے چھپ کر آئیں تو ان کا بھی مطالعہ فرمایا۔ اور اپنے خاص تلامذہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب وغیرہ کو اس کی بعض کتابیں درساً پڑھائیں۔

زمانۂ حال کے مشہور مصری عالم علامہ طنطاوی نے تفسیر الجواہر کی ۲۵ جلدوں میں جس قدر جدید اکتشافاتِ سائنس آیات قرآنی کے تحت ذکر فرمائے ہیں اور بڑی تشریح و تفصیل سے بیان کئے ہیں، ان کی علمی کاوش و محنت کی بھی تعریف فرمایا کرتے، اس کے باوجود یہ نہیں چاہتے تھے کہ علماء ان کی ہر تحقیق کو اپنے عمل و کردار کے لئے حجت بنا لیں، چنانچہ اس سلسلہ میں خود راقم الحروف کا واقعہ پہلے گذر چکا ہے۔

(۹) علم حدیث میں جو تبحر، وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر آپ کو حاصل تھی اس کی کچھ

جھلک آپ کی مطبوعہ تالیفات وامالیٔ درس میں دیکھی جاسکتی ہے۔

استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ بھی بعض مسائل کی تحقیق وتخریج حوالہ کے لئے حضرتؒ سے استفسار فرمالیا کرتے تھے۔

مالٹا سے تشریف لائے تو نصاریٰ سے ترک موالات کا مسئلہ زیر غور تھا، قرار پایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے یہ مسئلہ تحریر کرایا جائے، حضرتؒ نے فتویٰ لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنایا، صرف دس سطور تھیں مگر نہایت جامع ومانع جن سے حضرت شیخ الہندؒ نہایت محظوظ ہوئے۔

جس وقت حضرت علامہ ظہیر احسن صاحب شوق نیمویؒ نے حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب "آثار السنن" تالیف فرمائی اور حضرت شیخ الہندؒ کو اس کا ابتدائی مسودہ بغرض اصلاح وضافہ ارسال فرمایا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو واپس فرما کر ہدایت فرمائی کہ یہ خدمت حضرت شاہ صاحبؒ سے لی جائے۔

چنانچہ حضرت علامہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مسودات بھیجنا شروع کر دیئے اور پوری کتاب اسی طرح مکمل فرمائی۔

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے مفید اضافات فرمائے اور وہ طبع ہوئی، پھر طبع ہو جانیکے بعد حضرتؒ نے اپنے نسخہ پر حواشی لکھنے شروع کئے، جو میرا خیال ہے کہ اصل کتاب سے بھی زائد ہیں، اور الحمد اللہ "مجلس علمی" ڈابھیل کے نادر ذخیرہ میں محفوظ ہیں، ان کو مرتب کر کے شائع کرنا بڑی اہم خدمت ہے خدا کرے کسی وقت وہ بھی مجلس سے پوری ہو۔ حضرت مولنا محمد میاں صاحب سورتی مرحوم مقیم افریقہ (سرپرست مجلس) کو خاص طور پر اس کا فکر و خیال بھی تھا۔

(۱۰) علم اسرار وحقائق میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ اپنے دور کے شیخ اکبر تھے اور شیخ اکبرؒ کے علوم وافادات کا تذکرہ بھی ان کے درسِ حدیث کا اہم جزو تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ

صاحبؒ کی خیر کثیر وغیرہ کے مداح تھے، اسی لئے "مجلس علمی" نے انکی نادر کتاب اور دیگر کتب شائع کیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بعض چیزوں پر حضرت شاہ صاحبؒ نے تنقید بھی فرمائی ہے اور علامہ کوثریؒ نے بھی حسن التقاضی فی ابی یوسف القاضی کے آخر میں مفصل تنقید کی ہے ان دونوں حضرات کی گرامی قدر آراء کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری شرح اُردو بخاری میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے حالات وسوانح میں پیش کیا گیا ہے۔

"تلک عشرۃ کاملۃ"

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا دس خصوصیات جو اس وقت مجھے مستحضر ہو سکیں درج کی گئیں۔ مگر سب سے زیادہ جو اہم ترین فضیلت میرے نزدیک حضرتؒ کی تھی اور ضمناً اس کا ذکر بھی آچکا ہے وہ یہ تھی کہ باوجود اس قدر علم وفضل، تبحر علمی، وسعتِ معلومات اور وسعتِ مطالعہ کے کہ جہاں تک میرا خیال ہے ہندوستان اور حرمین شریفین کے کتب خانوں کی عربی مطبوعات ومخطوطات میں سے کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جو آپ کے کامل ومکمل مطالعہ سے نہ گذری ہو، کیونکہ سلف وخلف کی کسی کتاب کو بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑتے تھے، پھر بھی آپ کا یہ تثبت والتزام حیران کن ہے کہ کبھی کسی ادنیٰ جزئی مسئلہ پر بھی سلف کے مسلک سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ حتیٰ کہ اس دور میں اکابر دیوبند کا جو ایک چھنا چھنایا برگزیدہ معتدل حنفی مسلک ہے اور ہر طرح افراط وتفریط سے پاک اور علمائے سلف وخلف سے بطور تواتر وتوارث ہمارے حضرات تک پہنچا ہے، اور ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ایک بہتر اسوہ ونمونہ ہے، اس کی بھی رعایت بدرجہ اتم فرماتے تھے۔

اگر کوئی گنجائش اوپر سے کسی مسئلہ میں مل گئی تو اس کو فرمادیا، ورنہ نیا اجتہاد کر کے کوئی گنجائش دینے کے لئے تیار نہیں تھے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کا سب سے بڑا کمال تھا جو دوسرے کمالات پر کم از کم میرے نزدیک ایک بڑی فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ اس دور میں تو بہت زیادہ اور پہلے ادوار میں بھی ایسے علماء ہوئے ہیں جن کو علمی تبحر اور وسعتِ مطالعہ کی

دولت ملی تو وہ مجتہد بن گئے، اور پھر وہ خود اپنے علم پر بھروسہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر، احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریح و اقوالِ سلف کی تاویل میں آزاد ہو گئے۔ اور جس طرح خود ان کی سمجھ میں آیا اس کو اگلوں تک پہنچانے کے لئے اپنی ساری قوتِ تحریر و بیان صرف کردی، جس سے کتنے ہی مفاسد اور فتنوں کے دروازے کھل گئے اور جن لوگوں نے ان نئے مجتہدوں کی تحقیق پر بھروسہ کیا، ان کا اعتماد پہلوں سے اُٹھ گیا، شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

فان کنت لا تدری فتلک مصیبة　　وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی سب سے بڑی خصوصیت و فضیلت میرے نزدیک یہ تھی کہ وہ سلف کے راستہ کو ترک کرنا گوارہ نہیں فرماتے تھے، خیال فرمائیے کہ مصر کے تقریباً تمام ہی علماء موجودہ فوٹو گرافی کے ذریعے حاصل شدہ تصاویر کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ علامہ طنطاوی ان سب دلائل و براہین کو اپنی تفسیر میں یکجا کر دیتے ہیں۔ جن سے جواز کی شکل نکل سکتی ہے۔ قرآن مجید سے، احادیث سے، آثار صحابہؓ سے اور پھر دلائل عقلیہ سے۔ اور اس پورے مضمون کو پڑھ کر اور علامہ طنطاوی کی ساحرانہ طرزِ تحریر اور زورِ بیان سے بھی متاثر ہو کر میں نے اپنے دل میں یہ یقین کر لیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی چونکہ سب چیزوں پر نظر ہے، اگر کوئی بال برابر بھی گنجائش شرعی نقطۂ نظر سے نکل سکتی ہے تو حضرت ضرور اس کا اشارہ فرمائیں گے۔ مگر وہاں سے جواب کیا ملتا ہے صرف اتنا کہ "اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے"۔ اس جملہ کی قیمت کتنی بڑی ہے کم از کم میں اپنے کو اس کے بیان سے عاجز پاتا ہوں، آج اس واقعہ کو تقریباً ۲۸، ۲۹ سال گذر چکے ہیں مگر جب کبھی یہ جملہ یاد آجاتا ہے، تو سوچا کرتا ہوں کہ حضرت نے کیا بات فرمائی تھی؟ میرا اتنا لمبا چوڑا خط، علامہ طنطاوی کے پیش کردہ نقلی و عقلی دلائل کا انبار علماءِ مصر کا طرزِ عمل، اور اس کے اثر سے یہاں ہندوستان کے بھی بہت سے علماء و عوام میں اس امر کے رجحانات کہ کسی طریقہ سے بھی کچھ جواز شرعی کا

شائبہ ہی نکل آئے۔ یہ سب کچھ ہے، مگر حضرتؒ کا جواب کتنا مختصر کتنا جامع دمانع اور کس قدر مکمل وافی وشافی ہے، اس کی داد دینا بہت دشوار ہے بلکہ دشوار سے دشوار تر ہے کیونکہ اس سے آپ نے صرف میرے سوال کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ یہ ہدایت اور رہنمائی بھی ملی کہ آئندہ بھی جب کبھی اس قسم کا خلجان کسی جزئی مسئلہ میں ہو تم کو صرف یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ "اپنے حضرات کی رائے" کیا ہے؟

اس گذارش کے ساتھ آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے ملفوظات قلمبند کرنے کا کیوں شوق تھا؟ اور میں ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں کی کیوں اتنی قدر کرتا تھا۔ اور چونکہ ان کے بعد حضرت مولانا عثمانیؒ کے یہاں بھی ایسی ہی علمی تحقیق وتدقیق کا رنگ دیکھا تو ان کے ملفوظات بھی لکھنا شروع کر دیئے اور پھر یہ سلسلہ اور آگے بڑھا تو حضرت تھانویؒ کے مطبوعہ ملفوظات جو کئی جلدوں میں منتشر ہو کر چھپے ہیں، حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ان مطبوعہ ملفوظات کے مجموعہ میں سے بھی ایک انتخاب کیا جو اونچے درجہ کی معیاری تحقیق وتدقیق یا نوادر علمی خزینوں کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ کی توفیق شامل حال ہوئی تو حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے ملفوظات گرامی شائع ہونے کے بعد ان دونوں حضرات کے بھی ملفوظاتِ سامیہ بالترتیب ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے انشاء اللہ

اس سے آگے آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ملاحظہ فرمائیں جن کی یہ سب کچھ تمہید تھی یا حضرتؒ کا ایک ناقص کی طرف سے ایک ادنیٰ و ناقص تعارف۔

وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔

(۱) مقدمہ بھاولپور

۱۲ ستمبر ۳۲ء کو حضرت شاہ صاحبؒ تقریباً ۲ ماہ دیوبند وغیرہ قیام کے بعد ڈابھیل تشریف لائے۔ اس اثناء میں حضرتؒ بھاولپور کے مشہور تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بھاولپور

تشریف لے گئے تھے، حضرتؒ سے ملاقات کے لئے نیز آپ کا بیان سننے کے لئے نہ صرف ریاست بھاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء وعوام وامیران ریاست بلکہ کراچی، بلوچستان اور پنجاب اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء و فضلاء و روسا پہنچ گئے تھے۔

۲۵ اگست کو حضرت کا بیان شروع ہوا تو کمرۂ عدالت علماء و روسا اور امراء سے پُر ہو گیا تھا۔ اور عدالت کے باہر میدان میں بھی دور دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ آپ کا بیان متواتر پانچ دن رہا۔ جس میں روزانہ تقریباً ۵-۶ گھنٹے علم وعرفان کے دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر وارتداد اور دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے۔ حضرتؒ کے تلمیذ خاص مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد صاحب انوری لائلپوری عم فیضہم اس سفر میں شب و روز ۱۹ یوم تک حضرت کے ساتھ رہے اور حضرتؒ نے ان کو مختار مقدمہ بنوا دیا تھا، نیز حضرتؒ کے عدالتی بیان میں جس قدر حوالجات کتب کی ضرورت پیش آتی تھی وہ بھی مولانا موصوف ہی نکال کر پیش کرتے تھے، جن کو حضرتؒ خود پڑھ کر جج کو سُناتے تھے۔ موصوف کا بیان ہے کہ "حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت۔ مرزا کے ادعاء نبوت ووحی۔ اور مدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں۔ شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا ٹھوس علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں بھی یکجا نہیں ملے گا۔"

افسوس ہے کہ "بیانات علماء ربانی" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں وہ تفصیلات درج نہیں ہوئیں۔ اگر مولانا موصوف حضرتؒ کا پورا بیان (جو ان کے پاس نہایت گرانقدر علمی دستاویز ہے) اشاعت کے لئے عنایت فرما دیں تو مولانا کی باقیات و صالحات میں بطور نعمت غیر مترقبہ ایک جدید علمی اضافہ اور ہم سب خدام حضرتؒ کے لئے

ے سنت پورہ مدرسہ تعلیم الاسلام لائلپور

موجبِ منت ہوگا۔ (وما ھو باول منۃ منھم علینا، شکر اللہ سعیھم ورضی اللہ عنھم وارضاھم آمین

۱۲ / ۱۳ / ستمبر ۱۹۳۲ء) کو متعدد مجالس میں حضرتؒ نے اسی مقدمہ بھاولپور کے حالات اور اپنی شہادت و بیان کے کچھ حصّے سنائے تھے اور راقم الحروف نے ان کو قلمبند کیا تھا۔ جو نذر ناظرین کرتا ہوں۔

خود ہی فرمادیا کہ پورا بیان اسّی صفحات میں لکھا گیا تھا۔

(   ) فرمایا کہ میں نے عدالت میں پانچ وجوہ سے تکفیر مرزائیت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ (۱) دعویٰ نبوت (۲) دعوائے شریعت (۳) توہینِ انبیاء علیہم السلام (۴) انکارِ متواترات وضروریات دین (۵) سبّ انبیاء علیہم السلام۔

فرمایا کہ میں نے عدالت کے سامنے "سبّ" کی تشریح کی اور "اس سے پہلے یہ ثابت کیا کہ سورۂ بقرہ میں جو اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے برگزیدہ بندوں کی بھی اطاعت کی جائے۔ جس کو قصۂ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان سے واضح کیا گیا ہے۔

سبّ کے معنیٰ برا بھلا کہنا، ناسزا کہنا ہے۔ گالی دینا نہیں، اس کے لئے "قذف" کا لفظ آتا ہے اور "سبّ" کی بہت اقسام ہیں مگر جو وہاں کے متعلق اور حسب حال تھیں وہ تین اقسام بیان کیں:۔

(۱) سبّ لزومی:۔ جو بلا قصد آجائے، جبکہ مقصد کوئی دوسری چیز بیان کرنا ہو۔

(۲) سبّ تعریضی:۔ دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑنا جیسے مرزا نے موجودہ انجیل وغیرہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کئے ہیں اور مقصد اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہے۔

چنانچہ دو چار ورق کے بعد کہیں جاکر حوالہ دیدیتے ہیں ورنہ بڑی تفصیل سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلافِ شان حالات لکھتے چلے جاتے ہیں۔ تاکہ دوسروں کے قلوب سے ان کی عزت و وقعت کم کریں، حالانکہ خود تعزیرات ہند میں بھی ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی کسی انگریز مورخ کے لکھے ہوئے کسی واقعہ کو بلاکم و کاست نقل کر دے اور اس سے نفرت پھیلتی ہو تو اس پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو جرم سمجھا گیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ایک شعر پر قادیانیوں کے وکیل کا اعتراض

اور اس کا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب

(۴) سبِّ صریحی :- یہ ظاہر ہے اور میں نے اس کو بھی ثابت کیا اور اس سلسلہ میں مرزا کا یہ شعر پڑھ کر سنایا ؎

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو　　اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس پر وکیل مرزائیین نے اعتراض کیا کہ مولٰنا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) کے ایک شعر میں بھی ایسا ہی مضمون ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ وہ شعر یہ ہے ؎

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا　　اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اس پر عدالت میں جو ہزاروں کا مجمع تھا اور ان میں ہندو بھی تھے، ذرا گھبرایا کہ شاید اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکے، تو میں نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور کہا کہ شعر میں ایک تو شاعری ہوتی ہے، دوسرے جھوٹ۔ (احسنہ اکذبہ کہ شعر میں جتنا زیادہ جھوٹ ہو اتنا ہی زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے) اور تیسرے مبالغہ شاعری میں تخیل اور خیال آفرینی ہوتی ہے یعنی حقیقتِ شئی کے آس پاس آنا اور خود اس کو ظاہر نہ کرنا جس کا مقصد اچنبھے میں ڈالنا ہوتا ہے۔

اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کسی چیز کی حقیقت کو بتلانا یہ خاصہ خدا کا ہے کہ وہی اشیاء کی حقائق کو کماہی بلاکم و کاست بیان کر سکتا ہے دوسرا نہیں۔

پس شاعر اپنے شاعرانہ جذبات میں یہ ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا کہ میں کوئی حقیقت

بیان کر رہا ہوں نہ وہ اس کا مدعی ہوتا ہے۔ البتہ اپنے کسی اچھوتے تخیل یا خیال آفرینی کی صرف داد چاہتا ہے۔

چنانچہ حضرت الاستاد مولانا شیخ الہندؒ کی مراد یہ ہے کہ ہمارے مشائخِ طریقت و شریعت نے مردہ دلوں کو زندہ کیا اور زندہ دلوں کو مرنے نہ دیا، اس مصرعہ میں صرف دل کا لفظ محذوف ہے جس سے شاعر نے اچنبھے میں ڈالا ہے۔ اور خیال آفرینی کی داد چاہی ہے۔

پھر چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنیکے بارے میں بڑے مشہور و ناموری پیغمبر گذرے ہیں اس لئے ان کو اس میں سب سے بڑا فرض کیا ہے، اور دوسرے مصرعہ سے منشاء یہ ہے کہ وہ دیکھیں تو اس کی داد دے سکتے ہیں جیسے بڑے چھوٹوں کی کارگزاری پر داد دیا کرتے ہیں۔

لہذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شعر میں خالص ایمان ہے، اور مرزا کے شعر میں خالص کفر ہے، کیونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اس منقبت احیائے موتٰی میں سب سے زیادہ معظم و مکرم قرار دیکر اپنے اکابر کو بھی ان کے چھوٹوں کے مرتبے میں قرار دے کر اپنی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بڑی سے بڑی عظمت کا اقرار فرمایا ہے اور اس کے برعکس مرزا صاحب نے اپنے شعر کے پہلے مصرعہ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ذکر مبارک سے اعراض کی تلقین کی جیسے کسی کمتر کے ذکر کو ناقابلِ التفات سمجھ کر ایسا کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے مصرعہ میں مزید اہانت یہ کی کہ صاف طور سے کہدیا کہ اس سے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے بہتر غلام احمد ہے نعوذ باللہ من ھذا الکفریات اس سے زیادہ کفر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

دوسرے شعر میں جھوٹ ہوا کرتا ہے اور اس کا قائل اس کے جھوٹ ہونے کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

تیسرے مبالغہ ہوا کرتا ہے کہ شاعر چھوٹی چیز کو بڑا دکھلاتا ہے اور خود قائل بھی سمجھتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اگر کسی مجمع میں اس سے دریافت کیا جائے تو وہ اس کے زائد از حقیقت ہونے کا اقرار کرلے گا۔

(۴) فرمایا ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی قادیانی بیان کرتے ہیں آیات قرآنی واحادیث صحیحہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ختم نبوت کا عقیدہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے، احادیث متواتر المعنی سے، اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے، اس کا منکر قطعاً کافر ہے کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں تاویل و تخصیص کرنے سے وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائے گا۔ ختم نبوت کے بارے میں ہمارے پاس تقریباً دو سو احادیث ہیں۔

قادیانی وکلاء کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی، اور تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ :-

"یہ حدیث قوی نہیں ہے اور باوجود قوی نہ ہونے کے اس کی مراد ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھا وہ سب منکشف نہیں ہے۔ جملاً ہم سمجھتے ہیں کہ ظہر قرآن کی مراد وہ ہے جو قواعد لغت اور عربیت سے اور ادلہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کردے اور بہتوں سے وہ خفی رہ جائیں۔ لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد شریعت اس کو رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات باطنیت والحاد تک پہنچادیگا

حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرماں بردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور بطن کو خدا کے سپرد کر دیں۔ رہا تاویل کا مسئلہ تو اخبار آحاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے تو اس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے البتہ اگر قواعد کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے۔"

(۵) فرمایا :-

آیاتِ قرآنی متواتر ہیں اور قرآن و حدیث جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچی ہیں اس کی دو جانب ہیں، ایک ثبوت کی دوسری دلالت کی، ثبوت قرآن مجید کا متواتر ہے، اگر اس تواتر کا کوئی انکار کرے تو پھر قرآن مجید کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں، اور ایسے ہی جو شخص تواتر کی صحت کا انکار کرے اس نے دین کو ڈھا دیا۔

دوسری جانب دلالت ہے جس کے معنی ہیں "مطلب کی طرف رہنمائی کرنا" دلالت قرآن مجید کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔

اگر اس کی دلالت پر صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا اجماع ہو جائے یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مدلول یہی ہے تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید سارا بسم اللہ سے لے کر والناس تک قطعی الثبوت ہے، دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت، لیکن قرائن کے ملنے سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں تاویل اوامر و نواہی میں ہو سکتی ہے اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے اور اس کے بطن کے معنی ایسے نہیں لئے جا سکتے کہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بمعنی آخری نبی سمجھنے کے منافی ہو۔ اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے اس لئے مذکورہ بالا معنی سے انکار کفر ہے۔ اور قادیانی وکیل کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا جن مسائل کی بنا پر اس نے ایسا کہا ہے وہ اس قبیل سے نہیں ہے جس سے مسئلہ ختم نبوت ہے۔

(۶) فرمایا :-

مرزا صاحب نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے جیسا کہ آیت ھو الذی ارسل رسولہ الآیہ کے متعلق کہا کہ اس میں میرا ذکر ہے اور دوسری جگہ محمد رسول اللہ الآیہ میں کہا کہ میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی، اسی طرح اور کئی تصریحات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے، اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین اور حضرت مریم کی شان میں بھی گستاخی کی ہے، ان سب سے قرآن مجید کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔

(۷) وکیل قادیانی نے مرزا صاحب کی طرف سے صفائی میں بعض عبارتیں ایسی پیش کیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی مدح نکلتی ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ :-

"جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہو گئے تو دوسری ہزار جگہ بھی کلمات مدحیہ لکھے ہوں اور ثنا خوانی کی ہو تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے، جب تک کہ تمام دنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کی اتباع اور اطاعت گزاری کرے اور مدح وثنا کرتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین کر دیا کرے تو کوئی انسان اس کو واقعی مطیع و معتقد نہیں کہہ سکتا۔

(۸) فرمایا :-

مدحیہ اشعار تحقیقی نہیں ہوتے، بلکہ بشر کے کلام اٹکل کے ہوتے ہیں، اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کی گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو خدا کا کلام ہوگا تو وہ عقیدہ ہوگا، اور وہ کسی طرح اٹکل نہ ہوگی بلکہ حقیقت حال ہوگی، نہ کم نہ بیش، اور بشر انتہائی حقیقت کو نہیں پہنچا، تخمینی الفاظ کہتا ہے اور خود شاعر کی نیت بھی اسکو عالم سے منوانا نہیں ہوتی۔ پھر جھوٹے اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میرے کلام کو لوگ

سچ مان لیں اور شاعر کی یہ کوشش بالکل نہیں ہوتی بلکہ وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ لوگ میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے خود اپنی کتاب دافع البلاء کے صنۂ۲ پر لکھا ہے کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔

(۹) انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت کا باب فرق مراتب کا ہے۔ اور جو پیغمبر افضل ہے تو کسی قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے، اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ فرق مراتب اس احتیاط سے امت کو پہنچا ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں لیکن ایسی فضیلت دینا کسی پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو جس سے دوسرے کی توہین لازم آتی ہو کفر صریح ہے۔

(۱۰) تعریفات) فرمایا:۔

ایمان:۔ غیب کی خبروں کو انبیاء علیہ السلام کے اعتقاد پر باور کرنا اسی سے مومن ہے جو سرورِ عالم حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی خدا کی طرف سے لائی ہوئی ان باتوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان خاص وعام اسے جانتے ہیں۔

کفر:۔ حق ناشناسی، منکر ہو جانا، مکر جانا اسی سے جو دینِ محمدی کا اقرار نہ کرے اسے کافر کہتے ہیں اور متواترات دین سے انکار کرنا کفر صریح ہے۔

نفاق:۔ اندر سے اعتقاد نہ ہونا، زبان سے کہنا۔ جو شخص ایسا کرے، اسے منافق کہتے ہیں۔

زندقہ:۔ دین کی حقیقت بدلنا، یا شریعت کے کسی لفظ کو بحال رکھ کر اسکی حقیقت کو بدلنا جو ایسا کرے اسے زندیق کہتے ہیں، اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے

ارتداد:۔ دین اسلام سے ایک مسلمان کا کلمۂ کفر کہہ کر یا ضروریات ومتواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرکے خارج ہو جانا۔

ضروریاتِ دین :۔ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو عوام و خواص پہچانیں کہ یہ دین سے ہیں، جیسے اعتقاد توحید کا، رسالت کا، اور پانچ نمازوں کا اور مثل ان کے اور چیزیں۔

(۱۱) فرمایا :۔

ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے، یا تواتر سے یا اخبار احاد سے، تواتر یہ ہے کہ کوئی چیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت ہوئی اور ہم تک علی الاتصال پہنچی ہو کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔

یہ تواتر چار قسم کا ہے۔ تواترِ اسنادی، تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک اور تواتر توارث

تواتر اسنادی :۔ یہ ہے کہ صحابہ سے بہ سندِ صحیح متصل مذکور ہو۔

تواتر طبقہ :۔ جب یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا، اور صرف یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے سیکھا جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر ہے۔

تواتر قدر مشترک :۔ یہ ہے کہ کئی حدیثیں بطور خبر واحد آئی ہوں اور ان میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہو جو تواتر کو پہنچ جائے۔ مثلاً نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات، جو کچھ متواتر ہیں اور کچھ اخبار احاد ہیں، ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔

اسی سے بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ و سند متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنیٰ کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معانی کو بہت سی سندوں سے اتنے راویوں نے بیان کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تواتر توارث :۔ یہ ہے کہ نسل نے نسل سے لیا ہو، مثلاً بیٹے نے باپ سے لیا ہو اور باپ نے اپنے باپ سے ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی، ان متواترات میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔

کفر کبھی قولی ہوتا ہے کبھی فعلی۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور تیس سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے تو یہ کفر فعلی ہے۔

کفر قولی یہ ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ خدا کے ساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے، اسی طرح یہ بھی کفر قولی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئیگا، کیونکہ تواتر توارث کے ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

(۱۲) فرمایا:۔

یسوع :۔ یہ دراصل عبرانی لفظ ہے، اور عبرانی میں الیشوع بمعنی نجات دہندہ تھا، الیشوع سے یسوع بنا اور عربی زبان میں آکر لفظ عیسیٰ بنا، اور یہ تعریب قرآن مجید سے شروع نہیں ہوئی، بلکہ نزول قرآن مجید سے پہلے عرب کے نصاریٰ بھی عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

(۱۳) مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق فرمایا:۔

مرزا صاحب کی پیدائش چونکہ مسلمان گھرانہ میں ہوئی تھی اور نسلی کافر نہیں تھے اس لئے ابتداءً ان کی نشو ونما تمام اسلامی عقائد پر ہوئی اور وہ ان کے پابند رہے، پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سے ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ انھوں نے باطل اور جھوٹے دعووں کو رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن مجید و احادیث میں مذکور ہیں اور عام و خاص مسلمانوں کی زبان پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا کہ جس سے ان عقائد کا بالکلیہ انکار ہو گیا (مثلاً جس طریق سے نفخ صور یا قیامت کی خبر قرآن مجید و حدیث میں آئی ہے اس سے بالکل انکار کیا ہے، صرف ظاہری الفاظ

رکھے مگر معنیٰ الٹ دیئے۔)

اس لئے ان کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ شریک ہیں، ان کے اقوال وافعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انھوں نے اختیار کئے تھے، ان سے توبہ کر چکے ہیں۔

اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو، چند عقائدِ اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے، کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعوےٰ کرے لیکن ان کی ایسی تاویل وتحریف کردے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ لہٰذا جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جائے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے اس معنی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنی سے کہ صحابہ وتابعین اور تمام امتِ محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہوسکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔

اسی طرح نزولِ مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ اقرار کرلینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے، خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔

یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مرزا صاحب اپنی آخر عمر تک دعوائے نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی، علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک انکی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جائے۔ اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں کیا گیا

(۱۴) مرزا صاحب کے ایک قول سے جو تریاق القلوب حاشیہ ص۱۳۷ سے نقل کیا گیا ہے اور جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دو رویہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو، طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا"

حضرت شاہ صاحبؒ نے حسب ذیل نتائج اخذ فرمائے :-

(۱) اس قول سے لازم آیا کہ سرورِ عالم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں تھے، اور آپ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے، گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہیں۔ اور اصل ابراہیم علیہ السلام رہے اور آئینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحب ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کو "عین محمد" کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو مرزا صاحب عین ابراہیم علیہ السلام بھی ہوئے، اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں اور نہ اُنکی نبوت کوئی مُستقل شئے ہے۔

(۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے اور خاتم النبیین آپ ہوئے کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے صاحب ظل کا اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔

(۳) جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالاتِ نبوت اگر مجتمع ہونگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے نہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور یہ باطل و بے معنی ہے۔

(۱۵) فرمایا :-

مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے، ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی

مضمون کو بیسیوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب اقوال میں اسقدر تہافت و تعارض پایا جاتا ہے، اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے کہ جس سے نتیجہ گڑبڑ رہے اور ان کو بوقت ضرور مخلص و مفر باقی رہے۔

چنانچہ کہیں تو وہ ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنی کے ساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں اور کہیں ایسے عقیدے بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں، کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

(۰۰) (۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ سے پیش کر کے یہ دکھلایا گیا تھا کہ ان میں بہت ہی سب و شتم درج ہے۔ ان کے بارے میں وکیل قادیانی نے جواب دیا کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں انھیں الزامی جوابات دیئے گئے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے ان دشنام آمیز الفاظ کو اپنی شہادت میں بلسلۂ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا، اور کہا کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب کے سلسلہ میں اس قسم کی کوئی خطا پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں اس چیز کو لیتا ہوں جسے انھوں نے قرآن کی تفسیر بتایا ہے اور اسے حق کہا ہے۔

غرض میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی، زبان پر کی ہے اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے بلکہ جس ہجو کو اس نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا اس کو وجہ ارتداد قرار دیا ہے اور اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے :-

(۱) "مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔"

(۲) "عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں، مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔"

اس سے صریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک اور حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں۔

قادیانی وکیل کے اعتراضات

اور

ان کے جوابات، از حضرت شاہ صاحبؒ

وکیل قادیانی نے صوفیاءِ کرام کے بعض ایسے قابلِ اعتراض اقوال پیش کئے جو مرزا صاحب کے اقوال سے مشابہ ہیں، اور باوجود ان اقوال کے ان کو مسلمان کہا جاتا ہے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا:۔

(۱) ہم نے اولیاء اللہ کو ان کی طہارت، تقدس و تقوی کی بے شمار خبریں سن کر اور ان کے شواہد افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ان کو ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ مغائر یا موہم ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی توجیہہ کریں اور حل نکالیں۔

لیکن کسی شخص کی راستبازی ثابت ہونے سے بیشتر ہی اس کے شطحیات (مغالطہ میں ڈالنے والے کلمات) پیش کر کے اس کو مسلم الثبوت مقبولوں پر قیاس کرنا عاقل کا کام نہیں نہ اُن کی تاویل کی ضرورت۔

حاصل یہ کہ کسی کی راستبازی اگر جداگانہ کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہو چکی ہو تو ہم

محتاج تاویل و توجیہ ہوں گے۔ اور اگر زیر بحث صرف یہی کلمات موہم اور مغالطہ آمیز ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے ہی نہیں۔ تو ہم یہ کھوٹی پونجی اسکے منہ پر مار دیں گے۔

(١٨) قادیانی وکیل نے کہا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔

"یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہی ہے، چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے۔"

قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ کافر ٹھیرایا گیا ہے، حالانکہ وہ فقط قبلہ کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام بھی ادا کرتے تھے۔

اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اتفاق کیا ضروریاتِ دین پر۔ اور اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجباتِ کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

(١٩) ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ قادیانی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ عام ارکان اسلام کے پابند ہیں اور تبلیغِ اسلام میں کوشش کرتے ہیں، پھر ان کو کافر کیسے کہا جائے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

"صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جس کے متعلق آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے نکل جائے گی اور ان کو قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے، یہ لوگ نماز روزہ کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع و خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کے نماز، روزے کے مقابلہ میں مسلمان اپنے نماز روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے لیکن اس کے باوجود جب کہ بعض ضروریاتِ دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکمِ کفر سے نہ بچا سکی۔

(۲۰) ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جس کے کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی۔ اس کے جواب میں فرمایا:

اس اعتراض کا منشاء بھی یہی ہے کہ فقہا کا منشا نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ ان کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت ہے جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آئے اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اس کے کلام میں کوئی تصریح ہو جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملۂ تکفیر میں احتیاط برتے اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے، جس کی بنا پر یہ کلام کفر سے بچ سکے تو اسی احتمال کو اختیار کرے اور اس شخص کو کافر نہ کہے۔ لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمۂ کفر اس کی سیکڑوں تحریرات میں بعنوانات و الفاظ مختلفہ موجود ہو۔ جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہی معنی معنی کفری مراد لیتا ہے یا خود اپنے کلام میں معنی کفری کی تصریح کر دے تو باجماعِ فقہا ایسے شخص پر قطعی طور پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور اس کو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

(۲۱) ایک شبہ یہ پیش کیا گیا کہ اگر کوئی کلمۂ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا:۔

اس میں تصریحاتِ فقہاء سے ناواقفیت کارفرما ہے، کیونکہ حضرات فقہاء و متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہو، لیکن ضروریاتِ دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نئے معنی تراشے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا اس کو قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے زندقہ قرار دیا ہے۔

زندیق وہ ہے جو مذہبی لٹریچر بدلے، یعنی الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دیئے ہیں، گو ان کے الفاظ وہی

رہنے دیئے ہیں اس لئے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسی طرح کافر سمجھا جائیگا۔

(۲۲) وکیل قادیانی کی طرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہو گئی نہ کہ مقام نبوت اور وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول لا نبی بعدی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب بھی ہوگا آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا. اس کے جواب میں ہماری طرف سے ان حضرات کے اقوال کی توجیہیں بیان کی گئیں۔ اور میں نے کہا کہ دین کے معاملے میں ان کے اقوال دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے، کیونکہ دینی معاملات میں سوا نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

(۲۳) وکیل قادیانی کی طرف سے کہا گیا کہ "حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد صاحب اور مولانا روم کی کتابوں میں ہے کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں خدا کے نیک بندوں (اولیاء اللہ) میں پائی جاتی ہیں اور وہ وحی جو نبی میں ہے وہ خاص ہے اور وہ شریعت والی وحی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے، اور وہ اس امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوئی ہے اور جیسا کہ مولانا رومی نے کہا ہے، ہوتی تو وہ وحی حق ہی ہے لیکن صوفیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی دل بھی کہدیتے ہیں اور جن طریقوں سے انبیاء علیہم السلام کو وحی یا الہام ہوتا ہے ان ہی طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے، اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق مراتب کے لئے فرق کیا ہے کہ انبیا کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں اور ولی پر بھی وحی بواسطۂ ملک ہوتی ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر بحث کے دوران فرمایا کہ :-

"صوفیاء کے یہاں ایک باب ہے جس کو شطحیات کہتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ

ان پر حالات گذرتے ہیں اور ان حالات میں کچھ کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے، اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب بن جاتے ہیں صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گذرے ہوں یا جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں، وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔

مجملاً ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے، دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائے گا۔ لیکن دین میں کسی زیادتی، کمی کے صوفیاء میں سے کوئی قائل نہیں اور اس کے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صوفیاء نے نبوۃ بمعنی لغوی لے کر مقسم بنایا ہے۔ اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا، دوسرے کو اطلاع دینا کی ہے اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دونوں کو داخل کیا اور نبوت کی دو قسمیں کردیں، نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی۔

نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رسل دونوں درج کردیئے تو اب ان کے لئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف والہام کے لئے نکھر گئی اور مخصوص ہوگئی۔

پھر صوفیاء کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا صرف اسرار و معارف اور مکاشف اس کا دائرہ ہیں، اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں، ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔

کشف اسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے الہام اسے کہتے ہیں کہ دل میں کوئی مضمون ڈالدیا اور سمجھا دیا جائے، وحی یہ ہے کہ خدا اپنے ضابطہ کا پیغام کسی نبی یا رسول پر بھیجے۔ پھر وحی قطعی ہے اور کشف والہام ظنی ہیں۔

بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے، غیروں کے لئے کشف یا الہام

ہے یا معنوی وحی ہو سکتی ہے، شرعی نہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون سے قادیانی وکیل کا استدلال

اور

حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے جواب

(۲۴) قادیانی مختار نے کہا کہ "تحذیر الناس" میں مولٰنا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے بھی خاتم النبیین کے بعد نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ اس پر فرمایا:۔

حضرت مولٰینا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الہامی مضمون میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر بہت قوی دلائل و براہین قائم کئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر ماثور کی گرانقدر علمی توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

اس رسالہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جا بجا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور مضمون ختم نبوت کا بدرجہ تواتر منقول ہونا اور اس کے منکر کا کافر ہونا بھی ثابت فرمایا ہے، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے جج صاحب کو تحذیر الناس کے ص۱ کی عبارت پڑھ کر سنائی۔

اور فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مناظرۂ عجیبہ جو اسی موضوع پر ہے نیز آب حیات قاسم العلوم وغیرہ دیکھی جائیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دو نہیں بلکہ تین قسم کی خاتمیت ثابت فرمائی ہے۔

(۱) بالذات:۔ یعنی مرتبہ حضور کا خاتمیت ذاتی کا ہے، کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وصفِ نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں، اور دوسرے سب انبیاءِ کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے، جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف

بالنور بالذات آفتاب ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہوتی ہیں۔

یہی حال وصفِ نبوت کا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے سب سے پہلے نبوت ملی ہے اور آیت میثاق وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیہ سے واضح ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اس کے رسول ہیں، نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف۔ اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا۔ اور آیت میں ثم جاءکم فرما کر یہ بھی تصریح کر دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اس امر کی صراحت کرتا ہے نیز آیت وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا الآیہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے، اتقان میں ہے ابن حبیب عبداللہ بن عباسؓ سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی پھر انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا، اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے اور اس سے فضیلتِ محمدیہ کو واشگاف کر دینا مقصود ہے، واضح ہو کہ نزولِ عیسٰی علیہ السلام اسلام کا عقیدہ اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

(۲) خاتمیت زمانی:۔ یعنی آپ کا زمانۂ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے، آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔ ساتویں جلد روح المعانی میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔ "بُدِاَ بِیَ الخلق وکنت آخرھم فی البعث" (مجھ سے پیدائشِ مخلوق کی ابتدا کی گئی لیکن میری بعثت سب سے آخر میں ہوگی)، اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے:۔ "کنت اول النبیین

فی الخلق وآخرھم فی البعث (میری پیدائش تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد ہوگی) حضرت مولانا نانوتوی رح نے تیسری[3] خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے:۔

"یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں"۔ اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

...... (۲۴) قادیانی مختار نے کہا کہ امام مالک رح سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رح نے اسی وقت اُبیؔ کی شرح مسلم منگوا کر جلد اول صـ۲۲۶ مطبوعہ مصر سے عبارت ذیل "وفی العتبیۃ قال مالک بینا الناس قیام" پڑھ کر سنائی۔ عتبیہ میں ہے کہ امام مالک رح نے فرمایا در آنحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لیگا اور یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے۔

غرض یہ کہ امام مالک رح کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

...... (۲۵) مختار قادیانی نے اعتراض کیا کہ علماء بریلوی، علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، اور علمائے دیوبند علمائے بریلوی پر۔ اس پر شاہ صاحب رح نے فرمایا:۔

میں بطور وکیل تمام جماعتِ دیوبند کی جانب سے گذارش کرتا ہوں کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے، اور علماء دیوبند و علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں، چنانچہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے تصریح ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شبہ کی بنا پر کلمۂ کفر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائیگی۔ دیکھو ردالمحتار، بحرالرائق وغیرہ۔

...... (۲۶) فرمایا:۔ وکیل قادیانی نے اعتراض کیا کہ بخاری میں تو بُنی الاسلام علےٰ خمس ہے، مطلب یہ تھا کہ تم اصول تکفیر اور دفعات پیش کررہے ہو وہ کہاں ہیں؟

میں نے کہا کہ مسلم شریف کی حدیث میں دبملجئتُ بہ بھی موجود ہے کہ ان سب امور کی تصدیق بھی ضروری ہے جو میں لے کر آیا ہوں۔

... (۲۷) اس نے یہ سوال بھی کیا کہ نماز چھوڑنے والے کے لئے فقہاء کے یہاں کیا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ تین فقہا اس کو فاسق قرار دیتے ہیں، اور ایک امام کافر۔ گویا اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں تو فقد کفر آیا ہے،

میں نے کہا کہ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ خدا چاہے تو بخش دے، جس سے معلوم ہوا کہ کفر نہیں ہے۔

... (۲۸) اس نے سوال کیا کہ اجماع نزولِ عیسیٰ پر ہے یا حیات پر؟ میں نے کہا کہ حیات و نزول کا ایک ہی مسئلہ ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ کی تلخیص الحبیر میں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، پھر میں نے یہ بھی کہا کہ دو حدیثیں ہمارے پاس موجود ہیں جن سے حیات ثابت ہوتی ہے (جبکہ نزول کی احادیث تو متواتر ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کا اس بارے میں رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" مع تعلیقات عالیہ جمہرہ شیخ عبدالفتاح ابی غدہ عم فیوضہم بھی طبع ہو گیا ہے)

(۲۹) ذکر اللہ دل کے مردہ اور زندہ ہونیکے ذکر کی مناسبت سے حضرت قدس سرہٗ کا وہ ملفوظ درج کرتا ہوں جو ذکر اللہ سے متعلق ہے۔ فرمایا:-

حدیث صحیح میں ہے کہ افضل اعمال "ذکر اللہ" ہے اگرچہ حدیث ہی میں ہے کہ افضل اعمال بعد ایمان کے نماز ہے۔ پھر برِّ والدین، پھر جہاد۔ مگر یہ سب بھی اسی لئے ہیں کہ ذکر اللہ پر شامل ہیں۔

نماز میں تو ذکر اللہ ہے ہی اور روزہ بھی اگر خدا کو یاد نہ دلائے تو فاقہ ہے۔ ذکر اللہ

عہ اس بارے میں دوسرے جوابات کے ساتھ حضرتؒ کا یہ محققانہ محدثانہ جواب بہت زیادہ اہم ہے۔ "مؤلف"

دائمی ہے حتّٰی کہ جنت میں بھی رہے گا جو سانس کے ساتھ جاری ہوگا جیسے ملائکہ کے لئے ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جو صوفیاء کے یہاں پاسِ انفاس ہے وہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ پس وہاں سب جنتی بھی فرشتوں کی خصلت پر ہو جائیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ جنت میں حضرت حق جل ذکرہ روزانہ دو بار صبح کو اور عصر کے وقت قرآن مجید کی تلاوت فرمائیں گے اور مقربین سنیں گے۔ اور جنت میں تلاوتِ قرآن مجید رہے گی۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ قبر میں حشر تک نماز، روزہ اور سجدہ کا ساتھ ہے اور مقبور حج بھی کرتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں اور کامیابی یا ناکامی تو آنکھیں بند کرتے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

(۳۰) فرمایا:۔ ایک حدیث صحیح میں ہے کہ جس قدر دیر تک کوئی ذکر اللہ کرتا ہے، خدا اس کا رفیق و سنگی (ہم نشین) ہو جاتا ہے اور میرا گمان ہے کہ یہ خصوصیت نماز میں بھی

؎ صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت انسان کو دی گئی ہے، جن و شیاطین اس کی تلاوت پر قادر نہیں ہیں، بلکہ فرشتوں کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی اور وہ اس آرزو میں رہتے ہیں کہ کوئی انسان تلاوت کرے اور وہ سنیں، ہاں! مومنین جن کو البتہ یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ تلاوت قرآن مجید پر قادر ہو جاتے ہیں (علم الفقہ مولانا عبدالشکور ص۱۱/۲ بحوالہ تفسیر اتقان وغیرہ) اور شاید فرشتوں میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مستثنیٰ ہیں کہ انکی نسبت حدیث میں وارد ہے کہ ہر رمضان میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے، (فتح الباری وغیرہ)

تلاوتِ قرآن مجید کی طرح رویتِ باری جل ذکرہ کی نعمت بھی صرف مومن انسانوں کے لئے خاص ہے کہ وہ جنت میں بقدرِ مراتب ان سب کو حاصل ہوگی، بعض کو صبح و شام، بعض کو ہر جمعہ کے دن اور عورتوں کو عیدین کے دنوں میں، لیکن فرشتوں کو یہ دولت میسر نہ ہوگی، اسی طرح اور بھی بعض نعمتیں صرف مومن بندوں کو عطا ہوئی ہیں، جن کی تفصیل تفسیر مظہری ص۵۵/۵۵ جلد اول میں مطالعہ کی جا سکتی ہے۔ (مؤلف) (نیز ملاحظہ ہو انوار الباری ص۹۸ جلد نہم، اور شب معراج میں دیدارِ خداوندی کی تحقیق بھی ص۹۷/۹ میں مطالعہ کی جائے۔

نہیں ہے، کیونکہ وہاں یہ ہے کہ خدا کا چہرہ اس کے سامنے ہوتا ہے، یعنی آمنا سامنا ہوتا ہے اسی لئے نماز کے سامنے سے گذرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے۔

(۳۱) فرمایا:- حدیث میں ہے کہ احب الکلام الی اللہ ذکر اللہ' ما اصطفاہ اللہ ملائکتہ' یعنی خدائے تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام اس کا ذکر ہے، جس کو اپنے فرشتوں کے لئے پسند و اختیار فرمایا ہے۔

(۳۲) فرمایا:- اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں اور ذکر و ورد بھی جزء ہیں قرآن مجید کے، لیکن قرآن مجید کے برابر نہیں ہیں، کیونکہ کم از کم قرآن مجید ایک آیت ہے، امام صاحبؒ کا قول ہے کہ نماز میں کم از کم ایک آیت ضرور پڑھی جائے، اور یہی صحیح ہے۔

(۳۳) فرمایا:- ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ جنت میں خدا کے دیدار کے بعد بھی منقطع نہ ہوگا لہٰذا وہ لازم الابد ہے، یہ بھی فرمایا کہ غافل کو حیات نہیں ہے اور ذاکر کو موت نہیں ہے، سورۂ اعلےٰ میں جو یہ ہے کہ "لا یموت فیہا ولا یحییٰ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر نہ مردہ ہوگا نہ زندہ کہ اعمالِ حیات نہ ہوں گے۔ موت کے بعد مقربین اعمال بھی کر رہے ہیں، اور عوام بیکار رہیں گے۔

(۳۴) فرمایا:- مومن عورتوں کو عیدین کے دنوں میں دیدارِ خداوندی کی نعمت حاصل ہوا کرے گی (جامع صغیر سیوطی) لیکن اس سے اور اوقات کی نفی نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص کے پاس اشرفیاں ہوں اور وہ قدم قدم پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا شخص ذکر اللہ کرتا ہو تو یہ افضل ہے۔

حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے سے اس کے انوار زمین سے آسمان تک بھر جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ تنہا اللہ اکبر ہی زمین سے آسمان تک بھر دیتا ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ آسمان کو چیر کر نکل جاتا ہے۔ یعنی اس کی سمائی نہیں ہے زمین و آسمان میں۔

جب بندہ اللہ اللہ کہتا ہے تو خدا لبیک لبیک کہتا ہے، اور یہی تفسیر ہے "فاذکرونی اذکرکم" کی اسی لئے میرے نزدیک اذکرکم سے مراد "رحمت سے یاد کرنا" یہ بے ضرورت تاویل ہے۔

حدیث میں ہے کہ بندہ جب نماز میں "الحمد للہ رب العالمین" پڑھتا ہے تو خدا کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے "حمدنی عبدی" پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے "اثنیٰ علی عبدی" پھر مالک یوم الدین پڑھتا ہے تو ارشاد باری ہوتا ہے "مجدنی عبدی" پھر ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتا ہے تو ارشادِ باری ہوتا ہے "ہذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل" پھر اہدنا الصراط الآیہ پڑھتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بندہ کی خاص حاجتیں ہیں اور میں اپنے بندہ کو جو کچھ وہ مانگتا ہے دوں گا۔

یہ تو حدیث سے ہے اور ہمیں خارج سے معلوم ہوا کہ اگر خارجِ صلوٰۃ بھی پڑھیگا تب بھی یہی حکم ہے۔

روح کو خواہ کافر کی ہو یا مومن کی کبھی موت نہیں ہے۔ لیکن اعمالِ حیات ذاکر کے لئے مخصوص ہیں اور غافل بمنزلہ مردہ ہے اگرچہ روح باقی ہے۔

غرض ذاکرین سے ذکر اللہ کسی وقت جدا نہ ہوگا۔ قبر میں بھی، محشر تک ساتھ ہوگا اور جنت میں بھی رہے گا، اسی لئے میں نے کہا کہ ذکر اللہ ان کے حق میں دائمی ہے۔ اور ذاکر کو موت نہیں ہے جیسے غافل بظاہر زندہ ہو کر بھی مردہ ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا محققانہ کلمات طیبات کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شعر مذکور کے مخفی زاویئے پوری روشنی میں آجاتے ہیں۔

یعنی حضرتؒ کا منشا یہ ہے کہ ہمارے اکابر شیوخ طریقت نے اپنے مسترشدین کا تزکیۂ نفوس فرما کر اور ان کو یادِ الٰہی کے راستہ پر چلا کر ان کے غافل و مردہ دلوں کو زندگی عطا فرمائی

(مردوں کو زندہ کیا)، اور پھر ان کے دل ایسے زندہ ہوئے کہ ان کے لئے کبھی بھی موت نہ ہوگی کیونکہ ذاکر کو موت نہیں ہے (زندوں کو مرنے نہ دیا) ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہاں بھی شاعر کی مراد یہی ہے کہ جو دل عشق الٰہی سے (جس کا سبب "ذکر الٰہی" ہوتا ہے) زندہ ہو جاتے ہیں وہ کبھی نہیں مرتے اور ان کو بقاءِ دوام کی ضمانت مل جاتی ہے۔

اسی عشقِ حقیقی کے بارے میں دوسرے شاعر نے کہا ہے ؎

عشق آں شعلہ الیست کوچوں بر فروخت

ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عربی شاعر نے کہا ہے اور بہت ہی خوب کہا ہے ؎

لکَ منزل فی القلب لیس یحلہ

(اے محبوب تیرا گھر میرے دل میں ہے تیری محبت کے سوا اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی)

الا ھواکَ وعن سواکَ اجلہ

(کیونکہ میں اس کو تیرے سوا دنیا کی ہر چیز سے بلند و برتر سمجھتا ہوں)

واقعی جب یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو دنیا جہاں کی بڑی سے بڑی نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہو جاتی ہیں۔ دل کی صحیح قدر و قیمت "عن سواکَ اجلہ" کے درجہ میں پہنچ کر دریافت ہوتی ہے اور اس وقت احساس ہوتا ہے کہ دل جیسی بے بہا اور گرانقدر نعمت کو ہم نے دنیا کی کیسی کیسی بے قدر چیزوں سے لگا کر رائگاں کیا ہے۔

اس وقت یاد آیا کہ امام شافعیؒ کو کسی دنیادار نے موٹے جھوٹے معمولی لباس میں دیکھ کر حقیر نظروں سے دیکھا تھا تو حضرت امام ہمامؒ نے برجستہ یہ دو شعر ارشاد فرمائے تھے ؎

علیّ ثیابٌ لو یباع جمیعھا بفلس لکان الفلس منھنّ اکثرا

وفیھن نفس لو یقاس ببعضھا جمیع الوری کانت اجل واکبرا

یعنی یہ صحیح ہے کہ میں بہت معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہوں کہ ان سب کے مقابلہ میں شاید ایک پیسہ بھی زیادہ ہو لیکن ان کپڑوں کے اندر ایک ایسا بیش قیمت دل مستور ہے کہ اگر اس کے کچھ حصہ کے مقابلہ پر بھی ساری دنیا اور اس کی بیش قیمت چیزوں کو رکھا جائے تو کچھ حصہ بھی ان سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے پھر پورے دل کی قیمت کا تو اندازہ ہی دشوار ہے. کسی نے سچ کہا ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ　　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ایک شعر خود حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے اکثر مجالس میں سنا ہے جو ایسے موقع پر سنایا کرتے تھے وہ بھی ذکر کرتا ہوں ؎

مکنید اے بتاں خراب دلم
آخر ایں خانہ را خدائے ہست

(۳۵) نماز ایک وعظ کے ضمن میں فرمایا:۔
حدیث میں ہے کہ مصلی خدا سے سرگوشی کرتا ہے اور درخواست بخشش کرتا ہے یہ بھی حدیث ہے کہ جب مصلی نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس پر گناہ لاد دیتے ہیں اور رکوع میں وہ گر پڑتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ سجدے میں مصلی خدا کے پیروں پڑتا ہے۔

قعدہ میں خدا کے سامنے دو زانو بیٹھتے ہیں اور التحیات للہ الخ پڑھتے ہیں، یہ سلام کیا ہے ؟! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں سلام کی یادگار ہے، سہیلی (مالکی المذہب) ناقل ہیں اُدھر سے السلام علیک ایھا النبی الخ آیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی امت کو نہ بھولا اور فرمایا السلام علینا وعلے عباد اللہ الصالحین پھر اشھد ان لا الہ الا اللہ اور پھر وہ درود جو امام احمدؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے، علامہ ابن امیر الحاج ؒ نے فرمایا کہ میری نظر سے دونوں جگہ "فی العالمین انک حمید مجید" گذرا ہے، لیکن مشہور آخر میں ہی ہے۔

(۳۶) فرمایا:۔ نباتات سجدہ میں ہیں، چوپائے رکوع میں ہیں اور آدمی قیام میں ہیں یہ تحقیق شیخ اکبر کی ہے۔ نماز میں یہ تمام صورتیں جمع ہو گئی ہیں۔

تکبیر تحریمہ کو حدیث میں ناک نماز کی کہا گیا ہے اور بعض اماموں کے نزدیک نچوڑ نماز کا تکبیر تحریمہ ہے، چنانچہ سفیان ثوری نے خوف کے وقت صرف تکبیر کو قائم مقام صلوۃ کے قرار دیا ہے اور بعد کو اعادہ بھی نہیں کہتے۔

میرے نزدیک جب تک پہلی رکعت ملی، تکبیر تحریمہ کا ثواب مل گیا، اگرچہ فرق رہے گا مقدم و موخر میں اور بعض ابتدا میں کہتے ہیں اور بعض الحمد کے ختم تک مانتے ہیں۔

(۳۷) ایک وعظ میں نماز کی کیفیات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کے ساتھ ہتھیلیاں قبلہ کی جانب کی جاتی ہیں اور یہ قیام ہے ان کا، امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کرے، پھر ہاتھ باندھنا کمر باندھنا ہے اور یہ ان کا قیام ہے، پھر بدن رکوع کرتا ہے تو ہاتھ بھی رکوع کرتے ہیں، جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ بدن تو رکوع کرے اور ہاتھ قیام کو جائیں۔

پھر سجدہ میں بدن کے ساتھ ہاتھ بھی ساجد ہوتے ہیں، رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے پھر تشہد کے اندر لا پر انگلی اٹھائے تو الا پر بٹھا دے۔ کیونکہ نہ جھکایا تو لا ہی کا حکم چلا جائے گا (کذا فی کتب الحنفیہ عن الحلوانی وغیرہ) شافعیہ کے نزدیک اشہد پر اٹھائے۔

(۳۸) فرمایا:۔ تحریمہ سے اشارہ ہے کہ سارے کام کاج چھوڑ دے، چنانچہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، پس شروع میں سبحانک اللہم الخ ہے پھر استعاذہ۔ حدیث ترمذی میں ہے کہ ذکر و استعاذہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دشمن پیچھے ہو تو ذکر اللہ کرنے سے گویا قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جائے، اور دشمن غائب و خاسر ہو کر لوٹ جائے۔ پھر بسم اللہ کہ وہ کلید و کنجی ہے سخی کے دروازے کی۔ فارسی کے شاعر نظامی نے کہا ہے

ہست کلید در گنج حکیم   بسم اللہ الرحمن الرحیم   (مخزن اسرار)

اور خسرو نے کہا ؎

مطلعِ انوارِ خدائے کریم بسم اللہ الرحمن الرحیم (مطلع انوار)

مگر نظامی زیادہ نازک خیال ہیں۔ ان کا شعر خسرو سے بڑھ گیا۔ جامی نے کہا ؎

ہست صلائے سرِ خوانِ کریم بسم اللہ الرحمن الرحیم (پنج گنج)

شیرازی نے کہا ؎

نجم شہاب است بدیوِ رجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم (" ہلالی)

پھر کہتا ہوں کہ نظامی کا کلام سب سے زیادہ اونچا ہے۔

(۳۹) حدیث میں ہے کہ ساری نماز میں شرکت ہے، ایک تو آمین و فاتحہ میں کہ امام نے فاتحہ پڑھی اور مقتدیوں نے آمین کہی۔ دوسرے سمع اللہ لمن حمدہٗ اور ربنا لک الحمد میں ہے۔ یعنی یا خدا! ایسا ہی ہو کہ جیسا ہمارے امام نے مانگا ہے۔ یہ تقسیم کار ہے اور یہ بہترین طریقہ ہے اتحاد و شرکت کا۔

... (۴۰) قومہ میرے نزدیک اس لئے ہے تا کہ پورا کھڑا ہو کر سجدہ کو جائے، کہ سجدہ کا کمال کھڑے ہو کر جانے میں ہے اور خصائص کبریٰ میں قوی حدیث ہے کہ خاصہ اس امت کا ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے پس اسی کے اہتمام شان کے لئے قیامِ قرارت سے مستقل قیام میں ادا کیا گیا۔ آمین پوشیدہ ہے، کیونکہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کی صفت سے ادا ہو۔

... (۴۱) بخاری شریف میں حدیث ہے کہ وحی کے وقت سب مخلوق سجدہ میں چلی جاتی ہے اور سناٹا نکل جاتا ہے، پھر ہوش میں آ کر سجدہ سے اُٹھ کر فرشتے کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے سچ اور حق کہا۔

(۴۲) حنفیہ کی نماز بھی ملأِ اعلیٰ کے مشابہ ہے کہ جب قرارت ہو تو سب خاموش رہیں اور دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی دعائیں قوی حدیثوں میں منقول نہیں ہیں۔

(۴۳) حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں چار انگل کی جگہ بھی خالی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع میں مصروف نہ ہو، ان سب چیزوں کی طرف حدیث میں اشارہ موجود ہے مگر ضرورت ہے قلبِ عارف کی، فقہاء نے ظاہری احکام تو نکال لئے ہیں، لیکن ان کی طرف توجہ نہ کی۔

(۴۴) قلبِ عارف کی مناسبت سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے امام رازیؒ کے آخری وقت، قربِ وفات کے اشعار لعمری قد طفت المعاهد کلها۔ وسرحت طرفی بین تلک المعالم وغیرہ پڑھ کر سنائے، اور علامہ تفتازانیؒ کے اشعار بھی بابۂ تحصیل علوم وفنون اور سب کا حاصل فنون کا جنون ہونا پڑھے، پھر حضرتؒ نے اپنے اشعار بھی سنائے، جو یاد رہے اور جس طرح بھی وہ پیش کئے جاتے ہیں :۔ ؎

(۱) امن عهد ربع طالما کان ابکما	اجبت بدمع حین حییٰ وسلما
(۲) فقدت به قلبی وصبری وحیلتی	ولم الق الا ریب دهر تصرّما
(۳) ومن عبرات العین مالا اسیغه	ومن غلیات الوجد ما کان همهما
(۴) ومن نفثات الصدر مالا ابثه	ومن فجعات الدهر ماقد تهجما
(۵) فاذکر لزمان الفراق وانثنی	علے کبدی من خشیة ان تحتما
(۶) تکفکف دمعی او کففت عنانه	وصار بمجاری الدهر حتی تقدما
(۷) فهل ثمّ داع او مجیب رجوته	یجاملنی شیئاً دعاً او ترحّما
(۸) ولله حمد الحامدین وحمده	رضا لنفسه من کان اکرم ارحما

---

(۴۵) حدیث میں ہے کہ آسمان میں اطیط ہے (سنئے کجاوہ کی آواز چیں چیں) مارے بوجھ کے دب گیا ہے کیونکہ چار انگل کی بھی جگہ نہیں ہے، جہاں کوئی فرشتہ قیام میں، کوئی رکوع میں، کوئی سجدہ میں نہیں وغیرہ بعض شاہانِ دنیا کے یہاں بھی (مثل مہاراجہ کشمیر) دباری کھڑے

رہتے تھے جب تک وہ دربار کرے، مگر فقہ میں بادشاہانِ اسلام کے لئے منع ہے اور صرف خدا کے لئے جائز ہے۔

فرشتے قرآن مجید نہیں پڑھتے، بلکہ اذکار، اوراد، استغفار وغیرہ میں رہتے ہیں، مثلاً کوئی کہتا ہے:۔ سبحان ما عبدناک حق عبادتک کوئی کہتا ہے سبحان ما عرفناک حق معرفتک، اور کوئی سبحان الابدی الابد، سبحان الواحد الاحد، سبحان الفرد الصمد، سبحان الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد۔

ردالمحتار میں نقل ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؓ بعد تراویح ان کو پڑھا کرتے تھے۔

(۴۶) حدیث میں ہے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب کلام ذکر اللہ ہے جس کو اس نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا، لیکن اذکار قرآن مجید کے بعد افضل ہیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں میں جماعت نہیں ہے، طبرانی کی جو حدیث ہے کہ جب کوئی حکم اترتا ہے خدا کا اور وحی آتی ہے تو سناٹا نکل جاتا ہے اور سارے فرشتے سجدہ میں چلے جاتے ہیں کوئی اس کو جماعت کہہ سکتا ہے، مگر میرے نزدیک ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ ایک وقتی و فوری امر ہے اور بس۔

البتہ فرشتوں نے سجدۂ آدم کے وقت جماعت ہی کی تھی۔ اجمعون کا معنے مفسرین لکھتے ہیں کہ آگے پیچھے نہیں بلکہ بیک وقت، لیکن یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل ہوئی پھر خاصہ بنی آدم کا ہی رہا۔

(۴۷) فرشتوں میں صفیں ہیں، الاول فالاول، اور صف بندی ان ہی سے لی گئی ہے امت محمدی میں، بنی اسرائیل میں یہ نہ تھی، بلکہ وعظ کی طرح جمع ہوتے ہیں۔

صرف صف بندی کا حسن دیکھا جائے، تو وہ بھی بیان نہیں ہو سکتا، فوجوں میں بھی یہ شان پوری نہیں ہو سکتی، اور امام اعظمؓ نے اس کو مقارنت سے ادا کر کے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

"وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون" فرشتوں کا قول ہے، وہ لشکر ہیں اور ہم رعایا ہیں، وہ پریڈیں وغیرہ بھی کرتے ہیں اور ہم پر پریڈ نہیں ہے اور یہ نسخہ صف بندی کا وہیں سے آیا ہے، یہی ادا کیا ہے ابوداؤد کی حدیث نے۔

(۴۸) نماز میں تعدیلِ ارکان نہ کرنے پر جس قدر وعیدیں آئی ہیں، قیام کے بارے میں نہیں ہیں، بلکہ اس میں کمی وزیادتی ہوئی ہے حتیٰ کہ سفر میں حضور علیہ وسلم نے معوذتین صبح کی نماز میں پڑھی ہے۔

حدیثِ صحاح میں ہے کہ حضرت عقبہؓ نے تعلیم کی درخواست کی تو آپ نے ان کو معوذتین تعلیم فرمائیں، اور فرمایا کہ "ان سے زیادہ بہتر استعاذہ نہیں ہے" "فلم یرنی سررت بہ" یعنی حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں اتنی مختصر تعلیم سے خوش نہ ہوا تو آپ نے میری اس کیفیت کو محسوس فرمایا اور اسی لئے صبح کی نماز میں معوذتین ہی پڑھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا آپ نے سفر کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔

فرمایا تعدیلِ ارکان کے بارے میں تشدد کی وجہ یہ ہے کہ جلد بازی اور پھرتیلا پن اور وقار و تمکنت کا حال رکوع وسجدہ سے معلوم ہوتا ہے، قیام کے اندر نہیں معلوم ہوتا یعنی اگر قیام طویل بھی کیا کسی نے اور رکوع وسجدہ جلدی جلدی کیا تو وہ اچھا نہیں ہے بلکہ مرغ کی طرح ٹھونگ مارنے جیسا ہی معلوم ہوگا، اور یہ بتلائے گا کہ کچھ وقعت ہی نہیں ہے دربارِ خداوندی کی، اور اگر قیام کم بھی کیا اور رکوع وسجدہ میں کمی نہ کریگا تو وہ وقار و سکون وطمانیت کے خلاف معلوم نہ ہوگا۔ جیسے کوئی کسی دنیا کے دربار میں جائے اور سکون ووقار کے ساتھ خواہ تین چار منٹ ہی کھڑا رہے، اور دوسرا کوئی دو گھنٹے بھی وہاں کھڑا رہے مگر بے چین رہ کر اور خلافِ وقار حرکات کے ساتھ۔

اسی لئے شریعت میں رکوع وسجود کے اندر غط بود کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں[۵۷]

[۵۷] دیکھا جائے کہ تعدیلِ ارکان کی کس قدر اہمیت ہے حنفیہ کے یہاں، مگر متعصب =

فرمایا کہ اسی مضمون کو میں نے کسی قدر کشف الستر میں بھی بیان کیا ہے۔
(۴۸) ایک وعظ میں فرمایا کہ عمامہ تین ذراع (۱ ½ گز عرفی) عام استعمال کے لئے، ۷ ذراع نمازوں کے لئے اور ۱۲ اذراع کا جمعہ، عیدین اور وفود کے لئے ماثور ہے، اس کو علامہ جزری نے امام نووی سے نقل کیا اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح ان کے دستخط سے یہ عبارت دیکھی ہے اور لکھا کہ میں عرصہ تک اس تلاش میں رہا کہ عمامہ کے بارے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم ہو۔
(۴۹) نماز و حج سے زیادہ جامع کوئی عبادت نہیں ہے، پہلے انبیاء علیہم السلام کی عبادات میں جس قدر اجزاء تھے وہ سب امتِ محمدی کے لئے جمع کر دئے گئے ہیں اور ہر نبی پر نماز ہوئی ہے۔
حدیث میں ہے کہ میری بعثت محاسنِ افعال و مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے، اسی لئے حضور آخر میں ہوئے ہیں، پہلے حصہ حصہ تھے اور آخر میں مجتمع ہو کر آئے اور یہ اس سے اچھا ہے کہ پہلے کامل آئے اور بعد کو اجزاء آئیں۔ اول کو فطرت زیادہ پسند کرتی ہے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اے ختمِ رسل مرتبہ ات معلومم شد
دیر آمدۂ زراہِ دور آمدۂ

یعنی آپ کا راستہ دور کا ہے کہ بہت سے مراحل و تمہیدیں طے کر کے آئے ہیں، یہ شعراء ہیں، ان کے احساسات صحیح ہوتے ہیں، کسی نے جو کہا ہے کہ شعراء کی زبانیں مفاتیح ہیں غیب کی، وہ اسی لئے ہے کہ ان کی باتیں اوفق بالحسیات (حس و مشاہدہ سے زیادہ لگاؤ رکھنے والی) ہوتی ہیں۔ دوسرے شاعر نے کہا ؎

ٰ مخالفوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے خلاف کتنا طومار باندھا ہے، اور طرح طرح سے غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے کی سعی کی ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ (مؤلف)

محمدِ عربی کا بروئے ہر دو سرا است
ہر آنکہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

غرض عبادت کے متفرق حصے پہلی امتوں کے حق تعالیٰ نے جمع کر کے امتِ محمدی کو دیدیئے۔

(۵۰) **حنفی نماز** فرمایا:۔ میں کہتا ہوں کہ حنفیوں کی نماز میں کوئی چیز خلافِ سنت عے نہیں ہے، البتہ شوافع حنابلہ اور مالکیوں کی نماز میں، بعض بعض چیزیں ایسی دیکھتا ہوں جو خلافِ سنت ہیں، باوجودیکہ وہ بنیہ صلوٰۃ میں اور صفتِ صلوٰۃ میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ مقابلے کرنے مذاہب کے آدمیت سے باہر ہیں، مگر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ حدیث پر ہمارا ہی قبضہ ہے، حنفی کو حدیث سے کچھ تعلق نہیں ہے جبکہ حنفیوں کو کوفہ میں ہزاروں صحابہ کا حدیثی ذخیرہ ملا ہے اور سب سے بڑے حضرت ابن مسعودؓ کا کہ وہ بھی کوفہ میں آگئے تھے۔

عے حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں نہ عصبیت تھی، نہ گروہ بندی، وہ صرف حق کی حمایت کرتے تھے اور اسی کو اختیار کرتے تھے جہاں بھی ہو، اس کی شہادت اُن کے معاصرین بھی دیتے تھے، حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی فطرت صرف حق کو قبول کرتی تھی اور خود حضرت تھانویؒ مسائلِ مشکلہ میں اپنے اطمینانِ قلبی کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی درایت و روایت سے فیصلے طلب کیا کرتے تھے۔

حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی تبحر کو کسبی سے زیادہ لدنی قرار دیتے تھے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ ہم ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے گرانقدر علمی فیصلوں کے محتاج تھے۔ علامہ کوثریؒ ایسے متبحر عالمی شخصیت نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیفات مطالعہ کر کے فرمایا تھا کہ اس درجہ کا جامعِ علوم و فنون پانچ سو سال کے بعد امتِ محمدی کو میسر ہوا تھا۔ لہٰذا راقم الحروف کی گذارش ہے کہ حضرتؒ کے مندرجہ بالا قسم کے فیصلوں کو معمولی اور بے قدر نہ خیال کیا جائے۔ (مؤلف)

(۵۱) فرمایا:- نماز میں تقسیم کی دو جگہ ہیں، فاتحہ امام کی اور آمین مقتدی کی، لیکن ادھر بعدیت مقصود ہے اور ادھر اختصاص ہے کہ امام بھی آمین میں شریک ہو جاتا ہے، گویا امام کو فاتحہ کے ساتھ اختصاص حاصل ہے تو مقتدی کے لئے بعدیت کا اختصاص ثابت ہے، اسی طرح تقسیم سمع اللہ لمن حمدہ میں بھی ہے کہ اس کو امام کہے گا تو پھر مقتدی ربنا لک الحمد کہے گا، اور جب تقسیم ہے تو اس کے لئے کم سے کم درجہ یہ ہے کہ مقتدی بعد میں کرے۔ اور جب بعدیت ادھر کی ہو چکے تو امام بھی شریک ہو سکتا ہے۔

(۵۲) فرمایا:- یہاں مالکیوں کا مسئلہ بھی سن لو کہ امام جب رکوع سے اٹھے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی بھی اٹھتے ہوئے ربنا لک الحمد کہے اور ساتھ ہی رفع یدین بھی کرے۔ حالانکہ یہ خلاف سنت ہے، اور موافق سنت کے امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی پورا کھڑا ہو جائے تو کھڑے ہو کر ربنا لک الحمد کہے۔

اسکے بعد حضرت نے میر سید علی ہمدانی رح کے اشعار پڑھے، جس کا پہلا شعر یہ ہے

زحسنت ہر کسے ہردم حدیثے دیگر آغاز د
رُخت گر جلوہ سازد نماند ایں حکایتہا

پھر اپنے فارسی اشعار بھی اسی ردیف و قافیہ کے پڑھ کر سنائے، جن پر وعظ ختم فرما دیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(۵۳) **خروج بصنع المصلی** فرمایا:- ترمذی شریف میں حضرت علی رض سے حدیث مروی ہے کہ نماز کی کنجی پاکی اور طہارت ہے، اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور تحلیل تسلیم ہے، اور سنن دار قطنی وغیرہ میں بجائے تحریم کے احرام کا لفظ ہے اور بجائے تحلیل کے احلال ہے، جس سے اشارہ ہوا کہ نماز کو خاص مشابہت حج کے ساتھ ہے کہ جس طرح حج میں اپنے اختیار سے احرام کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں، نماز میں تکبیر تحریمہ کے ذریعے داخل ہوتے ہیں، اور جس طرح حج سے حلق وسر منڈا کر خارج ہو جاتے

ہیں، اسی طرح نماز سے سلام کے ذریعہ نکل جاتے ہیں۔

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعیؒ وغیرہ اس کے قائل ہوئے کہ لفظ سلام فرض ہے اور بغیر سلام کے نماز سے نکلے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور پھر سے پڑھنی پڑیگی، حالانکہ راویِ حدیث مذکور حضرت علیؓ ہی کی دوسری حدیث امام شافعیؒ کی کتاب الام میں اور شرح معانی الآثار طحاوی میں اور سنن دار قطنی وبیہقی میں بھی ہے کہ جب نمازی مقدار تشہد بیٹھ چکے اور پھر وہ بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب راوی خود ہی اپنی روایت کے ظاہر کی مخالفت کرے تو اسی کی بات زیادہ قابلِ قبول ہو گی، پھر جبکہ راوی بھی حضرت علیؓ جیسا عالی قدر امام المحدثین ہو تو ظاہر ہے کہ وہی اپنی روایت کردہ حدیث کے معانی و مطالب سے زیادہ واقف ہے، اسکے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیث مروی ہے کہ جب نمازی آخرِ نماز سے سر اٹھائے اور تشہد بھی پڑھ لے پھر بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ یہ حدیث بھی ترمذی، طحاوی، طیالسی، دار قطنی اور بیہقی کی ہے۔

(۵۴) حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ جیسے حج میں اپنے اختیارات سے داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے اور شروع کرنے کے بعد جنایاتِ حج اور منافیِ صلوٰۃ افعال سے اجتناب کرتا ہے، پھر حج سے نکلنے اور فارغ ہونے کے وقت منافیِ حج فعل حلق کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی طرح

ع۵ نماز و حج کا باہم مشابہ ہونے کی تفصیل کے لئے فتح الملہم ص۲/۱۰۲ اور مسلک امام ابو حنیفہؒ کی ترجیح کے لئے العرف الشذی اور معارف السنن ص۳/۶۸ اور انوار المحمود بھی قابل ملاحظہ ہے۔ جن سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کا مسلک اس بارے میں بھی نہایت قوی ہے، ہمارے حضرت استاذ الاساتذ شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب سب سے الگ اور اکیلے ہوں وہاں آپ کے مذہب کی قوت اور بھی زیادہ ہوتی ہے، تاہم یہ بھی واضح ہو کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ حضرت عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، قتادہ، محمد بن جریر طبری وغیرہم بھی ہیں۔ (مؤلف)

نماز سے بھی منافی صلوٰۃ کسی فعل کے ذریعہ خارج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فقہ میں حرمتِ صلوٰۃ اور حرمتِ حج یہ دونوں تعبیریں آتی ہیں اور نماز میں آنے جانے، چلنے پھرنے کو حرمتِ صلوٰۃ کے خلاف بتاتے ہیں، "الغرض شریعت نے یہ اطلاع دی ہے کہ نماز و حج دونوں کا شروع و آخر کسی فعل کے ذریعے ہونا چاہیئے۔

پھر یہ بھی ضرور ہے کہ نماز کے شروع کی ایک خاص صورت و ہیئت رکھی ہے کہ تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی ہو اور یہ حکم وضعی ہے، تکلیفی نہیں ہے اور آخر میں سلام کی ہیئت بھی خاص مقرر کی ہے جس کو ہم بھی واجب کا درجہ ضرور دیتے ہیں اور اس کے خلاف ہیئت کو مکروہ تحریمی بھی کہتے ہیں، مگر رکن و فرض کے درجہ میں قرار نہیں دے سکتے اس کی مفصل بحث ہماری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم و حضرت ابن مسعودؓ بھی امام ابو حنیفہؒ کی طرح یہی سمجھے ہیں کہ جیسے ختم کا فعل مکرر نہیں ہے، اسی طرح ابتداء بھی مکرر نہیں ہے اور جس طرح تحلیل مکرر نہیں ہے، تحریم میں بھی تکرار نہ چاہیئے۔

حضرت ابن مسعود سے یہ اثر بھی مروی ہے "مفتاح الصلوۃ التکبیر" جبکہ کسی اور صحابی سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔

(۵۵) **رفع یدین** ... اصحابِ حضرت علی و ابن مسعودؓ کے بارے میں مجھے علمِ قاطع حاصل ہے کہ ان کے متعلق علم رفع یدین مشہور رہا، اور امام طحاویؒ نے جو کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے رفعِ یدین ثابت نہیں ہے، وہ میرے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ پھر حضرت علیؓ کی حدیثِ مسلم اذکار میں ہے، جس میں رفعِ یدین نہیں ہے، دوسری وہ ہے جس میں رفعِ یدین ہے، اور ان دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ وہ دو مختلف ہیں، اور اذکار والی میں نہیں ہے۔ جبکہ دوسری میں ایک راوی ضعیف ہے حضرت علقمہ و اسود نے فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ حج کئے ہیں اور اسود کہتے

ہیں کہ میں ۲ دو سال فاروق اعظمؓ کی خدمت میں رہا تو ان کو رفع یدین کرتے ہوئے نہ دیکھا، غرض حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ کا عمل بھی ترکِ رفع یدین ہی رہا ہے۔

(اس مسئلہ کی مکمل بحث و تحقیق رسالہ نیل الفرقدین اور بسط الیدین میں لائقِ مطالعہ ہے۔)

(۵۶) فتح الباری میں ہے کہ رکوع سے اٹھتے ہوئے رفعِ یدین کرے، حالانکہ یہ بات امام شافعی و شریعت دونوں کے خلاف ہے، کیونکہ قومہ میں پیچھے کو ہٹنا یا پیچھے کئے ہوئے کی طرف لوٹنا ہے اور نیا عمل جب ہو کہ سجدہ کو جائے گا، اور اسی وقت رفع ہونا چاہیئے، یہی مقصد امام شافعیؒ کا بھی ہے اور میں جزم کرتا ہوں کہ فتح الباری میں غلط ہے۔ امام احمدؒ کے شاگرد ابوداؤد اور ابن اثرم دو بڑے ہیں، دونوں امام احمد سے روایت کرتے ہیں اذا استتم قائما رفع يديه یعنی رکوع کے بعد جب پورا کھڑا ہو جائے تو رفع یدین کرے اور امام شافعیؒ نے بھی اُم میں خود یہی لکھا ہے۔

لہٰذا غیر مقلدین نے جس طرح بچاس سال سے رفعِ یدین کیا ہے وہ تو یوں ہی گیا بیکار ہی، وہ سمجھے ہی نہیں کہ کس وقت ہے اور کیوں ہے۔

پھر جس وقت دعا کے بعد آمین ہوتی ہے، جیسے دعاءِ قنوت میں کیا جاتا ہے، اسی طرح جب تسمیع ہو چکے تب تحمید ہونی چاہیئے، لہٰذا مقتدی کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا بے محل اور بے سود ہے، اور قوم کا قومہ میں رفعِ یدین بھی خالی جائے گا اور امام احمدؒ کے یہاں لکھا ہوا ہے کہ امام قومہ میں ربنا لک الحمد کہے اور مقتدی رکوع سے اٹھتے ہوئے ربنا لک الحمد کہے اور ساتھ ہی رفعِ یدین بھی کرے اور قومہ خالی ہے۔

(۵۷) مالکیہ کے یہاں ارسال یدین ہے، عقدِ یدین نہیں ہے، استفتاح بھی نہیں ہے، بعد تحریمہ ہی الحمد شریف ہے، یہ حدیث کے خلاف ہے، تسمیہ اور تعوذ

بھی نہیں ہے۔ نہ سراً نہ جہراً۔

مولوی حبیب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے مجھ سے دریافت کیا کہ مالکیہ کے ارسال یدین کی کیا اصل ہے؟ اور شیعہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں، میں نے کہا کہ اُن کے پاس دو تین اثر ہیں، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہیں، اور کچھ نہیں ہے، حالانکہ نماز جیسی چیز جو علی رؤس المنابر والمنابر ادا کی گئی ہے۔ اس میں ایسے شواذ آثار سے کیا کام چلیگا؟"

(۵۸) آمین اس کا محل شریعت نے مرکز اجتماع صلوۃ میں رکھا ہے، یعنی جیسے وعظ وبیان میں مجمع بھر جانے کے بعد وعظ وبیان کی روح اور مقصد بیان کرتے ہیں تاکہ سب آگے پیچھے آنے والے اس میں شریک ہو جائیں، اسی طرح آمین کا وقت فاتحہ کے بعد رکھا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی دونوں فاتحہ و تحمید کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رح جیسا امت میں نہیں ہے، یہ ان کا قول ہے، مگر ہم اپنی بساط کے مطابق کلام کرتے ہیں کہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ قول غیر المغضوب الخ سبب ہے قول آمین کے لئے، اور یہ جواب ہے اس کا کہ جیسے سلام کا جواب ہوتا ہے، لہٰذا امام منفرد ہے فاتحہ کے ساتھ، پھر آمین میں ہمارا مخصوص ہونا ضروری نہیں ہے اور جواب میں اگر امام بھی شریک ہو جائے تو حرج نہیں ہے،

یہ ہے ہمارے نزدیک منشا شریعت کا۔ اسی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہنا سبب ہے ربنا لک الحمد کے لئے، لیکن امام بھی ربنا لک الحمد کہے تو حرج نہیں ہے۔

(۵۹) قرأت میرے نزدیک جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے، اور عند الحنفیہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے، پس قرأت تو یہاں مجرا ہو چکی، اور پھر قیام کے بغیر رکوع نہیں ملتا، لہٰذا قیام باقی رہا۔ اور جب قیام کر کے رکوع میں مل گیا تو رکوع بھی مل گیا، یہ تو رکعت کے حق میں ہوا، پھر

مجموعہ صلوٰۃ میں سے رکعت رکھی ہے کہ اگر ایک رکعت بھی مل گئی تو نماز مل گئی۔ اور مجمع بھرنے کی جگہ آمین کی جگہ ہے۔ حدیث میں ہے "من ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ"

(۶۰) میں نے یہاں بنیۂ صلوٰۃ اور صفتِ صلوٰۃ میں بحث کی ہے، کیونکہ خارج میں تو ممکن ہے کوئی جزوی چیزیں ہماری بھی نکلیں، اس لئے اس میں الجھنا فضول ہے اور یہ بھی اس لئے کہا کہ کوئی دعوے کرے کہ حدیث پر ہم ہی قابض ہیں تو تم بھی کہہ سکو کہ ہم بھی احادیث پر عامل ہیں۔ ورنہ یہ تحقیقات سب بے سود ہی ہیں بغیر عمل کے۔

حدیثِ طبرانی ہے "الخیر کثیر وقلیل فاعلہ" یعنی خیر تو بہت ہے مگر اس کو کرنے والے کم ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ جب مصلی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو اس پر خدا کی طرف سے قیام کی حالت میں بر (نیکیوں) کی بارش کرتے ہیں، جیسے دولھا پر روپیہ واشرفی کی بکھیر کرتے ہیں اور رکوع کرتے ہوئے گویا رحمت نے دبالیا جس سے پشت جھک گئی اور سجدہ میں سب سے زیادہ قربِ خدا سے ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ رکوع میں ازارِ عظمتِ خداوندی پر نظر ہوتی ہے، سجدہ میں رب کے قدموں پر، اور قیام میں رداءِ کبریا پر نظر ہوتی ہے، اور متفرقات کھپانے کی جگہ بھی قیام ہی ہے، چنانچہ شافعیہ کے یہاں طاعون ہو یا جنگ ہو کفار سے تو قیام میں قنوت ہوتی ہے اور حنفیہ کے یہاں رکوع کے بعد قومہ میں قنوت ہوتی ہے، جیسے جلسے میں ساری کارروائیاں ہوتی ہیں اور بیچ میں درج ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کہ رکوع وہ جگہ ہے جہاں شرکت زیادہ ضروری ہے جیسے جلسے میں دیکھا جاتا ہے کہ فلاں وقت تک شریکِ جلسہ ہوا یا نہیں خواہ عمدہ وقت میں نہ پہنچے۔

۔۔۔ (۶۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مجلسِ وعظ کے ختم پر تذکرۂ آخرت کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ اس کا مضمون بہت عالی ہے ؎

شاہراہِ عدم چہ ہموار است
دیدہ بربستہ مے تواں رفتن

نابودی کی سڑک کتنی ہموار ہے کہ آنکھیں بند ہو کر بھی اس پر بے تکلف چلے جاتے ہیں۔ پھر دوسرے دو شعر بھی پڑھے ؎

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ — در روئے جمالِ دوست بینی ہر آئینہ

او در دلِ من است و من اندر کفِ ویم — چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

(۶۲) تحقیق سمٰوات اور علاقہ جہنم و جنّات

فرمایا:- یورپ جو غیر متناہی لطیف غیر متناہی مانتا ہے، میرے نزدیک یہی درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ غیر متناہی کو ہم بغیر تسلسلِ علات کے باطل نہیں مانتے پھر اسی جو میں درجات ہونگے۔ جن کو سمٰوات کہہ سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ:-

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ماثور ہے کہ "عرش کے نیچے بھی پانی ہے اور وہ مسیرۃ خمسمائۃ اعوام ہے"۔ (یعنی اس کا فاصلہ بقدر پانچ سو سال کی مسافت ہے)

میں سمجھتا ہوں کہ عالم علوی ہی (عرش تک) پچاس ہزار سال مسیرۃ کا ہے۔ کیونکہ جنت کے ایک سو درجے[ع] ہیں اور ہر درجہ میں مسافت پانچ سو برس کی ہے لہذا پچاس ہزار برس کی مسافت ہوئی (کما فی البخاری) اور دنیا کا تمام علاقہ اس کے علاوہ ہے۔

حضرت امام مالک[رح] کا واقعہ ہے کہ ہارون[ع] رشید حج کو جانے لگے تو امام صاحب سے کہا کہ میں موطأ سننا چاہتا ہوں فرمایا بہت اچھا۔

اگلے روز خلیفہ منتظر رہے، مگر امام صاحب نہ گئے، بلا کر پوچھا کیوں نہیں آئے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "یہ روحانی علومِ نبوت، عالمِ ارواح سے پچاس ہزار سال کی مسافت طے کر کے آئے ہیں، ان کا حق یہ ہے کہ ان کے پاس جایا جائے نہ کہ ان کو اپنے پاس بلایا جائے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیز سلف میں مشہور تھی اور اسی لئے میں اس

ع جمع الفوائد ص ۳۰۷ ج ۲ عـہ یہ واقعہ تفصیل سے ترجمان السنۃ جلد اول ص ۲۳۲ میں ہے

کے لئے متوجہ ہوتا ہوں اور بیان کرتا ہوں۔

(۶۳) ذکرِ اعمال

فرمایا:۔ حدیث میں ہے کہ دنیا اور تمام معاصی زنا، سرقہ وغیرہ بھی دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، اور علامہ منذری کی کتاب "الترغیب والترہیب" میں حضرت ابو الدرداءؓ سے حدیث مروی ہے کہ حق تعالےٰ محشر میں ندا فرمائیں گے "جو عمل خدا کیلئے کئے گئے ہیں ان سب کو جنت میں لے جاؤ، اور جتنے عمل غیر خدا کے لئے کئے گئے ان سب کو جہنم میں لے جاؤ۔" چنانچہ حجرِ اسود، مقامِ ابراہیم، کعبہ مکرمہ اور مساجد اور دوسری متبرک اشیا سب جنت میں پہنچائی جائیں گی۔

(۶۴) علاقہ آخرت

ایک روز اثنائے درسِ بخاری شریف میں فرمایا:۔ یہ نہ سمجھنا کہ علاقہ ہی نہیں ہے آخرت کا اور جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے اور پچاس ہزار سال تک کی مسافت تک ہے۔

جنت کا سارا اوپر کا علاقہ بطور چھت ہے اور اس سے نیچے کا سارا علاقہ جہنم کا ہے ہمیں حکم ہے کہ اعمالِ صالحہ کر کے اس علاقہ سے باہر نکل جائیں، ورنہ بداعمالیوں کی وجہ سے یہیں پڑے رہ جائیں گے اور فرمایا کہ:۔

جنت میں عمارت تیار ہوتی ہے، جب وہ مکمل ہوجاتی ہے تو موت آجاتی ہے۔ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ قبر میں بھی تکمیل ہوتی ہے، کیونکہ عمل باقی ہے قبر میں بھی۔

یہ بھی فرمایا کہ جنت کی چھت عرشِ رحمٰن ہے (جل ذکرہ) اور ہوسکتا ہے کہ عرشِ رحمٰن تمام درجاتِ جنت کے لئے چھت ہو حالانکہ وہ اوپر نیچے بھی ہوں گے جیسا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ نے "قیامت نامہ" میں وضاحت کی ہے، اور لکھا ہے کہ "جنت کے سارے طبقوں کا یہ حال ہے کہ کوئی طبقہ کسی طبقہ کی اوٹ نہیں ہے،

عہ "بخاری" صفحہ ۹۷ و مسلم ص ۲۷۵/۲

گھر کی چھتوں کی طرح کھلے ہیں بلکہ عرش الٰہی سبھوں کی چھت ہے اور یہ سب طبقے، پائیں باغ، اور بلند باغ کی طرح ہیں، ایک جنت دوسری جنت کی گود میں ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ اس کی مثال شالا مار باغ لاہور ہے۔ اور وہاں تو عالمِ آخرت کی چیزیں ہیں، خدا ہی خوب جانتا ہے۔

راقم الحروف (جامع ملفوظات) عرض کرتا ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کے قریب تحقیق فرمائی ہے انھوں نے حجۃ الاسلام میں معجزۂ انشقاقِ قمر پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

(۶۵) ذکر حضرت نانوتویؒ و حجۃ الاسلام

"اور سنیئے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب کا ایک جا قائم رہنا

یا حضرت یسعیاہ کے لئے یا کسی اور کے لئے آفتاب کا غروب ہونے کے بعد لوٹ آنا، اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہے مگر انشقاقِ قمر اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ اول تو حکمائے انگلینڈ اور فیثا غورسیوں کے مذاہب کے موافق ان دونوں معجزوں میں زمین کا سکون یا کسی قدر اس کا الٹی حرکت کرنا ثابت ہوگا، اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریان انگلستان بپاسِ وطن اسی مذہب کو قبول فرمائیں گے۔

بطلیموسیوں کے مذہب کو یعنی حرکتِ افلاک وشمس وقمر کواکب کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر دربارۂ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ حکمائے انگلستان کے موافق آسمانوں کے اثبات کی ضرورت نہیں، گو ان کے طور پر انکار بھی ضروری نہیں۔

اگر تمام کواکب کو آسمان سے ورے مانئے اور آفتاب کو مرکز عالم پر تجویز کیجئے تو ان کا کچھ نقصان نہیں، نہ ان کی رائے و مذہب میں کچھ

خلل آسکتا ہے۔"

حضرتؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ جدید سائنس کے نظریات سے اسلام کا نظریہ دربارۂ افلاک مخالف نہیں، کیونکہ حکماءِ یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار واثبات ہمارے لئے ضروری نہیں، جس طرح سرے سے افلاک و سمٰوات کے وجود ہی سے انکار کرنا بھی ہمارے لئے ضروری نہیں بلکہ جس طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر کی عبارت میں اپنا رجحان ظاہر کیا ہے اس کے لحاظ سے تو جدید سائنس اور اسلام کے نظریوں میں کامل تطابق ہوتا ہے۔ دوسری بات حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ پورے نظامِ شمسی کو بھی ہم آسمانوں سے ورے مان سکتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس نظامِ شمسی کا پورا کہکشاں بلکہ دوسرے اور کتنے ہی کہکشاں بھی سب آسمانوں سے ورے ہوں اور جس طرح عالمِ علوی پچاس ہزار سال مسافت کا ہے، ایسے ہی ہوسکتا ہے کہ عالمِ سفلی (یعنی دنیا کا رقبہ جو آسمانوں سے نیچے کا علاقہ ہے) وہ بھی ایسا ہی طویل وعریض ہو اور اس بات کو شاید پہلے زمانہ میں مستبعد خیال کیا جاتا مگر اب جو کچھ سائنس جدید نے قسم قسم کے نو ایجاد آلات اور بڑی بڑی دوربینوں کے ذریعے ریسرچ کی ہے اس سے تو یہ بات قطعاً واضح ہوجاتی ہے کہ ہماری اس زمین کے گرد فضائے لامحدود ہے۔ اربوں اور کھربوں میل تک بے شمار ستاروں اور سیاروں کے لاتعداد کہکشاں سمائے ہوئے ہیں اور کہکشاں کیا ہے؟

صرف اپنے کہکشاں کو لیجیے جس کا تعلق ہماری زمین سے ہے کہ اس کے اندر سورج جیسے تقریباً ایک کھرب ثوابت ستارے ہیں، پھر صرف ایک ہمارے سورج کے گرد طواف کرنے والے چالیس سیارے اور ثانوی سیارے ہیں جن کے مجموعے کو ہم نظامِ شمسی سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے ماتحت چاند زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اور زمین مع چاند کے، سورج کے گرد مشغولِ طواف ہے، اور اس نظامِ شمسی کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ

اس کے بعید ترین سیارے پلوٹو کا فاصلہ سورج سے تین ارب سرسٹھ کروڑ میل ہے۔

قرآن مجید میں ہے وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون کہ خدا کے یہاں کا ایک دن تم دنیا والوں کے دنوں کی گنتی کے حساب ایک ہزار سال کا ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا تو اس کی وضاحت مفسرین نے کی ہے، اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح ہمارا ایک دن ہماری زمین کے ایک بار سورج کے گرد چکر لگانے سے بنتا ہے، جو ایک کہکشاں کے ماتحت ایک نظامِ شمسی کے اعتبار سے ہوا پھر اگر ہمارے کہکشاں کے تمام سورج جو تقریباً ایک کھرب بتلائے جاتے ہیں چونکہ وہ بھی اپنے کہکشاں کے گرد اپنی دھیمی رفتار سے گھوم رہے ہیں ان کا ایک دور پورا ہونے سے بھی ایک دن بنے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بمقدار ایک ہزار سال ہو۔

اور اسی طرح فرض کیجئے کہ یہ سب کہکشاں مل کر اپنے بالائی کہکشاں کے گرد بھی گھومتے ہوں اور ان کا ایک چکر پورا ہونے سے جو دن بنے گا وہ بقدر پچاس ہزار سال ہو تو کیا استبعاد ہے، اور شاید اس چکر کے پورا ہونے تک اِس دنیا کے دن ختم ہو کر آخرت کا دن طلوع ہو جائے اور پھر وہاں کا دن پچاس ہزار سال کا ہی ہوا کرے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان بالائی کہکشانوں کا طواف بھی کسی اور بالا بر بالا کہکشاں کے لئے ثابت ہو جائے اور اس کے مدار کے اعتبار سے دن کی بڑائی میں مزید اضافہ ہو۔ اور آخر میں اس امر کا مشاہدہ بھی کیوں مستبعد ہو کہ ایک وقت یہ سب لاتعداد کہکشانوں کے نورانی ستارے اور سیارے

مع اپنے تمام متعلقات و تابعات کے اس اصلی نورِ اکمل و اعظم کے گرد طواف عبادت میں مشغول نظر آئیں گے (جس کے نورِ اعظم کے یہ سب انوار پرتو اور ظل ہیں) اور اللہ نور السمٰوات والارض پر علم الیقین کے بعد عین الیقین بھی حاصل ہوجائے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات کا اصل اور مبدأ نور اللہ تعالٰے جل ذکرہ کا نورِ اعظم ہے، اور پھر آخرت کا دن بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہی متعین ہوجائے جو اس طواف اعظم للرب الاعظم کے مدارِ اعظم کے اعتبار سے ہونا چاہیئے۔

یہاں اس مضمون مذکور کی تقریب سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کا ایک ملفوظ اور بھی ذکر کردوں جو محترم مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے سنایا کہ ایک مرتبہ انھوں نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ فلسفۂ قدیم اور جدید میں سے اسلام سے کونسا قریب ہے؟ تو فرمایا کہ:۔

(۶۶) فلسفۂ قدیم وجدید

فلسفۂ قدیم ابعد عن الاسلام ہے اور فلسفۂ جدید اقرب الی الاسلام ہے اور فرمایا کہ حق تعالٰے کی مشیئت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جن عقلاءِ زمانہ (اہلِ یورپ) نے اسلامی چیزوں معجزات و روحانیات وغیرہ کا انکار کیا تھا، ان ہی کے فلسفہ اور ریسرچ و تحقیقات سے وہ سب چیزیں دنیا والوں کے لئے ثابت و مشاہدہ ہوجائیں۔

چنانچہ روح اور روحانیت کا اقرار وہ کرچکے، خوارقِ عادات بھی تسلیم ہوچکے جن سے معجزات اسلام کا استبعاد عقلی ختم ہوا۔

قرآن مجید میں ہے کہ اہلِ جنت و اہلِ جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے، پہچانیں گے اور باتیں کریں گے، حالانکہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا، تو اب ٹیلیفون، لاسلکی تلغراف، ریڈیو اور

ٹیلی ویژن کی ایجادات نے اس کو بھی قریبِ عقل و مشاہدہ کر دیا ہے
اصوات و اعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا مگر گراموفون کی
ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالےٰ نے زمین اور اس کے
متعلقات میں بھی اخذ و ریکارڈ کا مادہ ودلیعت فرما دیا تھا۔ جس کو ہم یورپ
کی ان ایجادات سے پہلے عقل و مشاہدہ کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے۔
اسی طرح چند مثالیں اور ارشاد فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحب رح کے مذکورہ بالا ملفوظ مبارک سے ہمیں آج کل کے ماحول میں اسلامیات کے سمجھنے سمجھانے کے لئے بہت بڑی روشنی ملتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رح نے فلسفۂ جدید کی طرف توجہ فرمائی خود اس کو پڑھا، سمجھا، اور دوسروں کو پڑھایا اور سمجھایا اور عصر حاضر کی تفسیر الجواہر للطنطاوی کے مطالعہ کی طلبہ و علماء کو تلقین کی، تاکہ جدید ریسرچ کے تمام گوشوں سے باخبر رہ کر علی وجہ البصیرت علمی دینی و تبلیغی خدمات انجام دیں۔

حضرت نانوتوی رح (۴۷)

اسی طرح حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ کے اقتباس حجۃ الاسلام سے بھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی نظر کتنی وسیع تھی اور افلاک و سمٰوات نیز زمین و سورج کی گردش کے سلسلہ میں ان کی بالغ نظری نے ان کی موجودہ مشکلات کا کتنا بہتر حل تجویز فرمایا تھا۔

یورپ و امریکہ میں جو اس زمانہ میں تیزی کے ساتھ اسلامی تعلیمات و نظریات کی قبولیت بڑھتی جا رہی ہے اور وہاں کے لوگ اسلام بھی قبول کر رہے ہیں۔ اس کی بھی بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس دین کو اور سب ادیان موجودہ میں سے زیادہ سے زیادہ عقل و مشاہدہ سے قریب سمجھ رہے ہیں، اور استبعاد عقلی[۵ع] کے عنوان سے

۵ع مناسب ہو گا کہ جدید سائنس کے کچھ نظریات بھی بطور اختصار یہاں ذکر کر دیئے جائیں۔

جتنی چیزیں بھی سامنے لائی گئی تھیں وہ سب ختم ہوتی جارہی ہیں۔

جن سے معلوم ہوگا کہ زمین، شمس و قمر وغیرہ کے سلسلہ میں کیا کیا انکشافات اس وقت تک ہو چکے ہیں اور ان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس وقت روس و امریکہ والے جو چاند تک پہنچنے کی بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں، اور کروڑوں، اربوں روپیہ، قیمتی اوقات اور بے بہا جانیں اس میں کھپا رہے ہیں، ان کی ساری کوششیں اور کامیابیاں خدا کی اس لامحدود کائنات کے لحاظ سے جو عالم علوی اور عالم سفلی کی غیر متناہی پہنائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔

اور ان کا فائدہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے غافل اور سادہ لوح عوام پر اپنی بڑائی و عظمت کا سکہ جما کر ان کو مرعوب و محکوم اور زیر دست رکھنے کا ایک ذریعہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اخبارات میں جلی جلی سرخیوں سے ان کوششوں کا ذکر آتا رہتا ہے اور کالم کے کالم ان خبروں سے سیاہ کئے جاتے ہیں اور نتیجہ خاک نہیں۔ کسی نے سچ کہا تھا کہ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

اور فرض کرو کہ یہ لوگ اپنی سائنسی مشنری کا پورا زور لگا کر چاند تک پہنچ بھی جائیں تو چاند بے چارہ کیا ہے؟ ہماری زمین کا ایک تابع سیارہ جو زمین سے بھی بہت چھوٹا ہے اور زمین کی خدمت پر مامور ہے، آگے بڑھنا ہوگا ان ستاروں، سیاروں، اور کہکشانوں تک بھی رسائی کی فکر ہوگی اور ہونی چاہیئے جنکے حجم اور دوری و بلندی کے تصور سے بھی یقین ہے کہ خود ان فلاسفروں کے بناسپتی دل بھی کانپ جاتے ہوں گے۔

ان تک پہنچنا بلکہ ان تک پہنچنے کی باتیں کرنا بھی دور کی بات ہے اور فرض کرو کہ وہاں تک بھی کسی وقت رسائی ہو سکی تو پھر شاید کوئی پکار اُٹھے کہ ؎

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

اور اس طرح یہ بے نتیجہ ریسرچ کی بھوک کبھی ختم نہ ہو سکے گی

تاکہ جدید تحقیقات بسہولت سمجھے جائیں۔

ستارہ و سیّارہ ستارے وہ ہیں جن میں خود اپنی روشنی ہوتی ہے اور وہ بہ نسبت سیاروں کے ساکن متصور ہوتے ہیں، اگرچہ وہ تمام ثوابت بھی مرکز کہکشاں کے گرد گھومتے رہتے ہیں اور سیارہ میں اپنی روشنی نہیں ہوتی اور وہ کسی ستارہ کے گرد گھومتے ہیں۔

کہکشاں علم فلکیات جدید میں اس سے مراد ثوابت ستاروں کا ایک عدسہ کی شکل کا نظام ہوتا ہے جو زمین کے مرکز سے دور واقع ہے، یہ ہمارا کہکشاں ہے جس کا ایک جزو ہمارا نظامِ شمسی ہے اور اس کی موٹائی یا بلندی ۲۷ ہزار نوری سال ہے، یعنی ۳۲ ہزار کھرب میل اور چوڑائی تین لاکھ نوری سال ہے۔

ہمارے اس کہکشاں مذکور کے علاوہ اور بھی کہکشاں ہیں جن میں سے بعض تک نوایجاد طاقتور دوربینوں کے ذریعہ رسائی ہو رہی ہے۔ مثلاً کہکشاں سدیم اینڈرومیدہ جو ہم سے اٹھ لاکھ پچاس ہزار نوری سال دور ہے۔ اور اس کا قطر ۴۸ ہزار نوری سال ہے اور یورپ کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ایسے بہت سے کہکشاں مل کر ایک بالائی کہکشاں بناتے ہیں اور اس طرح کے لاتعداد بالائی کہکشاں خلا کی لامتناہی وسعتوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

عدسہ آسمان پر چوڑا سا راستہ نظر آتا ہے یہ اس عدسہ کا کنارہ ہے جہاں لاتعداد ستارے جمع ہیں۔

نوری سال روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہے، اس رفتار سے روشنی ایک سال (۳۶۵ دن) میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں (LIGHT YEAR)

نظامِ شمسی یہ ہمارے کہکشاں کے اندر واقع ہے اور اس کا نہایت حقیر جزو ہے کیونکہ ہمارے سورج سے متعلق کل چالیس سیارے اور ثانوی سیارے ہیں جن

کی وجہ سے "نظام شمسی" بولا جاتا ہے کیونکہ سورج اپنے نظام شمسی کے تمام سیاروں اور ثانوی سیاروں (چاند وغیرہ) کی حرکات و سکنات پر چھایا ہوا ہے، اور ہمارے کہکشاں کے اندر ہمارے سورج کی طرح تقریباً ایک کھرب ثوابت و سیارے اور بھی ہیں (اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک کھرب ستاروں سے متعلق بھی کتنے سیارے اور ثانوی سیارے اور ہوں گے) اس کے بعد دوسرے اکتشافات ملاحظہ کیجئے۔

زمین یہ سورج کا ایک سیارہ ہے اور نظامِ شمسی کا ایک نہایت حقیر جزو اس کا قطر خط استوا پر ۷۹۲۷ میل ہے اور قطبین پر ۲۷ میل کم یعنی ۷۹۰۰ میل کا ہے۔ اس کا محور ۲۳½ درجے جھکا ہوا ہے، اسی لئے دن رات برابر نہیں ہوتے، ورنہ ہمیشہ ۱۲-۱۲ گھنٹے کے دن رات ہوا کرتے اور موسمی تغیرات بھی ایسے نہ ہوتے۔

سورج سے اس کا فاصلہ تقریباً ۹ کروڑ ۲۹ لاکھ میل ہے، اپنے مدار پر ۱۸.۱ میل فی سکنڈ کی رفتار سے گھومتی ہے، سورج کی طرح سے یہ بھی سکڑ رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مر کر تنک سکڑ کر رہ جائیگی، یہ اسی طرح بے جان کہلائے گی جس طرح اس وقت چاند ہے، زمین سے تقریباً ۵ میل تک کرۂ ہوا ہم کو ملتا ہے۔ (زمین کی تین حرکتیں ہیں (۱) رات دن میں اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ گرد سورج (۲) سالانہ گرد سورج دَوری حرکت فی گھنٹہ (۳) اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ فضا لا متناہی میں بحساب فی گھنٹہ چل رہی ہے۔ تفصیل انوار الباری میں کی گئی ہے

چاند زمین کا تابع ہے، زمین سے اوسط فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے، چاند کا جسم زمین سے ۱/۵ ہے زمین کی رفتار دن بدن گھٹ رہی ہے۔ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ کئی کئی سو گھنٹے میں زمین اپنے محور پر ایک چکر لگائے گی، یعنی کئی سو گھنٹے کا دن ہوگا اور چاند بھی کافی مدت میں ایک چکر لگائے گا۔

سورج یہ نظامِ شمسی کا مرکز ہے اس کا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل ہے، علاوہ حرکت محوری کے اس کی حرکت دَوری بھی ہے (جو مرکز کہکشاں کے گرد ہوگی) خود اپنے محور پر

۲۶-۲۷ دن میں پورا دورہ کرلیتا ہے، زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور اس میں ذاتی حرارت موجود ہے، ایک چیز کا وزن اگر زمین پر ایک پونڈ ہو تو سورج کے قریب اسی کا وزن ۲۷ پونڈ ہوگا سورج سے حرارت برابر نکل رہی ہے اسی لئے اس کا قطر یا جسم سکڑ رہا ہے، ۲۵ سال میں ایک میل کے قریب یا ایک صدی میں چار میل اس کا جسم یا قطر سکڑ جاتا ہے۔

سورج میں اس قدر روشنی ہے کہ جس قدر ۵۶۳ ۵ موم بتیاں ایک مربع فٹ میں جلانے سے حاصل ہو۔ سورج کی روشنی کی رفتار ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے، اسی لئے اس کی روشنی بعد طلوع ۸ منٹ میں زمین تک پہنچتی ہے اور غروب کے بعد ۸ منٹ تک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد چند دیگر اہم معلومات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ستاروں میں آفتاب سب سے چھوٹا ستارہ ہے اور سب سے نزدیک بھی۔

(۲) ہم سے نزدیک ترین سیارہ سیریس (SIRIUS) یا کوکب سنگ ہم سے آٹھ نوری سال بعید ہے یعنی ۴۸۰ کھرب میل دور ہے اور اس کی روشنی ہم تک چار سال میں پہنچتی ہے۔

(۳) بعض ستارے ایسے ہیں کہ جن کی روشنی دو ہزار برس میں زمین تک پہنچتی ہے، یعنی جو روشنی ہمیں اس وقت بعض ستاروں کی نظر آرہی ہے وہ دو ہزار برس پہلے وہاں سے روانہ ہوئی

(۴) اور سنیئے:۔ بعض ستاروں کی روشنی زمین تک کئی کروڑ برس میں آتی ہے، اور ایک ستارہ حال میں دریافت ہوا ہے جس کا فاصلہ زمین سے آٹھ سو مہا سنگ میل ہے، اسی سے ستاروں کی دوری کا اندازہ ہوگا، اور ان تمام حیرت انگیز تحقیقات و ریسرچ کو اپنے ذہن میں رکھیئے اور آگے بڑھیئے اور ملاحظہ کیجئے کہ ان جدید فلاسفروں کے دل و دماغ پر دوسرے اثرات کیا پڑ رہے ہیں

الف۔ آر مولٹن کہتے ہیں کہ:

"کائنات کا حجم یا لامحدودیت انسان کے لئے اتنی زیادہ اہم نہیں بلکہ جس چیز سے انسان ششدر رہ جاتا ہے وہ کائنات کی مکمل باضابطگی ہے کہ کوئی گڑبڑ نہیں، کوئی چیز خلافِ توقع نہیں ہے۔"

دیکھا آپ نے کہ دنیا اور دنیا والے کہاں پہنچ رہے ہیں اور آپ کا اپنا مقام کہاں ہے؟

فان کنت لا تدری فتلک مصیبة ؎

وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

اس قسم کا اعتراف بھی اگر صانعِ عالم اور خدائے برتر جل ذکرہٗ کا اعتراف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ سچ کہا تھا اکبر مرحوم نے ؎

نئی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے

اُنھیں ساحل نہیں ملتا اِنھیں کشتی نہیں ملتی

یعنی جن کے پاس خدا کی آیات و مظاہر میں غور و فکر کرنے کے لئے آلات و اسباب اور دل و دماغ کا سکون مہیا ہیں۔ ان کو تو ساحلِ مراد اور منزلِ مقصود کا پتہ نہیں اور جو اس سے واقف ہیں ان کے پاس وہ آلات و اسباب وغیرہ نہیں ہیں کہ ان کے ذریعہ وہ ایمان و یقین کی دولت میں اضافہ کریں۔

ملفوظ مبارک مذکورہ بالا بابتہ تحقیق سمٰوات نقش میں پڑھ کر جناب محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی دام مجدہم نے "صدق جدید" میں اپنے خاص تاثرات کا اظہار فرمایا جو کہ درج ذیل ہے:۔

(۶۹) **ایک غیر مخفی حقیقت** علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کا جو درجہ بزرگانِ دیوبند اور فضلائے عصر میں ہوا ہے محتاجِ بیان نہیں، آپ کے ملفوظات دیوبند ہی کے ایک ماہنامہ میں قسط وار نکل رہے ہیں اس کا ایک تازہ اقتباس :۔

"میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ فلسفۂ قدیم وجدید میں اسلام سے کونسا قریب ہے؟ .. تا علی وجہ البصیرت، علمی، دینی و تبلیغی، خدمات کریں۔

بات ہے صاف اور کھلی ہوئی لیکن صدیوں کے تعصب اور مذاقِ قدیم کی پاسداری نے پردے بھی اس پر ایسے تہ بہ تہ ڈال دیئے کہ اس حقیقت تک رسائی کے لئے ضرورت انور شاہؒ ہی جیسے علامۂ وقت کی بصیرت ربانی کی پڑی۔ کاش ان کے اس قسم کے ملفوظات کی اشاعت اُسی وقت ہو گئی ہوتی تو اس سے بے زبانوں کے بھی زبان ہو جاتی اور اس سے متاخر نسل میں کم کم مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے فاضل یگانہ تو اسی کے سہارے بہت کچھ لکھ ڈالتے۔ (صدق جدید ۲۹ رجنوری ۱۹۶۰ء)

آج کل اخبارات و رسائل میں یہ بحث بھی چلی ہوئی ہے کہ فضائی سیاروں میں جاندار مخلوق ہے یا نہیں اور اسلامی لٹریچر سے اس بارے میں کیا روشنی ملتی ہے۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی نقطہ "فلاحِ آخرت" ہے، دنیوی زندگی کی مادی ترقیات یا موجوداتِ عالم کے حقائق سے بحث اس کا موضوع نہیں، اسلام کسی ترقی یا تحقیق کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں تاہم اس سلسلہ میں جو اشارات حضرات مفسرین قرآن مجید نے اخذ کئے ہیں، ان کو مخدوم و محترم جناب عبد الماجد صاحب دریابادی عم فیضہم نے اپنے مخصوص دلنشین طرز سے جمع کر دیا ہے۔ اس لئے مناسب نظر آیا کہ اس موقع پر اس کو بھی بطور حاشیہ یہاں لے لیا جائے۔

(۷۰)

ذی حیات مخلوق سیاروں میں

سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵ میں ایک آیت آئی ہے جو مع ترجمہ حسب ذیل ہے:-

ومن اٰیاتہ خلق السمٰوٰت والارض وما بث فیھما من دابۃ وھو علی جمعھم اذا یشاء قدیر (آیت ۲۹)	اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کے جمع کر لینے پر جب وہ چاہے قادر ہے۔

اللہ کے کلام کا حرف حرف برحق لیکن جانور آسمانوں پر کہاں، جانوروں کا تعلق بس اسی زمین سے ہے آسمان پر تو انسان بھی نہیں چہ جائیکہ گھوڑے اور اونٹ، شیر اور ہاتھی، ہو نہ ہو جانور کے وجود کا تعلق آسمان و زمین کے مجموعہ سے ہے نہ کہ دونوں جگہوں سے فرداً فرداً۔ مجموعہ کے ایک جز پر بھی جس چیز کا تحقق ہوگا اس کا اطلاق مجموعہ پر بھی درست ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ عام ہے، اور خود قرآن مجید ہی میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن میں البحرین (آب شیریں اور آب شور کے دو ذخیروں) کا ذکر کرکے ارشاد ہوا ہے کہ

یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان	دونوں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔

حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں صرف سمندر (آب شور) میں پائی جاتی ہیں نہ کہ دریاؤ (آب شیریں) میں۔ تو قرآن نے ان کے وجود کا اطلاق دونوں قسم کے پانیوں کے مجموعہ پر کر دیا۔ بس وہی صورت یہاں بھی ہے کہ جانور صرف پائے تو اسی زمین پر جاتے ہیں اور قرآن نے اس کا اثبات آسمان و زمین کے مجموعہ کے ساتھ کیا ہے۔

الدواب تکون فی الارض وحدھا لکن یجوز ان ینسب الشیٔ الی جمیع المذکور وان کان ملتبسًا ببعضہ (کشاف)	جانور تو اکیلے زمین پر ہی پائے جاتے ہیں لیکن یہ بالکل جائز ہے کہ ایک شئے ایک مجموعہ کی طرف منسوب کر دی جائے حالانکہ اس کا تعلق اس کے صرف ایک جزو سے ہے

کشاف کی اسی عبارت کو مدارک میں نقل کر دیا گیا ہے۔ اور قاضی بیضاوی نے بھی اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

بما یدب علی الارض وما یکون فی احد الشیئین	جو چیزیں زمین پر چلتی ہوں اور کچھ دو چیزوں میں سے ایک میں پایا جا

یصدق انه فیھما فی الجملة — درست ہے کہ وہ ان کے مجموعہ کے لئے بھی کہہ دیا جائے۔

اور بھی اہل تفسیر اس طرف گئے ہیں، لیکن جب تک کوئی خاص قرینہ اس کا مقتضی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تنگ معنی کیوں لئے جائیں، اور وہی وسیع معنی ظاہر الفاظ سے قریب تر کیوں نہ سمجھے جائیں کہ دابّہ (جاندار مخلوق کا) وجود زمین میں بھی ہو اور آسمانوں میں بھی! — قدیم مفسرین کو تو یہ دشواری بے شک لاحق تھی کہ اس زمانہ میں جبکہ مہذب دنیا کے علوم و فنون پر حکومت یونان کی چھائی ہوئی تھی، یہ تصور بھی کون لاسکتا تھا کہ آسمانوں پر بھی چلتی پھرتی مخلوق اسی دنیا کی طرح موجود ہے؟ اس وقت علم کی دوستی و روشن خیالی کا عین اقتضا یہی تھا کہ کلام الٰہی کو ایسے محال دعوے کو ہر ممکن تاویل سے بچایا جائے اور "نقل" کی وہی تعبیر کی جائے جو معاصر "عقل" کے مطابق و ماتحت ہو۔ لیکن آج بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں جب اجرام فلکی میں جاندار مخلوق کے وجود کا عقیدہ عقل حاضر پر بار نہیں رہا ہے اور بجائے محال اور مستبعد ہونے کے اس کا امکان روز بروز قریب تر و روشن ہوتا جارہا ہے کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ قرآن کو اس کے ظاہر پر نہ لیا جائے؟ — قرآن مجید کا اعجاز سدا بہار ہے۔ ہر دور ایک نئی دلیل اور نئی شہادت اس کے کلام برحق ہونے کی پیش کرتا رہتا ہے، کتنا بے دھڑک اس نے یہ دعوے اجرام فلکی میں جاندار آبادی کے موجود ہونے کا کر دیا، اس وقت جبکہ روئے زمین کے بڑے بڑے عاقلوں، فاضلوں سائنسدانوں میں سے کوئی بھی اس کے ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

لیکن قرآن مجید کے علاوہ کہ مسلمان کا تو ایمان ہی اسکے حرف حرف کے منزل من اللہ ہونے پر ہے اور اس کا بڑے سے بڑا کمال اور بڑے سے بڑا اعجاز بھی اب مومن کے ایمان میں اضافہ نہیں کر سکتا لیکن قربان جائیے قرآن مجید کے ان مخلص خادموں کے جو ہم ہی آپ کے سے دعویٰ بشری علم و فہم رکھنے والے تھے۔ اسی خدمت قرآن مجید کی برکت سے ان کا ذہن کیسا رسا ہو گیا اور کیسی کیسی پتے کی باتیں ان کے قلم سے بھی نکل گئی ہیں۔

زمخشری پانچویں صدی اور چھٹی صدی ہجری کے شروع کے آدمی ہیں۔ اور اپنے اعتزال کے لئے بدنام بھی۔ دیکھئے کیا کہہ گئے ہیں۔

ولا یبعد ان یخلق فی السموات حیوانا یمشی فیھا مشی الاناسی علی الارض (کشاف)	اس میں کوئی بعد نہیں کہ اللہ نے آسمانوں میں بھی ایسے جانور پیدا کر دئے ہوں جو وہاں اسی طرح چلتے پھرتے ہوں جیسے زمین پر انسان چلتے ہیں۔

اور یہ چلنے پھرنے کی قید اس لئے کہ خود دابہ کے معنی بھی چلنے پھرنے والے کے ہیں۔

زمخشری کی عبارت ابھی ختم نہیں ہوئی، آگے سنئے:۔

سبحان الذی خلق ما نعلم وما لا نعلم من اصناف الخلق	پاک ہے وہ ذات جس نے ایسی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جسے ہم جانتے ہیں اور ایسی بھی جسے ہم نہیں جانتے

سبحان اللہ وبحمدہ زمخشری معتزلی ہیں۔ کہیں صوفی ہوتے تو بے تامل ان کے لئے کہا جا سکتا تھا کہ فوق العادۃ کشف تکوینی کے مالک تھے۔ اور نگاہ دوربین ملائکہ کی سی رکھتے تھے۔

اور پھر یہ نکتہ رسی زمخشری تک محدود و مخصوص نہ رہی کبیر و مدارک جس پایہ کی تفسیریں ہیں، کسی صاحب علم پر مخفی نہیں دونوں نے کشاف کی عبارت کہنا چاہیئے کہ لفظ بہ لفظ نقل کر دی ہے

لا یبعد ما یقال انہ تعالیٰ خلق فی السموات انواعا من الحیوانات یمشون مشی الاناسی علی الارض	اس میں کوئی بعد نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ نے آسمانوں میں بھی بعض قسم کے جانور پیدا کر رکھے ہیں جو ایسے ہی چلتے پھرتے ہیں جیسے انسان زمین پر

اور اس سے ملتی جلتی عبارتیں مفسر ابن حیان کی بحر المحیط اور شیخ الاسلام ابو سعود کی تفسیر میں ملتی ہیں اور قمی نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن نے یوں داد نکتہ سنجی دی ہے:۔

ویجوز ان یکون فی السمٰوٰت انواع اخر من الخلائق یدبون کما یدب الحیوان فی الارض	ممکن ہے کہ آسمانوں میں بھی کوئی ایسی مخلوق ہو جو اسی طرح چلتی ہو جیسے حیوان زمین پر چلتے ہیں۔

اور ہمارے علامہ آلوسی بغدادی تو اسی انیسویں صدی عیسوی کے وسط کے آدمی تھے، جو عصری تحقیقات اور یورپی انکشافات سے فی الجملہ آشنا ہو چکے تھے۔ ان کے ہاں اگر تصریح اس حد تک پہنچ گئی ہے تو اس میں کچھ زیادہ حیرت کی بھی بات نہیں۔

لا یبعد ان یکون فی کل سماء حیوانات ومخلوقات علی قدر شتی واحوال مختلفۃ لا نعلمھا۔ (روح المعانی)	اس میں کچھ بھی بعد نہیں کہ ہر ہر آسمان پر حیوان اور مخلوقات بھانت بھانت کے اور مختلف قسم کے موجود ہوں جو ہمارے دائرہ علم سے باہر ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی آٹھویں صدی ہجری کے مشہور ترین مفسر گذرے ہیں۔ ذرا دیکھیے گا کہ کس صفائی قلب کے ساتھ گویا چودھویں صدی ہجری کو پڑھ لیا تھا۔ لیکن اس کے قبل خود دابّۃ کی تشریح اہل لغت کی زبان سے سن لیجیے۔

کل ماش علی الارض دابۃ (تاج العروس، لسان العرب)	زمین پر ہر چلنے والا دابّہ ہے۔

اور پھر آیاتِ قرآنی کا حوالہ دے کر قول نقل کیا ہے:۔

والمعنی کل نفس دابۃ (تاج - لسان)	مراد یہ ہے کہ ہر نفس پر دابہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور آگے پھر قول نقل کیے ہیں:۔

قیل من دابۃ من الانس والجن وکل ما یعقل و قیل انما اراد العموم (تاج ۔لسان)	کہا گیا ہے کہ دابہ ہر انس وجن وصاحب عقل مخلوق ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے عموم ہی مقصود ہے۔

دابّہ کے اسی وسعت مفہوم کے مدنظر مضمون کے شروع میں آیتِ قرآنی میں دابّہ کا ترجمہ جانور سے نہیں۔ جو "حیوان" کا مرادف ہے۔ بلکہ جاندار سے کیا گیا جو اس سے کہیں زیادہ مفہوم رکھتا ہے۔

دابّہ کی اسی وسعت وعموم کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد ابن کثیر دمشقی کی اس شرح و تفسیر کا لطف اٹھائیے۔

وھذا یشمل الملائکۃ والانس والجن وسائر الحیوانات علی اختلاف اشکالھم والوانھم وطباعھم واجناسھم وانواعھم وقد فرقھم فی اقطار السموات والارض (ابن کثیر)	لفظ دابّہ شامل ہے فرشتوں اور انسانوں اور جنات اور سارے حیوانات کو باوجود ان کے شکل، رنگ طبیعت، جنس ونوع کے سارے اختلاف کے اور اللہ نے انھیں پھیلا رکھا ہے اطرافِ زمین وآسمان میں۔

اور سب سے بڑھ کر کمال دکھایا ہے تابعی مجاہد بن جبیر نے جو دوسری بھی نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری میں گذرے ہیں جب کسی ذہن میں تصور بھی سیاروں میں آبادی کا نہیں ہوا تھا۔ وہ آیتِ قرآنی کی بنا پر اس وقت بھی آسمانوں میں آبادی کے قائل ہو گئے تھے۔

وظاھر الآیۃ وجود ذلک فی السموٰت وفی الارض	آیت کے ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے کہ دابہ کا وجود آسمانوں =

(۷) تائیدی اشارات

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی تھی کہ حکماءِ یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات ہم پر لازم نہیں اور نظامِ شمسی اور اس کے متعلقات سب کا وجود آسمانوں کے نیچے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور جنت اور جہنم کے علاقوں کی بھی کسی قدر نشان دہی کی گئی تھی۔

ان کی تائید ملاحظہ ہو:۔

(۱) حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیتِ مبارکہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ کا ترجمہ فرماتے ہیں:۔

ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں پھر فائدہ کہ ہر ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے، اسی راہ پر تیرتا ہے۔ معلوم ہوا ستارے آپ چلتے ہیں یہ نہیں کہ آسمان

= - وبہ قال مجاهد — میں بھی ہے اور زمین پر بھی اور یہی قول مجاہد کا ہے۔ (روح)

آخر میں اتنا اور ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید نے لفظ سمٰوات جہاں جہاں استعمال کیا ہے۔ اس کے اسی عموم میں کیا ہے جو لغتِ عرب میں موجود ہے۔ یعنی ہر بلند شئے۔ ہر وہ شئے جو زمین سے اوپر کی طرف معلوم ہوتی ہے اور جس کے تحت میں بادل ضبابے اور سارے اجرامِ فلکی آجاتے ہیں۔ یونانی فلسفہ کے اصطلاحی فلک، اور فلک الافلاک کا مرادف وہ ہرگز نہیں اور سیارے آج جتنے پائے جاتے ہیں بہر حال احاطہ سماوات ہی کے اندر پائے جاتے ہیں، ایک مریخ کیا معنی سارے ہی سیاروں میں اگر آبادی کا وجود محقق ہو جائے تو مومن کو اپنے ایمان کی طرف سے مطلق خطرہ نہیں۔ اس کا ایمان صرف قرآن مجید پر ہے اور اسکی ان شرحوں پر جو لغتِ عرب اور ارشاداتِ رسولِ معصوم کے مطابق ہوں نہ کہ ان تعبیرات پر جو یونان یا یورپ کہیں کے بھی فلسفہ میں ڈھال کر پیش کی جائیں۔

میں گڑے ہوئے ہیں، اور آسمان چلتا ہے نہیں تو پیرانہ فرماتے۔ (موضح القرآن)

(۲) فی فلکٍ عن ابن عباسؓ الفلکُ السماءُ والجمھور علی ان الفلکَ موجٌ مکفوفٌ تحت السماءِ تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم یسبحون یسیرون ای یدورون (مدارک التنزیل صفحہ ۶/۲)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ فلک سماء ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ آسمان کے نیچے موج مکفوف (مدوّر گھری ہوئی فضا) فلک ہے اور اسی میں سورج، چاند، ستارے چکر لگا رہے ہیں۔ (مدارک۔ روح المعانی وغیرہ)

اکثر مفسرین نے فلک کے بارے میں موجِ مکفوف تحت السماء ہی کا نظریہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماءِ سلف ہی میں یہ رائے طے شدہ حقیقت کے درجہ میں تھی کہ شمس و قمر و سیارات و نجوم سب اپنے اپنے مدار (افلاک یا موجِ مکفوف) میں چکر لگا رہے ہیں اور اس موج مکفوف کا علاقہ یا اس کے طبقات کی چوڑائی اور وسعت غیر معمولی ہے کہ لاکھوں نجوم و سیارے اس میں سمائے ہوتے ہیں اور یہ سب آسمانوں کے نیچے ہیں۔

(۲) فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے اس لئے مدار کو فلک فرمادیا۔ خواہ وہ آسمان ہو فضا بین السمائین یا فضا بین الارض والسما ہو یا ثخن سماء ہو۔ کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور سلف سے تفسیریں مختلف ہیں (کمافی الدرالمنثور) اس لئے اس کو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔

اور اگر یہ قول ثابت ہو جائے کہ شمس کی حرکت کسی مدار پر نہیں تو خواہ اسکی حرکت وضعیہ ہو جو محور پر ہے ایک کرہ متوہمہ پیدا کرتی ہے فلک اس کو بھی عام ہو جائے گا اور اگر اس کی حرکت بھی کسی کوکب کے گرد ہوتی ہو جیسا کہ صاحب روح المعانی نے سورہ رحمٰن میں آیت اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ کی تفسیر میں بعض فلاسفۂ جدید کا قول نقل کیا ہے تو فلک

بمعنی مدار ہی بے تکلف رہے گا۔ واللہ اعلم

اور حرکت وضعیہ بھی دال علی القدرۃ ہے کہ اتنے بڑے جسم میں تصرف ہے اور یہی مقصودِ مقام ہے۔ پس مقصود بالافادہ یہ دلالت ہو جائیگی (بیان القرآن)

(۶۱) علاقہ جہنم (۱) روح المعانی جلد ۲۷ میں والبحر المسجور کے تحت اور تفسیر ابن جریر وغیرہ میں درج ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی سے سوال کیا کہ تمہاری تورات میں دوزخ کا مقام کہاں ہے؟ اس نے کہا بحر آپ نے فرمایا میں اس کو سچا سمجھتا ہوں اور پھر آپ نے آیت والبحر المسجور اور واذا البحار سجرت تلاوت فرمائی۔

(۲) بخاری شریف باب التفسیر میں والبحر المسجور کے تحت درج ہے کہ مسجور کے معنی آگ بھڑکایا ہوا۔ اور حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ سمندروں کو بھڑکا کر ان کا پانی خشک کر دیا جائے گا کہ ایک قطرہ بھی ان میں نہ رہے گا اور اسی طرح وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ کے تحت بھی ہے

(۳) مختصر تذکرۃ القرطبی للشعرانی میں باب ماجاء ان جہنم فی الارض وان البحر طبقھا میں ہے:-

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سمندروں کے نیچے نارِ جہنم ہے

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ کا مطلب بیان فرماتے تھے۔ "جب سمندروں کو بھڑکا کر نارِ جہنم بنایا جائے گا"

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سمندروں کو طبقات جہنم میں سے شمار کرتے تھے۔

عہ مولانا مفتی جمیل الرحمن صاحب سیوہاروی نے حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے کہ فرمایا ہم سب اس جہنم کے علاقہ میں ہیں اور یہاں کی سب چیزیں جہنم بننے کے لئے مستعد د تیار ہیں، یہ بھی فرمایا کہ روح یہاں آتی ہے، مجھے اس کی تحقیق ہو گئی ہے، دوسروں کی رائے پیش کر کے مجھے مرعوب نہ کیا جائے۔

(۴) مسلم شریف (باب مواقیت الصلوٰۃ) میں متعدد احادیث ہیں کہ ظہر کی نماز دوپہر کی شدید گرمی کے وقت سے مؤخر کی جائے، کیونکہ دوزخ کے سال میں دو سانس ہوتے ہیں، ایک موسم سرما میں دوسرا موسم گرما میں اور جو کچھ تم سخت سردی محسوس کرتے ہو وہ بھی جہنم کے سانس سے ہے اور جو کچھ سخت گرمی ہوتی ہے وہ بھی اسی کے سانس سے ہے۔

سائنس جدید کی بھی تحقیق یہ ہے کہ کرۂ ہوا کے اوپر جو زمین سے ۶۰ کیلومیٹر تک ہے، سخت برودۃ ہے جس کو کرۂ زمہریر کہہ سکتے ہیں اس میں اگر انسان کا سر داخل ہو جائے تو ایک سیکنڈ سے بہت کم میں برف بن جائے اور زمین کے اندر حرارت ہے یہ آگ زمین کے اندر ۹۰ کلومیٹر پر ہے اور یہی مقدار قشر زمین کی موٹائی ہے جس کی نسبت پوری زمین سے وہی ہے جو انڈے کے چھلکے کو انڈے سے ہوتی ہے۔ لہذا زمہریر ہمارے اوپر ہے اور سعیر نیچے ہے۔ اور دونوں کا تعلق مطابق حدیث مذکور جہنم سے ہے۔

نیز جدید تحقیق یہ بھی ہے کہ زمین سورج کا ہی ایک ٹکڑا ہے جو اس سے الگ ہو کر ایک مدت تک سخت گرم رہا پھر اوپر کا حصہ سرد ہو کر قابل سکونت ہوا کیونکہ سورج کو آگ کا دہکتا ہوا کرہ مانتے ہیں۔

ع اس حدیث کی مکمل و مدلل شرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم کے قلم سے نقش دیوبند ماہ جولائی اگست دسمبر ۵۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

عہ جس طرح زمین کا اوپر کا حصہ سرد ہے اور اندر آگ کا مخزن ہے اسی طرح سائنس داں کہتے ہیں کہ سورج کی سطح پر (جو اندرونی حصوں کے مقابلہ میں برف کی مانند سرد ہے) صرف بارہ ہزار درجہ کی حرارت ہے، جبکہ لوہا اور سخت سے سخت دھات بھی پانچ اور چھ ہزار درجہ حرارت سے پگھل جاتی ہے پھر اس کی کل حرارت جو زمین کو پہنچتی ہے وہ اس حرارت کے مقابلہ میں جو اس کی اندر کی اصلی حرارت ہے کئی اربوں حصہ کم ہے گویا زمین نار جہنم کا چھوٹا حصہ ہے۔

یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ زمین کے تمام حصے زلزلوں کی زد میں ہیں اور سالانہ تیس ہزار اور روزانہ ایک سو زلزلوں کا اوسط مانا گیا ہے اور چونکہ اکثر زلزلے ہلکے ہوتے ہیں یا سمندروں میں ہوتے ہیں اس لئے ہمیں محسوس نہیں ہوتے۔

اور وجہ زلزلوں کی کثرت کی یہ ہے کہ ہم زمین کے کرۂ نار پر رہتے ہیں جو اندر کی آگ کی وجہ سے ہمیشہ مضطرب اور بے قرار رہتا ہے۔

اور ہمارے اور اس آگ کے درمیان زمین کا چھلکا حائل ہے جو ہر وقت حرکت واضطراب کے لئے آمادہ و مستعد ہے چونکہ نیچے کی آگ کی وجہ سے اس میں سکڑنے اور نشیب و فراز کی کیفیت ہر وقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اس انکشاف کے بعد حدیث ان البحر نار یا ان تحت البحر نارا یا ان البحر من جہنم احاط بھم سرادقھا۔ کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ اندر جو آگ ہے وہ اوپر کی زمین کی آگ سے دسیوں گنا زیادہ قوی و شدید ہے اس سے اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ہماری آگ جہنم کی آگ سے ستّر درجہ گرمی میں کم ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مسلم شریف میں ہے۔

(۶۲) **علاقہ جنّت** | فرمایا:۔ ساتویں آسمان سے عرش تک جنت کا علاقہ ہے۔

= اور سورج بڑا، اور اس طرح نہ معلوم کتنے اور ناری کرّے اس دنیا کے جہنمی حصہ میں مستور ہیں اور ان کا ظہور و مظاہرہ یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ تک موخر ہے کہ اس وقت یہ سب جہنم کی قنا تیں بن کر دنیا کے حاملین کفر و شرک و معاصی کو گھیر لیں گی اور کوئی مددگار قوت و طاقت اس عذاب محیط سے نجات دلانے والی نہ ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ اَعِذۡنَا مِنۡہُ بِجَاہِ حَبِیۡبِكَ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کما تحب و ترضیٰ۔

اور نیچے سب دوزخ کا علاقہ ہے، لیکن بعض چیزیں جنت کی عاریت آئی ہوئی ہیں، جیسے حدیث میں ہے ما بین منبری وبیتی روضۃ الخ یعنی وہ حصہ جنت سے آیا ہوا ہے اور وہیں چلا جائے گا۔

حدیث بخاری میں ہے کہ خدا سے جنت الفردوس مانگو کیونکہ فردوس کی چھت عرش ہے۔ اور عند سدرۃ المنتہیٰ آیا ہے اور وہ بروئے حدیث ساتویں آسمان پر ہے (۱۴) فرمایا:۔ (۱) آیت کریمہ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے تحت تفسیر خازن اور بغوی اعظم التفاسیر وغیرہ میں ہے کہ کفار کے اعمال وادعیہ ان کی زندگی میں اور موت کے بعد ان کی ارواح آسمانوں پر نہیں جاتیں اور نہ جنت میں داخل ہونگی اور ان کی ارواح کو سجّین کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے اور ارواح مومنین کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور حضرت براء بن عازب سے مرفوعاً بھی یہی مضمون مروی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں کے اوپر ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام سے ماثور ہے کہ فرمایا "جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں"

(۳) علامہ ابن حزم نے فرمایا کہ "آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام سے آسمانوں میں ملاقات کی" اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا علاقہ آسمانو میں ہے۔

(۴) حضرت ابن مسعودؓ سے ماثور ہے۔ فرمایا:۔

"قیامت کے دن ساری زمین دوزخ ہو گی اور اس کے علاوہ جنت کا علاقہ ہے اور اولیاء اللہ عرش کے سایہ میں ہوں گے۔

(۵) روح المعانی میں آیہ کریمہ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ کے تحت حضرت ابن عباسؓ

کا قول نقل کیا ہے کہ سقف مرفوع سے مراد عرشِ الٰہی ہے وہ جنت کی چھت ہے۔

(۶) قرآن مجید میں متعدد جگہ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ آیا ہے اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جنتیوں کا مقام و محل عالم علوی ہے۔

(۶۴) یورپ میں علم الارواح ایک مستقل فن کی صورت میں مدون ہو گیا ہے اور اس پر بہت زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں، عربی میں بھی علامہ فرید وجدی اور علامہ طنطاوی وغیرہ کی کتابیں قابلِ مطالعہ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ و یورپ کے بڑے بڑے عقلاء، حکماء و فلاسفہ کو یقین کے درجہ میں یہ بات محقق ہو گئی ہے کہ ارواح سے ان کا اتصال شک و مغالطہ سے پاک ہے۔ اور جو کچھ معلومات ان کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں یا آئندہ ہوں گی وہ صحیح و درست ہی ہیں — ان معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ:۔

ارواح زمین سے منتقل ہو کر حسب استعداد فطری عالم بہ عالم اوپر چڑھتی ہیں حتیٰ کہ سب سے اوپر کے عوالم سماویہ تک بھی جاتی ہیں یہ بھی علاقۂ جنت کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جنت کا علاقہ آسمانوں سے اوپر ہے جس کو عالم علوی سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے کا سارا علاقہ جہنم کا ہے اور ہمیں حکم الٰہی ہے کہ اعمالِ صالحہ کر کے اس علاقہ سے نکل جائیں۔

(۶۵) اس آخری جملہ کی مناسبت سے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے دو مکتوب دیکھیے جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:۔

(۱) حصہ دوم دفتر اول مکتوبات کے مکتوب شصت و چہارم میں ہے۔

دنیا کے لذت والم کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جن چیزوں سے جسم کو لذت حاصل ہوتی ہے روح کو ان سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اور جن چیزوں سے جسم کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے روح کو ان سے لذت ملتی ہے، گویا روح و جسم ایک دوسرے کی نقیض و ضد ہیں۔

اور روح عالمِ بالا سے جسم میں اتر کر جسم و جسمانی علائق میں گرفتار ہو گئی ہے بلکہ بوجہ غایتِ قرب و اتصال جسمانی خواص حاصل کر چکی ہے، اسی لئے وہ جسم کے ساتھ ساتھ اسی کی طرح لذت و الم سے متاثر ہونے لگتی ہے لیکن یہ بات عوام کالانعام میں ہوتی ہے۔

افسوس ہزار افسوس ہے اگر روح علوی جسم سفلی کی اس گرفتاری سے خلاصی حاصل کر کے اپنے وطنِ اصلی کی طرف رجوع نہ کر سکے۔

درحقیقت یہ روح کی بیماری ہے کہ اپنی تکلیف کو لذت اور لذت کو الم سمجھنے لگی ہے۔ جس طرح کہ صفراوی بیماری میں مبتلا آدمی شیریں چیزوں کو تلخ سمجھنے لگتا ہے۔

لہٰذا عقلاء کو چاہیئے کہ اپنی روح کو اس بیماری سے نجات دلانے کی پوری فکر کریں تاکہ دنیا کے ظاہری آلام و مصائب اور تکالیفِ شرعیہ کو بطیبِ خاطر برداشت کریں۔

اگر اچھی طرح سوچا سمجھا جائے تو یہ بات بے شبہ واضح ہے کہ دنیا کے آلام و مصائب اگر دنیا میں نہ ہوتے تو دنیا ایک جو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی۔ گویا تلخی حوادث دوا کی تلخی کی طرح مفید و نافع ہے کہ اس سے ازالۂ مرض ہوتا ہے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ۔ لہٰذا یہاں راحتوں، لذتوں اور عیش و عشرت کی تلاش و جستجو عقل و دانش کے خلاف ہے۔

(۲) حصہ دوم دفتر اول کے مکتوب نود و نہم۔ بنام ملا حسن صاحب کشمیری میں فرمایا

روح انسانی کے لئے ترقیات و عروج کی راہیں اس جسم مادی کے تعلق سے پیشتر مسدود تھیں وہ فرشتوں کی طرح ایک حال و مقام پر قائم تھیں لیکن حق تعالےٰ نے اس جوہرِ نفیس کی سرشت میں عروج و ترقی کی استعداد ودیعت فرمائی تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی مگر اس کا ظہور نزول جسمانی پر موقوف کر دیا تھا۔

اور چونکہ روح و جسم ایک دوسرے کی نقیض و متضاد تھے، ایک جوہرِ نورانی، دوسرا پیکرِ ظلمانی، اس لئے ان کا اجتماع پھر باہم وابستگی دشوار تھی۔

اس کی تدبیر حق تعالےٰ نے اپنے بے پایاں کرم اور فضل و حکمت سے یہ کی کہ روح

کو نفس کے ساتھ تعلقِ غایت محبت و عشق کا عطا کیا جس سے ان دونوں کا باہم ربط قائم ہو گیا اور دنیا کی زندگی یکجائی بسر کرنے کا سامان ہوا آیہ کریمہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے، اور یہ تنزلِ روح، اور گرفتاریٔ عشق حقیقت مدح و تعریف، بطریق مذمت ہے کہ اسی کے باعث اس کو بامِ عروج پر پہنچاتا ہے۔

غرض روح نے اس تعلقِ عشق و محبت کی وجہ سے اپنے آپ کو پوری طرح سپرد نفس کر کے اس کی تابعداری اختیار کر لی۔ اور اپنی ملکوتی حقیقت کو بھلا کر ہم رنگِ نفس امارہ بن گئی کیونکہ روح کی سرشت میں اس کے کمال لطافت کے باعث یہ بھی ہے کہ جس کی طرف بھی اس کا میلان ہوتا ہے اسی کے حکم اور احکام کی تعمیل کرنے لگتی ہے۔

پس جب اس کی وارفتگی خود فراموشی کی حد تک پہنچی تو اس کا لازمی اثر ہوا کہ حضرت حق تعالے سے جو سابق تعلق و نسبت آگاہی میسر تھی وہ بھی فراموش ہو گئی اور غفلت نے ظلمت کے حجابات حائل کر دیئے۔

اسی لئے حق تعالے نے اپنے کمالِ فضل و کرم و بندہ نوازی سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے ذریعہ سے اپنی طرف بلایا اور سختی سے احکام دیئے کہ روح اپنی معشوقہ نفسِ امارہ کی تمام خواہشات کو ٹھکرا دے (اور نفس کو مجبور کرے کہ وہ احکامِ الٰہی کی فرمانبرداری کر کے نفسِ مطمئنہ بن جائے)

پس جو روح (عالم علوی کی طرف) واپسی کا سامان کرے گی وہ فائز المرام ہو گی اور جو اپنا سرِ خیال بلند نہیں کرے گی اور زمینی کثافتوں میں کھوئی رہے گی

؏ روح علوی اور اس جسم سفلی میں باوجود اس تفاوتِ زمین و آسمان کے وہ رابطہ ہے جو آہن کو مقناطیس کے ساتھ ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ آتے وقت بے تکان آجاتی ہے اور جاتے وقت بدشواری اور بمجبوری جاتی ہے۔ اسی لئے اگر جبر خارجی ہٹ جائے تو پھر وہ بالضرور اپنی جگہ پر آجائے (قبلہ نما ص ۱۳)

رہے گی وہ بہت بڑی گمراہی کا شکار ہوئی۔

(۶۷) جزاء وسزاء عینِ اعمال ہے

فرمایا:۔ آخرت میں اعمال کا ثمرہ جو ملے گا وہی عمل ہوں گے۔ ان کی ایک صورت ہے عالمِ دنیا کی اور دوسری عالمِ آخرت کی، عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا۔ اور اس کی دلیل آیت قرآنی وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ہے جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا لیکن میں کہتا ہوں کہ بعینہ اپنے کئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے اور یہ مفہوم دوسری آیات واحادیث سے بھی مؤید ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ اسی سے منشق ہو کر تقدیر بھی نکلی ہے، یعنی جبر وقدر کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے کہ جزاء جب عینِ عمل ٹھیری تو اچھے عمل کا ثمرہ اچھا اور بُرے کا بُرا ہونا ہی چاہیئے ؎

دانہ خلافِ تخم نے ہر چہ بود ز جبر وقدر
آنچہ کہ کشتۂ درو حنظہ زحنظ جو زجو

یہ بھی واضح ہو کہ افعالِ عباد بطور شئی واحد ذو وجہین ہیں نہ کہ شئی واحد ذو جزئین کہ خلق وکسب دو چیزیں الگ الگ ہوں اور ان کا فرق کر کے دکھلایا جائے۔

پھر فرمایا کہ امام غزالیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ایک مخزن ہے آگ کا جس کو تمام عالم میں پھیلا کر دوزخ بنا دیا جائے گا۔

اور موجودہ سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ پانی و ہوا میں بھی بجلی ہے اگرچہ ضعیف ہے، اور زمین میں بھی بجلی ہے۔ گویا یہ سب چیزیں نار بننے کے لئے مستعد ہیں۔

پھر اس کے ساتھ میری رائے یہ ہے کہ ہمارے ان اعمال میں بھی نار بننے کی صلاحیت واستعداد موجود ہے۔ لہٰذا یہ اعمالِ بد بھی نار بن جائیں گے۔ وَوَجَدُوْا

مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۔ (کہف)

اس کے بعد فرمایا کہ قبر میں تمام اعمال مصور ہو کر آئیں گے۔ چنانچہ ابوداؤد و مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ قبر میں ایک شخص حسین و جمیل شکل والا، بہترین پاکیزہ لباس میں مردہ کے پاس آئے گا اور وہ عملِ صالح ہو گا اور ایک شخص بدصورت، ہیبت ناک شکل میں آئے گا اور وہ عملِ بد ہو گا۔

نیز صحیح ابن حبان میں حدیث ہے کہ قبر میں وحشت کے وقت قرآن مجید سر کی طرف سے، زکوٰۃ پیروں کی طرف سے، نماز داہنی جانب سے اور روزہ بائیں طرف سے حفاظت کرینگے اور مونس ہوں گے۔

اور ترمذی شریف میں ہے کہ نماز برہان ہے، اس سے میرا ذہن گیا کہ داہنی طرف اس لئے ہے کہ برہان بھی دستاویز ہے جو داہنے ہاتھ میں ہوا کرتی ہے۔ اور روزہ بطور ڈھال ہے کہ بائیں ہاتھ میں ہوا کرتی ہے۔ قرآن مجید سر کی طرف سے اس لئے کہ بادشاہ کا کلام ہے، اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بچہ کو قرآن مجید پڑھائے گا اس شخص کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا۔

اور چونکہ چل پھر کر مال کمایا تھا۔ (جس سے زکوٰۃ دی) اس لئے صدقہ پیروں کی طرف سے حفاظت کرے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ قرآن حجت کرے گا خدا کے سامنے، یعنی بخشوانے کے لئے مگر یہ جب ہے کہ اطاعت کی ہوگی، اور قرآن کے مطابق عمل کئے ہونگے، ورنہ وہ پیچھے پیچھے ہو گا یعنی مدعا علیہ بنائے گا۔ والقرآن حجۃ لک اوعلیک

پھر فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف ہے محشر میں پیشی کے وقت داہنی طرف اللہ اکبر، بائیں طرف سبحان اللہ، پچھلی طرف الحمد للہ اور سامنے سے لا الہ الا اللہ یہ چاروں کلمات رفیق ہوں گے۔

یہ ترتیب اسی لئے ہے کہ اللہ اکبر اعلان کی چیز ہے، چنانچہ نعرۂ تکبیر جہاد وغیرہ میں ہے اور علمِ جہاد بھی داہنے ہاتھ میں ہوتا ہے، لہٰذا داہنی جانب مناسب ہے۔

سبحان اللہ تسبیح ہے نقائص وعیوب سے اور صفتِ سلبی ہے۔ لہٰذا ڈھال کی جگہ (بائیں طرف) مناسب ہے الحمد للہ یہ آخر میں اور ہر کام سے پیچھے ہوا کرتا ہے، جیسے کھانے کے بعد، اور ترازو میں بھی آخر میں ہوگا، لہٰذا پیچھے ہونا مناسب ہے۔

اور لا الٰہ الا اللہ چونکہ ہادی در اہنما ہے اس کا سامنے ہی ہونا مناسب ہے

یہ بھی فرمایا کہ جس قدر نیکیاں ہیں وہ محشر میں سواریاں ہو جائیں گی اور بدیاں بوجھ ہو جائیں گے، اسی لئے قرآن مجید میں اوزار کا لفظ ہے یعنی بوجھ۔ کیونکہ نیکیوں پر بمشکل اپنے آپ کو چڑھایا تھا، اور بدیوں پر لذت کی وجہ سے بطوع ورغبت سوار ہوتا تھا۔

ع۵ راقم الحروف جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ شاید حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کا مستدل اس کے لئے حدیث ذیل ہو جو مختصر تذکرۃ القرطبی للشعرانی ص۲۹ میں ہے۔

حضرت عمر بن قیس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جب روز قیامت میں اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا نیک عمل بہترین خوشبو سے معطر حسین وجمیل صورت میں استقبال کرے گا اور کہیگا:۔ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

وہ کہے گا نہیں، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہاری شکل وشمائل کو بہت ہی خوب بنایا ہے،

وہ جواب دیگا درحقیقت تم ہی دنیا میں ایسے اچھے تھے اور میں تمھارا وہی عملِ صالح تو ہوں جو دنیا میں تمھارے اوپر بار ہوا کرتا تھا، لہٰذا آج تم مجھ پر سوار ہو کر میدانِ حشر میں چلوگے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (ترجمہ: جس دن ہم اکٹھا کرینگے پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بلائے ہوئے (مریم) (یعنی معزز مہمان بن کر پیش ہوں گے۔)

کافر کے سامنے اس کا عمل بدترین شکل میں سخت ترین بدبو لئے ہوئے آئے گا اور سوال کریگا کہ

کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

وہ کہے گا نہیں، البتہ اتنا سمجھ رہا ہوں کہ خدا نے تمہاری شکل وشمائل بدترین بنائی ہے، وہ جواب دیگا کہ درحقیقت تم ہی دنیا میں ایسے تھے، اور میں تمھارا ہی بُرا عمل ہوں، جس کو تم نے اپنی مرغوب سواری بنا یا تھا، لہٰذا آج میں تم کو اپنی سواری بنا کر میدانِ حشر میں لے چلوں گا۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ (انعام)	اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر، خبردار ہو جاؤ کہ بُرا بوجھ ہے، جسکو وہ اٹھائینگے

سورۂ کہف میں فرمایا:-

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا	آپ کہہ دیجئے! سچی بات ہے تمھارے رب کی طرف سے جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ہم نے تیار کر رکھی ہے گناہ گاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں انکو اسکی قناتیں (یعنی وہ بھی آگ کی ہونگی)

محدث دارمیؒ نے روایت کی ہے کہ سورۂ الٓمٓ تنزیل السجدہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں مجادلہ کریگی یعنی اسکو عذاب سے بچانے کی کوشش کریگی (تذکرۃ الموتیٰ والقبور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ)

محدث ابو نعیمؒ نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ جب مسلمان کو قبر میں رکھدیا جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال اس کو گھیر لیتے ہیں اور عذاب کے فرشتوں کو روکتے ہیں۔ (مر)

صحیحین میں حدیث ہے کہ جس وقت کوئی مرتا ہے تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں، گھر کے لوگ، مال اور اعمال، ان میں سے پہلی دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور عمل اس کے پاس باقی رہجاتا ہے

ابن ابی الدنیاؒ نے روایت کی ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے، اس کی موت کے وقت جب عذاب کے فرشتے اس کے پاس قبض روح کے لئے آتے ہیں تو قرآن مجید آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پروردگار یہ شخص میرا مسکن ہے کہ آپ نے مجھ کو اس میں ٹھیرایا تھا حق تعالےٰ فرمائیگا کہ اچھا! قرآن کے مسکن کو اس کے لئے چھوڑ دو۔ (〃)

محدث اصفہانیؒ راوی ہیں کہ قبر میں مردہ کے لئے کوئی چیز کثرتِ استغفار سے زیادہ محبوب ولپندیدہ نہیں ہے۔ (〃)

اسی طرح بہ کثرت آیات واحادیث ایسی ہیں جن سے حضرت شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بالا نظریہ کی تقویت ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ عالمِ مجازات اسی عالم شہادت میں مستور ہے

اس مقام کی مناسبت سے حضرت الاستاذ العلام کشمیری قدس سرہٗ کی اس مشہور عربی نظم میں سے تین شعر پیش کرتا ہوں جس میں حضرتؒ نے مسئلہ تقدیر ومسئلہ مجازات کو حل فرمایا ہے اور ان کا ترجمہ اپنے مخدوم ومحترم علامہ مولانا محمد بدر عالم صاحب مرحومؒ کا نقل کرتا ہوں جو آپ نے اپنی گرانقدر علمی وحدیثی تالیف "ترجمان السنۃ" جلد سوم میں کیا ہے ؎

وَيُثْمِرُ شَرٌّ شَرًّا مَا يَنْبَغِيْ لَه فَيَزْعُمُهُ الظُّلْمَ الصَّرِيْحَ جَهُوْلُ

(ترجمہ) رہا جزا وسزا کا مسئلہ تو وہ واضح ہے کہ شر سے شر ہی پیدا ہو سکتا ہے، جاہل آدمی اس کو ظلم سمجھنے لگتا ہے۔

أَلَا يُرَانِ خُبْثُ الْبَذْرِ خُبْثَ نَبَاتِهٖ طِبَاعًا وَلَا يَأْتِيْهِ قَالَ يَقُوْلُ

(ترجمہ) دیکھو اگر خراب درخت کا تخم ہو تو کیا اس سے ویسا ہی درخت طبعاً پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کون سوال وجواب کرتا ہے کہ اس تخم سے خراب درخت ہی کیوں پیدا ہوا؟ =

(۶۸) حیاتِ انبیاء علیہم السلام

درسِ بخاری شریف میں باب نفقۃ نساء النبی صلے اللہ علیہ وسلم بعد وفاۃ

پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں احیاء ہیں اس لئے لامحالہ ازواجِ مطہرات کو نفقہ خدا کے مال یعنی بیت المال سے جاری رہا اور چاہو تو یوں سمجھو کہ جب انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا تو ان کا نفقہ بھی خدا کے مال سے متعلق ہو گیا۔

پھر یہ آیۂ قرآنی "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" کے ضمن میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور حیاتِ شہداء کی تحقیق فرماتے ہوئے فرمایا کہ حیات بمعنی افعالِ حیات ہے ورنہ ارواح سب ہی مومنوں کی ہوں یا کفار کی زندہ ہیں، البتہ کفار کی ارواح معطل ہیں، افعالِ حیات ان میں نہیں پائے جاتے۔

اسی لئے قرآن مجید اور حدیث شریف میں جہاں بھی حیات کا ذکر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی فعل بھی افعالِ حیات سے ضرور ذکر کر دیا گیا ہے مثلاً "بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون" میں ان کا مرزوق ہونا ذکر فرمایا جو زندوں کا فعل ہے یعنی اگرچہ دوسرے بھی زندہ ہیں مگر ان لوگوں کو رزق بھی دیا جاتا ہے، یہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ اور اسی لئے ان کو زندہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

؎ ولیس جزاءً ذاک عین فعالنا ولکن ستر احال سوف یزول

ترجمہ (اگر غور کرو تو جس کو تم جزا سمجھ بیٹھے ہو، یہ جزا نہیں، وہی دنیا میں کئے ہوئے تمہارے اچھے برے اعمال ہیں جو دوزخ اور جنت میں عذاب و ثواب کی شکل میں نظر آئیں گے۔)

جو حجاب یہاں ہماری آنکھوں پر اس حقیقت کے دیکھنے سے مانع ہو رہا ہے، قیامت میں وہ اٹھ کر رہے گا اُس وقت یہ بات صاف صاف نظر آجائیگی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائیگا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور دنیا میں ناواقف لوگ ہی خدا کی تقدیر کو ظلم وغیرہ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(۶۹) حدیث میں ہے کہ شہداء سبز پرندوں کے جوف میں ہو کر داخل جنت ہوں گے لیکن حدیث موطاؒ کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ سبز پرندوں سے مشابہ ہوں گے نہ یہ کہ سبز پرندے۔ ان کے لئے بطور ظرف ہوں گے۔

نیز موطا مالک باب الشہید میں یہ بھی حدیث ہے کہ مومن کی نسمہ ایک پرندہ ہوتی ہے کہ جنت کے باغوں میں کھاتی پیتی پھرتی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ سواء شہداء کے عام مومنوں کا حال بھی ایسا ہوگا۔ یہ واضح ہو کہ یہ ان کے مثالی ابدان ہوں گے صرف ارواح نہیں اور شاید ان کے جنتی ارزاق حشر سے پہلے ہی ان کو عطا فرما دیئے گئے، اور باقی لوگوں کے لئے اپنے جنتی ارزاق سے متمتع ہونا یوم قیامت تک مؤخر کر دیا گیا۔

پھر فرمایا کہ حدیث میں اکل و شرب کو نسمہ کی طرف منسوب گیا ہے نہ کہ بدن یا جسد کی طرف اس لئے کہ وہ مدفون ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نسمہ جسد اور ارواح کے علاوہ چیز ہے کیونکہ روح کی طرف بھی بغیر اتصال جسد مادی یا مثالی کے اکل و شرب کی نسبت نہیں ہوتی الحاصل یہ بات واضح ہو گئی کہ آیت مذکورہ بالا کی غرض و غایت صرف ان کی زندگی بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ افعال حیات کے ساتھ تعلق بتلانا ہے لہٰذا یرزقون فرمایا اور حدیث میں تعلق فی الجنۃ فرمایا۔

پھر انبیاء علیہم السلام کے احوال میں نماز کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں" اور شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور" میں ہے کہ انبیاء حج بھی کرتے ہیں، اور انبیاء کے تذکرہ میں نماز و حج کا ذکر آیا اور تلاوت قرآن مجید کا دوسروں

؎ بعض اولیاء کے حالات میں نظر سے گذرا کہ وہ اپنی زندگی میں تمنا اور دعائیں کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد قبور میں بھی انکو نماز پڑھنے کی توفیق ملے چنانچہ انکی دعائیں قبول ہوئیں اور انکو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا، یہ شاید اسی لئے ہوا کہ عام حالات میں غیر انبیاء کے لئے نماز، حج وغیرہ نہیں ہے۔

کے لئے۔

(۷۰) پس ان سب اقسامِ افعال کے ذکر سے یہی بتلانا ہے کہ انبیاء شہداء اور مومنین کی زندگی موتِ ظاہری کے بعد بھی افعالِ حیات کی وجہ سے دوسرے انسانوں کی زندگی سے ممتاز ہوگی۔

آیت قرآنی واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا (زخرف) کے ضمن میں فرمایا کہ اس سے حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر استدلال کیا گیا ہے۔

چنانچہ مشہور و مستند تفاسیر میں اس کا ذکر ہے۔

فرمایا کہ بیہقی کی حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" صحیح ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ سے بھی ہے اور صحیح ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ مسئلہ ادیان سماویہ کا ہے کہ ارواح سب باقی رہتی ہیں کافر و مسلم کی اور قبر میں تعطیلِ محض باطل ہے، قبر ثمرہ ہے حیاتِ دنیا کا، پس جو یہاں ذکر اللہ میں مشغول رہا ہوگا وہ وہاں بھی رہے گا۔

روح جو بدنِ مثالی ہے وہ تو خود ہی نماز پڑھ سکتی ہے، پھر احیاء الخ سے کیا مراد ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ شریعت عرفِ عام پر چلتی ہے لہٰذا روح مع جسدِ مبارک مراد ہے

نیز حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے "خاتم النبیین" میں فرمایا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہمیشہ کے لئے جاری ہے جبکہ مورث خود موجود ہے، کوئی نبوت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ ؏

؏ اس کے علاوہ عقیدۃ الاسلام، تحیۃ الاسلام وغیرہ میں بھی حضرتؒ سے بہ کثرت ایسے ارشادات ملتے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ کا مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔

اس قسم کی بیشتر نقول حوالوں کے ساتھ انشاء اللہ "آبِ حیات" (مؤلفہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ) کے مقدمہ میں پیش کی جائیں گی۔

سردست حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے مذکورہ بالا ارشادات کی تائید میں چند ارشادات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت صدیق اکبر کا قول "لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا" منقول ہے اور حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس قول سے منکرین حیات نے استدلال کیا ہے، پھر مثبتین حیات کو اہلِ سنت کا لقب دے کر ان کی طرف سے جوابات تحریر کئے ہیں اور اس قول ابی بکر رضی اللہ عنہ کی شرح فرما کر ثابت کیا ہے کہ انبیاء کو ارواح کے اعادہ کے بعد پھر سے اذاقۂ موت سے دوچار ہونا نہیں ہے (فتح الباری ابواب مناقب ابی بکر، وابواب الجنائز) لہٰذا حضرت صدیق اکبر رضؓ بھی مثبتین حیات میں سے ہیں

(۲) علمائے شافعیہ میں سے صاحب تلخیصؒ کا قول ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو مال چھوڑا وہ حضور کی ملکیت پر اسی طرح باقی رہا جس طرح حالتِ حیات دنیا میں تھا، اور وہ ملکِ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوا جیسا کہ اموات کا ہوتا ہے (مدارج النبوۃ)

(۳) امام الحرمین شافعیؒ نے بھی قول مذکور ہی کی تائید کی ہے۔ اور فرمایا کہ یہ تحقیق حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل کے موافق ہے جو آپ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اموال میں اختیار فرمایا،

(۴) حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کو دائمی قرار دیا ہے۔

(۵) حافظ بیہقیؒ نے مستقل رسالہ "حیاتِ انبیاء علیہم السلام" میں تالیف کیا، جو مشہور و متداول ہے۔

(۶) علامہ سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" میں اور "حیات الانبیاء" میں حیات کا اثبات فرمایا ہے۔

(۷) قاضی عیاضؒ نے "شفاء" میں حیات ثابت فرمائی۔

(۸) علامہ تقی الدین سبکیؒ نے "شفاء السقام" میں اثباتِ حیات کیا۔

(۹) علامہ ملا علی قاریؒ نے "شرح الشفاء" جلد دوم میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کو معتقد و معتمد فرمایا۔ (جمع الرسائل میں بھی ثابت کیا ہے۔

(۱۰) علامہ شوکانی نے "تحفۃ الذاکرین" شرح حصن حصین" میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی حیات ثابت کی ہے۔

(۱۱) حضرت علامہ قرطبیؒ نے اپنے شیخ احمد بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ یہ بات قطعی و یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت صرف یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں کہ ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں، جیسے ملائکہ کو باوجود زندہ موجود ہونے کے ہم نہیں دیکھ سکتے (کتاب الروح لابن القیم)

(۱۲) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "مدارج النبوۃ" جلد دوم میں فرمایا کہ "حیاتِ انبیاء علیہم السلام" متفق علیہ ہے۔ علمائے امت میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اور حیاتِ انبیاء حیاتِ حسی دنیاوی ہے۔ پھر احادیث و آثار سے اس پر کافی و شافی دلائل بیان فرمائے۔ اور دوسری تصانیف میں بھی اس مسئلہ کو مشرح و مدلل فرمایا۔

(۱۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "فیوض الحرمین" میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بار بار بجسدِ عنصری دیکھنے کا ذکر فرمایا، اور اس سے انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ قبور اور نماز پڑھنے وغیرہ کا اثبات فرمایا۔

(۱۴) حضرت بیہقیِ وقت قاضی ثناء اللہ صاحب مفسر و محدث پانی پتیؒ نے آیۂ ولا ان تنکحوا ازواجہ ابدا کے تحت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ قبر کا ذکر فرمایا اور آیۂ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے تحت میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا اثبات فرمایا۔

(۱۵) حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام پر اپنی متعدد تصانیف میں بحث فرمائی ہے۔ مثلاً مکتوب پنجم فیوض قاسمیہ۔ مکتوب ۱۵ فیوض قاسمیہ، مکتوب ۵۶ فیوض قاسمیہ، جمالِ قاسمی، اجوبۂ اربعین جلد دوم، تحذیر الناس اور لطائف قاسمیہ میں۔

لیکن سب سے زیادہ مکمل، مدلل، مشرح اور مبسوط بحث آبِ حیات میں ہے جو اپنے موضوع اور تحقیقاتِ عالیہ کے اعتبار سے بے نظیر کتاب ہے، جس کے مضامین کی توثیق و تصویب حضرت

شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمائی اور حضرت قطب العالم مولینا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آب حیات" میں بالا مزید علیہ" ثابت کیا ہے۔

راقم الحروف نے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے مضامین آب حیات کی تائید میں متقدمین ومتاخرین کے ارشادات جمع کئے ہیں جو کسی دوسری فرصت میں پیش کئے جائیں گے۔

(۱۶) حضرت گنگوہیؒ نے "ہدایۃ الشیعہ میں" حیات انبیاء علیہم السلام کو ثابت کیا ہے۔

(۱۷) حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجہود اور عقائد علماء دیوبند میں حیات دنیاوی فی القبور ثابت کی۔ اور اس کی توثیق علماءِ دیوبند و حرمین سے کرائی۔

(۱۸) حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نشر الطیب میں حیات قبر شریف اور مشاغل مثلاً اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا۔ نماز پڑھنا، سلام سننا، سلام کا جواب دینا ثابت فرمائے۔

(۱۹) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ نے مکتوب ۱۳۰ جلد اول میں فرمایا کہ:۔

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ سب عام مومنین کی ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔"

(۲۰) حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم ص ۲۴۱ ج ۲ میں فرمایا کہ:۔

"آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ سب مانتے ہیں زندہ ہیں، اور آپ اپنی قبر مبارک میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔"

(۱۷) سماعِ موتٰی و بقیہ مسئلہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام

فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت "انک لا تسمع الموتیٰ" اور وما انت بمسمع من فی القبور میں نفی وجود سماع نہیں ہے بلکہ نفی انتفاع ہے، جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنے منظومہ میں فرمایا:۔ "وآیۃ النفی معناہا سماع ہدی" الخ اور میں نے اس طرح ادا کیا ہے:۔ "وآیۃ النفی فی نفی انتفاعہم (ای اجابتہم)"، ۵م

۵م مقبولین اور اولیاء اللہ سے تلاوت قرآن مجید اور نماز وغیرہ قبور میں ثابت ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے اس قول کی تائید حدیث ابی داؤد سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر تشریف لائے اور دفن کے بعد فرمایا کہ اپنے بھائی (مردہ) کے لئے تثبیت کا سوال کرو کیونکہ اس سے اب سوال ہوگا۔ تو حضور نے خبر دی کہ اب اس سے سوال ہوگا اور وقتِ سوال وہ تلقین کو سُنے گا۔ (الروح لابن القیم ص۱۳)

اسی طرح یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آواز سنائی دیتی ہے جب وہ لوٹتے ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ بدر کے شہیدوں نے آپ کا کلام و خطاب سنا نیز مردوں پر بصیغۂ خطاب سلام عرض کرنا مشروع ہوا، جس طرح سُننے والے حاضر کے لئے ہے، اور حضور نے خبر دی کہ جو اپنے مومن بھائی پر سلام پیش کرتا ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ (الروح ص۵)

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "الروح" میں ایک مستقل باب اس امر پر بھی قائم کیا کہ ارواحِ اموات آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں جمع ہوتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں بلکہ وہ ارواحِ احیاء سے بھی ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں البتہ ان لوگوں کی ارواح بات کرنے سے قاصر رہتی ہیں جن کو کوئی وصیت کرنی چاہیے تھی، لیکن وہ بغیر وصیت کئے مرگئے ہوں اور اس کے شواہد و واقعات ذکر کئے ہیں۔ اور ایسی ہی تحقیق علامہ سیوطیؒ نے "شرح الصدور" میں کی ہے اور امام سیوطیؒ نے رسالہ حیاۃ الانبیاء میں ابو الشیخ سے ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے کہ جو وصیت نہ کریگا اس کو دوسرے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۷۲) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے "تذکرۃ الموتیٰ والقبور" میں امام احمد وغیرہ سے حدیثِ انسؓ نقل کی ہے کہ زندوں کے اعمال مردہ اقربا پر پیش ہوتے ہیں۔ اگر اچھے اعمال ہوتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، بُرے ہوتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ان کو ہدایت کر اور ہدایت کے بغیر ان کو موت نہ دے۔

حضرت گنگوہیؒ کے "فتاویٰ رشیدیہ" میں ہے کہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ میں اختلاف عام مومنین کے بارے میں ہے، ورنہ سماعِ انبیاء میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے قبر مبارک پر سلام عرض کرتے وقت شفاعت کا سوال کرنے کو لکھا ہے۔

سماع کے علاوہ مردوں کے کلام سُننے کے بھی صحیح واقعات ملتے ہیں، ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک جگہ خیمہ لگایا، اور تھوڑی دیر بعد اس جگہ اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آئی، وہ صحابی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سُنایا تو آپ نے تصویب فرمائی۔ اسی طرح زید بن خارجہ صحابی کی وفات کا واقعہ ہے جو حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں پیش آیا، کہ انتقال سے کافی دیر کے بعد کفن منھ سے ہٹایا اور باتیں کیں (تہذیب۔ عمدۃ الاخبار اکفار الملحدین)

چونکہ اس سے پہلے ملفوظ مبارک میں حیات انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک ہو چکا ہے اس لئے حیات خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند چیزیں مزید تشریح و توضیح اور تائید کے لئے پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ علماء اور اربابِ ذوق و شوق محظوظ ہوں گے۔

(۱) جس طرح ابھی عام مومنوں پر "عرضِ اعمال" کا ذکر ہوا، سرورِ کائنات (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بھی ان کی امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے رسالہ "حیات الانبیاء" میں نقل کیا کہ استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی شیخ الشافعیہ نے فرمایا:۔ ہمارے محققین متکلمین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعد وفات کے زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کے نیک اعمال پر مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں اور بُرے اعمال سے محزون ہوتے ہیں، پھر "رد روح" کے معانی

بیان فرماتے ہوئے ایک جواب یہ بھی دیا کہ اس سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرے مشاغلِ مبارکہ اعمالِ امت کا ملاحظہ، برائیوں سے ان کے لئے استغفار، مصائب کے زوال کی دعا وغیرہ سے توجہ ہٹا کر سلام پڑھنے والے کی طرف توجہ فرمانا ہے، کیونکہ سلام افضلِ اعمال اور اجلِ قربات ہے۔

جامع صغیر میں حدیث ہے کہ جمعہ کے روز انبیاء علیہم السلام اور والدین پر اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام پر آپ کی امت کے اعمال روزانہ صبح و شام پیش ہوتے ہیں۔ مسند بزار میں سندِ جید کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی تمھارے لئے بہت بہتر ہے کہ براہ راست تمھاری باتیں مجھ تک اور میری باتیں تم تک پہنچتی رہتی ہیں اور میری وفات بھی تمھارے واسطے بہتر ہوگی کہ تمھارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے، تو تمھاری نیکیوں پر میں خدا کا شکر ادا کروں گا اور برائیوں پر خدا سے تمھارے لئے استغفار کروں گا۔ (شرح المواہب)

حضرت اقدس شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے عرضِ اعمال کی یہ حدیث "عقیدۃ الاسلام" میں ذکر فرما کر ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حافظؒ نے فتح الباری باب "البکاء عند قراءۃ القرآن" میں ذکر کی ہے۔

حافظؒ فرماتے ہیں کہ:۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ "اقرأ علی" مجھے پڑھ کر سناؤ، یہ تو روایت علی بن مسہر عن الاعمش میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسری روایت بھی ہے جو محمد بن فضالہ الظفری سے ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

میں نے اپنے والد سے سُنا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی ظفر میں حضرت ابن مسعودؓ اور چند دوسرے صحابہ کو ساتھ لیکر تشریف لائے اور قرأتِ قرآن کے لئے ایک قاری کو حکم فرمایا، اس نے پڑھا اور جب وہ اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدًا تو اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم بہت روئے اور فرمایا:۔

جن لوگوں میں میں موجود ہوں ان پر تو میں شہادت دے سکتا ہوں لیکن جن لوگوں کو دیکھا بھی نہیں ان پر کس طرح شہادت دے سکوں گا؟

حضرت ابن مبارک نے زہد میں سعید بن المسیب کے طریقے سے ایک روایت نکالی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت صبح وشام پیش نہ ہوتی ہو لہٰذا آپ ان کو ان کے خاص نشانات واعمال سے پہچانتے ہیں اور اسی لئے آپ ان پر شہادت دینگے۔

اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ اس مرسل سے حدیث ابن فضالہ کا اشکال رفع ہو جاتا ہے ابن بطال نے فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کے وقت اس لئے روئے کہ آپ کے سامنے اس وقت روزِ قیامت کی ہولناکیاں اور وہ غیر معمولی صورتِ حال متمثل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو اپنی امت کے اعمال کی تصدیق کرنی پڑیگی، اور سب لوگوں کے واسطے شفاعت کرنی ہوگی۔ اور یہ ایسا امر ہے کہ اس کے لئے آپ کا دیر تک گریہ بکا مناسب تھا، حافظؒ اس توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا گریہ اپنی امت پر رحمت وشفقت کے باعث تھا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ آپ ان پر ان کے اعمال کی شہادت دینگے اور ان کے اعمال وہ بھی ہوں گے جو نافرمانی کی وجہ سے ان کو مستحق عذاب ٹھیرائیں گے واللہ اعلم (فتح الباری صفحہ ۸۵ و صفحہ ۸۶ جلد ۹)

(۲) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں درود وسلام کا پیش ہونا اور قریب والوں سے خود سننا اور جواب دینا اس کے بارے میں بہ کثرت احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں جن سے مسئلۂ حیات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۳) اور آیت "واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا" کو بڑے بڑے مفسروں نے واقعۂ اسراء پر محمول کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا ہے۔

(۴) عدمِ توریث مال سے بھی حیاتِ انور پر استدلال ہوا ہے چنانچہ حضرت امام الحرمین وغیرہ کے اقوال پیش ہو چکے ہیں۔ اور حضرت گنگوہیؒ نے ہدایۃ الشیعہ میں صفحہ ۱۶ پر فرمایا:-

عہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (فدک وغیرہ جائداد) حضور کی ملک نہ تھا بلکہ وہ

ملک بیت المال تھا، پھر میراث کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ملک تھی تب بھی آیت میں حکم میراث دوسروں کے لئے ہے حضور کے لئے نہیں، کیونکہ دوسرے احکام مذکورہ آیات مثلاً چار سے زائد نکاح وغیرہ کا عدم جواز وغیرہ بھی دوسروں کے لئے ہیں تو اب ترکہ تقسیم نہ ہونا اس لئے ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ "ونبی اللّٰہ حی یرزق"

اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسالہ آب حیات میں بما لامزید علیہ ثابت کیا ہے۔

۳۔ تیسرے اگر تسلیم کرلیں کہ آیات مذکورہ کے احکام عام ہیں آپ کیلئے بھی تو نحن معاشر الانبیاء حدیث مشہور ہے۔ اس سے ان کی تخصیص کرینگے۔

(۵) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہونا بھی حیات پر دال ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ تفسیر مظہری ص۳۷۶ میں آیت وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا (احزاب) کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"اور یہ بھی درست ہے کہ یہ حکم اس لئے ہوا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اسی وجہ سے حضور کا ترکہ موروث نہیں ہوا، اور نہ آپ کی ازواج مطہرات بیوہ ہوئیں۔"

(۶) سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر احکام بیوگی عدت وغیرہ بھی طاری نہیں ہوئے جیسا کہ اوپر حضرت قاضی صاحب اور دوسرے اکابر نے تصریح کی ہے لہٰذا یہ امر بھی دلیل حیات ہے۔

(۷) ازواج مطہرات کا نفقہ اور خدام کے مصارف حضرت صدیقؓ نے آپ کے مال یا بیت المال سے ادا کئے، جس کی وجہ سے امام الحرمین وغیرہ نے تصریح کی کہ حضور کا سب ترکہ آپ کی حیات کی وجہ سے بدستور سابق رہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کو اسی طرح صرف بھی کرتے رہے جس طرح آپ کی دنیا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ علامہ سبکیؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا

کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے اثرات احکام دنیوی میں بھی ہیں اور اس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداءؔ کی حیات سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ (شفاء السقام ص۱۴۲)

(۸) آیت "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" سے استدلال کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی موت دوسروں کی موت سے ممتاز ہے جس طرح آپ کی نوم دوسروں کی نوم سے ممتاز تھی حالانکہ النوم اخ الموت صحیح ہے، جس طرح نوم کے اثرات آپ پر وہ نہیں تھے جو دوسروں پر ہوتے ہیں اور اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ یعنی غفلت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے نوم انبیاء کو ناقضِ وضو نہیں قرار دیا گیا اسی طرح موت کے اثرات بھی انبیاء علیہم السلام پر وہ نہیں ہوتے جو دوسروں پر ہوتے ہیں۔ اس بحث کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بہت ہی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو علماء کے لئے عجیب وغریب علمی تحفہ ہے۔ اور اس سے علومِ نبوت کے کمالات کا ایک نمونہ سامنے آجاتا ہے۔

سلامتِ اجساد انبیاء علیہم السلام سے بھی جو احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، حیاتِ خاصہ انبیاء پر بڑا استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ سلامتِ اجساد کی خصوصیت عام وخاص مومنین بلکہ شہداء کے لئے بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا انبیاء کی موت نہ صرف مومنین کی موت سے ممتاز ہے بلکہ موتِ شہداءؔ سے بھی ممتاز ہوئی۔ اور اس طرح موت کے درجات تین ہوں گے۔ واللہ اعلم!

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ حضرت نانوتویؒ اس کے قائل ہیں کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر موت واقع نہیں ہوئی، یہ غلط ہے، وہ اس کو مانتے ہیں مگر آپ کی موت کو مزیل حیات نہیں مانتے۔ ہم یہاں حضرتؒ کی تحقیق کا خلاصہ لکھتے ہیں:-

ع۱ (آبِ حیات میں ص۱۵۹ تک حضرتؒ نے ضرورت ودوامِ حیات روحانی حبیب ربانی صلے اللہ علیہ وسلم ثابت کی ہے)

ع۲ (پھر فرمایا کہ:- موت وحیات میں اگرچہ تقابلِ عدم وملکہ بھی ہو سکتا ہے مگر حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقابلِ تضاد ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے خلق الموت والحیاۃ

اور آخرت میں ذبح ہونا موت کا بصورت (مینڈھا) کبش حدیث سے ثابت ہے،
ان دونوں سے موت کا وجودی شئے ہونا واضح ہوتا ہے۔

۳ علاقۂ روح وجسد نبوی، علاقۂ فعلی وفاعلی ہے، اور یہ علاقہ ناقابلِ انقطاع ہوتا ہے لہٰذا مابین روح اطہر سرورِ عالم اور جسد مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی حائل وحاجب کی مداخلت کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا آپ کی موت بمعنی انقطاعِ علاقۂ حیات متصور نہیں۔

۴ لہٰذا موت جسمانی حضرت حبیب ربانی جو کسی طرح قابلِ انکار نہیں بجز اس کے متصور نہیں کہ حیات جسمانی حبیب ربانی پردۂ موت کے نیچے مستور ہو جائے۔

۵ "حیاتِ نبوی" اور "حیاتِ مومنین" میں فرق ہے۔ کہ ثانی الذکر بوجہ عرضیت قابلِ زوال ہے اور اول بوجہ ذاتیت ناقابلِ زوال۔ اسی لئے وقتِ موت حیاتِ نبوی زائل نہ ہوگی، ہاں! مستور ہو جائے گی اور حیاتِ مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائیگی، حضرت نے ان امورِ مذکورہ بالا کو ادلہ واضحہ سے واضح فرمایا (ص ۱۶۰ / ۱۶۴)

۶ حیاتِ روحِ مبارک کا تعلق خود آپ کے بدن اطہر کے ساتھ تعلق فعلی وفاعلی ہے، اور ابدانِ مومنین کے ساتھ تعلق انفعالی ومنفعلی ہے اور بناءِ حیات قوتِ عملیہ پر ہے، اور وہ قوت آپ کے اندر ذاتی اور دوسروں کے اندر عرضی ہے (ص ۱۶۵)

۷ علاقۂ روح وجسد نبوی بھی ممکن الانقطاع ضرور ہے، مگر مشیئت الٰہی یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ منقطع نہ ہوگا، جس کی طرف آیت وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (پ ۲۲ ع ۵ احزاب) کہ حرمت نکاح الی الابد فرمائی گئی ہے (ص ۱۶۷)

۸ حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور حیاتِ شہداء میں فرق باعتبار حرمتِ نکاح ازواج سلامتِ اجساد، وعدمِ میراث وغیرہ ہے۔ (ص ۱۶۸)

۹ جس کی نوم کے وقت استتارِ حیات ہوگا، اس کی موت کے وقت بھی استتار

ہی ہوگا۔ کیونکہ نوم موت کی بہن ہے۔ فرق ہوگا تو شدت وضعفِ استتار کا ہوگا۔

نہ احضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وحیِ خواب اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہ ہونا بھی اسی طرف مشیر ہے کہ آپکی نوم دوسروں کی نوم سے ممتاز تھی اور اسی طرح موت بھی الگ ہوگی (ص ۱۶۹)

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے جو ضرورت ودوامِ حیات روحانی حبیب ربانی صلے اللہ علیہ وسلم پر مفصل ومشرح تحقیق فرمائی ہے، اور ارواحِ مومنین کا تعلق روحِ اطہر سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی ابوت وبنوت اور جزئیت کا اثبات فرمایا ہے، وہی درحقیقت "آبِ حیات" ہے

(۹) اس مضمون کی تائید سلف سے بھی ملتی ہے، مثلاً سیدنا الشیخ عبدالعزیز دباغ کی "ابریز" وغیرہ سے:

یہاں ایک مختصر ضروری اشارہ یہ بھی کر دینا مناسب ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے جب صاحبِ تلخیص اور امام الحرمین کی یہ تحقیق نقل کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مال بوجہ حیات بدستور آپکی ملک میں رہا اور دوسری طرف موت کو بھی ماننا ضروری ہے بوجہ نصوصِ قرآنی واحادیث تو اشکال پیش آیا کہ موت تسلیم کر لینے پر تو انتقالِ ملک وغیرہ احکام ثابت ہوں گے۔

تو علامہ موصوف نے اس اشکال کو اس طرح رفع کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی موت غیر مستمر ہے اور انتقالِ ملک وغیرہ کے احکام مشروط ہیں موتِ مستمر کے ساتھ۔ (نہ موت آنی کے ساتھ)

اسی طرح "مدارج النبوت" میں حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ذکر کیا کہ علامہ نووی نے امام الحرمین پر اعتراض کیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ امام الحرمین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور نے موت کے وقت اتنی بیویاں چھوڑیں اور حضور بوقت موت عشرہ مبشرہ سے راضی تھے، پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت بھی کرتے ہیں اور حیات بھی ثابت کرتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

تو اس کا جواب علامہ زرکشی نے دیا ہے کہ یہاں کوئی تعجب کا موقع نہیں کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی پھر اللہ تعالےٰ نے زندہ کر دیا۔ اگو یا وہ موت آنی تھی، زمانی

نہ تھی واللہ تعالےٰ اعلم۔

ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نانوتویؒ نے جس طرح اس پوری بحث کو لکھا ہے اس کے اعتبار سے کوئی اشکال ہی اس قسم کا نہیں رہ جاتا۔ اور مسئلہ آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہو کر سامنے آجاتا ہے رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

حق یہ ہے کہ وقت واحد میں موت وحیات کے اجتماع کو حضرتؒ نے ایسی خوبی سے بہ دلائل عقلی ونقلی ثابت کیا ہے کہ دوسروں سے اس کا عشر عشیر بھی نہ ہو سکا۔

اس سلسلہ میں جن دشوار گزار وادیوں کو انھوں نے طے کیا، مشکلات مسائل حل کئے، کتنے ہی سربستہ رازوں کا انکشاف کیا اور کتنی ہی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا، یہ صرف آپ ہی کا حق وحصہ تھا۔

(۱۰) آخر میں مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی عبارت بابت حیاتِ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم درج کرتا ہوں جو نہایت واضح وصاف ہے اور اس کی تصدیق وتصویب حضرات اکابر علمائے دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ۔ حضرت مولانا تھانویؒ۔ حضرت مولینا مفتی عزیزالرحمن صاحبؒ۔ حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ وغیرہ اور دوسرے اکابر حضرات علماء کرام حرمین شریفین وعلمائے مصر وشام نے کی تھی جو طبع ہو کر بار بار شائع بھی ہو چکی ہے:۔

سوال یہ تھا کہ آیا رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قبرِ مبارک میں کوئی خاص حیات حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی ہے؟

جواب "ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے۔

اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "انباء الاذکیاء بحیواۃ الانبیاء" میں بہ تصریح لکھا ہے کہ۔
علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا:۔
انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت کی حیات دنیوی ہے ایک معنی کر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے، اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور اچھوتے طرز کا بے مثل، جو شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام "آبِ حیات" ہے

نوٹ:۔ مسئلہ حیات میں ایک وجہ تردد و تذبذب کی یہ بھی ہے کہ خصائصِ نبوت اور خصائصِ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا باب پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ شرح المواہب کے باب الخصائص میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں تھوڑے تھوڑے لوگوں نے داخل ہو کر بغیر جماعت کے نماز ادا کی یہ خصوصیت بھی آپ کی موت کو دوسروں کی موت سے ممتاز کرتی ہے۔

شمائل ترمذی میں ہے کہ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے سوال کیا کہ کیا ہم آپ کی نمازِ جنازہ پڑھیں؟ فرمایا ہاں! پوچھا کس طرح؟ فرمایا کچھ لوگ داخل ہوں، بغیر امام کے نماز پڑھیں اور دعا کریں اور اسی طرح پھر دوسرے نوبت بہ نوبت کریں۔

طبقات ابن سعد ص ۲ میں ہے کہ حضرت علیؓ مواجہہ شریفہ میں کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے رہے اور لوگ آمین کہتے رہے اور آپ نے فرمایا کہ کوئی آگے ہو کر امامت نہ کرے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی حالتِ حیات و موت میں تمہارے امام ہیں۔ چنانچہ تھوڑے تھوڑے آدمی داخل ہو کر بغیر امام کے نماز ادا کرتے رہے۔ واللہ اعلم۔

(۷۸) امام اعظمؓ اور امام بخاریؒ

اثنائے درسِ بخاری شریف نویں پارہ ص۳۰۶ میں "قال حماد" پر فرمایا کہ حماد استاد ہیں امام اعظم کے، بلکہ امام ابوحنیفہ ان کی زبان ہیں اگرچہ کہنے والوں نے حماد کو بھی مرجئی کہدیا ہے، پس حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال کو تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے اقوال نہیں لاتے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کے عقائد تو سب حماد، علقمہ اور ابراہیم نخعی ہی سے ماخوذ ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حماد سے تو دوستی ہو اور ابوحنیفہ سے دشمنی ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اعمال کو ایمان وعقائد میں کیسے داخل کیا جاسکتا ہے۔ یوں ہی گھر میں بیٹھ کر جو چاہو اعتراض کئے جاؤ۔ اور اپنا دین علیحدہ علیحدہ بنائے جاؤ۔ مگر دین تو وہی ہوگا جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

امام بخاری نے پہلے پارے میں کتاب الایمان کے ص۹ پر کفر دون کفر کا باب قائم کیا اور خوب زور لگایا کہ عمل ذرا بھی کم ہوا تو کفر ہوگیا۔ اور وہاں کوئی بھی نرمی اختیار نہیں کی کہ اعتدال کی صورت پیدا ہو جاتی، پھر ستائیسویں پارہ میں جا کر ص۱۰۰۲ پر باب "ما یکرہ من لعن شارب الخمر" قائم کردیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبائر گناہوں، شراب خمر وغیرہ کی وجہ سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا کتاب الایمان میں اس کو نہیں لائے تھے۔ فرمایا:۔

مقبلی یمنی محدث نے کہا ہے کہ امام بخاری حنفیہ سے حدیثیں نہیں لیتے۔ اگرچہ بہت کم درجہ کے لوگوں کی لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مثال دی ہے کہ امام محمد سے نہیں لیں اور مروان سے لیں جس کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی رجال میں بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ مروان فتنہ پرداز خونریزیوں کا باعث اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوا ہے اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تاکہ ہم صاحبِ حکومت بنیں۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

کون ہے جو حرمِ نبی پر دست درازی کرتا ہے؟ (مراد اپنے بھانجے ابن زبیر تھے) یہ سن کراشترِ نخعی چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی اور حضرت علی رضؓ نے دیکھا تو فوراً وہاں پہنچکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گرنے سے بچالیا اور جنگ ختم ہوگئی۔

اسی طرح حضرت طلحہ وزبیر حدیث نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سن کر جنگ سے واپس ہونے لگے تو مروان نے پیچھے سے جاکر حضرت طلحہ کو تیر مار کر زخمی کر دیا کیونکہ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے۔ اس میں حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی کا مادہ غیر معمولی تھا۔

وزیر زیدی نے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں امام بخاری پر اعتراضات کئے اور کہا کہ امام محمد سے روایات نہیں لیں۔ اور پھر معمولی رواۃ دکھلائے، جو بخاری میں آئے، اور کسی نے ان کی توثیق نہیں کی۔ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

فرمایا:- ابن ابی اویس اور نعیم بن حماد کو بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں، پھر واقعہ کا علم خدا کو ہے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اب جتنی جرحیں بھی سامنے آئیں گی۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق خواہ امام بخاری ہی سے آئیں وہ کسی درجہ میں بھی قابلِ قبول نہیں ہوں گی کیونکہ مخالفین پر ان کی جرحیں صحیح نہیں ہوتیں کما لایخفی۔

نعیم سے کئی جگہ بخاری میں اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلیق ہی کا ذبول سے لینا کب درست ہو سکتا ہے؟!

فرمایا:- جہم بن صفوان اواخر عہد تابعین میں پیدا ہوا تھا۔ صفاتِ الٰہیہ کا منکر تھا امام صاحب سے اس کا مناظرہ ہوا اور امام صاحب نے آخر میں اس سے فرمایا کہ اے کافر میرے پاس سے چلا جا! مسامرہ میں یہ واقعہ موجود ہے میں نے اسکو "اکفار الملحدین" میں بھی ذکر کیا ہے کہ امام صاحب ایسے جلد باز نہ تھے کہ بغیر اتمام حجت ہی کے کافر کہدیتے۔

اسی طرح امام محمدؒ سے بھی جہمیہ کی مخالفت منقول ہے جو سب کو معلوم ہے مگر باوجود اس کے بھی امام بخاری نے امام محمدؒ کو خلقِ افعال کے مسئلہ میں جہمی کہدیا ہے۔

فرمایا:۔ میری نظر میں بخاری کے رواۃ کی ایک سو سے زیادہ غلطیاں ہیں۔ اور ایک راوی کئی کئی جگہ باہم متعارض و متخالف روایات کرتا ہے۔ ایسا بھی بہت ہے جس کو میں درس میں اپنے موقع پر بتلادیا کرتا ہوں اور اس پر بھی متنبہ کرتا ہوں کہ کہاں نئی چیز آئی اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

الحمد للہ میرا مطالعہ و نظر بہت سے شارحینِ حدیث سے زیادہ ہے اور حافظ ابن حجر سے تتبع طرق و اسانید میں تو کم لیکن معنیٰ میں زیادہ ہی کلام کرسکتا ہوں۔

پس جن پر کلام کرنے کی ضرورت ہے ان سے زیادہ جانتا ہوں۔ معنیٰ حدیث ان کا موضوع ہی نہیں ہے اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤں گا۔

حافظ نے بھی حوالوں وغیرہ میں بہت سی غلطیاں کی ہیں، ان کو بعض اوقات قیودِ حدیث محفوظ نہ رہیں اور میں نے ان ہی قیود سے جوابدہی کی ہے۔

حقائق و معارف کو سوائے شیخ اکبر کے سب سے زیادہ واضح کرسکتا ہوں۔ اور وہ نصوص سے ثابت نہیں کرتے، میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔

فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کفِ لسان کرتے ہیں لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھو جزء القراءۃ خلف الامام اور جزء رفع الیدین۔

اسی موقع پر ص۹۱ بخاری میں فرمایا کہ یہاں امام بخاری سے دو غلطیاں ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ روایت عبد اللہ کی ہے جو صحابی ہیں، نہ ملک کی وہ مسلمان بھی نہیں ہوا تھا دوسری یہ کہ بحینہ عبد اللہ کی ماں ہیں نہ مالک کی۔ لہٰذا مالک بن بحینہ کہنا بھی غلط ہے۔

فرمایا:۔ کتاب الحیل میں امام بخاری نے حنفیہ کے خلاف بہت زور لگایا ہے۔ اور ایک اعتراض کو بار بار دہرایا ہے، حالانکہ خود ہمارے یہاں بھی امام ابو یوسف نے

کتاب الخراج میں فرمایا کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا کسی صورت سے جائز نہیں۔ لہٰذا جو لوگ حیلہ کے مسائل لکھیں ان کو امام ابویوسف کی یہ عبارت بھی ضرور نقل کرنی چاہیئے تاکہ معلوم ہوجائے کہ دفعِ حقوق یا اثباتِ باطل کے لئے حیلہ جائز نہیں۔ البتہ اثباتِ حق یا دفعِ باطل کے لئے درست ہے یا مثلاً کوئی شخص اس طرح مبتلا ہوجائے کہ واجبات سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو اور ان کی وجہ سے قریب ہلاکت ہو۔ اور مجبوراً ناداری کی وجہ سے اپنی گردن ان واجباتِ خداوندی سے چھڑانا چاہے تو اس کے لئے ہمارے یہاں حیلہ کی گنجائش ہے اور ایسی صورتوں کا جواز سب کے یہاں ملے گا۔ اور امام محمد سے بھی عینی وغیرہ نے ابطالِ حق کے لئے حیلہ کو ممنوع ہی لکھا ہے۔ جس سے حیلہ پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔

دوسرے یہ کہ جوازِ حیلہ اور نفاذِ حیلہ دو چیزیں الگ الگ ہیں اور ہم دونوں میں فرق کرتے ہیں، امام بخاری نے چونکہ دونوں میں فرق نہیں سمجھا: اعتراض کردیا۔ حالانکہ یہ بات ابتدائی کتابوں میں ہوتی ہے کہ کسی فعل کا عدمِ جواز اور ہے اور نفاذ اور شئی۔ فقہ میں تو سقوطِ زکوٰۃ ہی کا ذکر ہوگا، باقی اس کا یہ فعل دیانۃً ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ پھر کیا اعتراض رہا؟

اسی طرح امام بخاری نے اعتراض کردیا کہ بعض الناس تعجیلِ زکوٰۃ کے بھی قائل ہیں حالانکہ اس بات کا تعلق بھی فقہ سے ہے اور شارحِ وقایہ نے تفصیل کی ہے کہ ذمہ مشغول ہو حق سے تو نفسِ وجوب ہے۔ اور فارغ کرنا ہو ذمہ کو تو وجوب اداء ہے تو ہمارے یہاں سبب وجوب ہونے پر نفسِ وجوب ہوجانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا جواز ہے نہ کہ وجوب سے بھی قبل کہ تعجیل کا اعتراض درست ہو۔

امام بخاری سے نقل ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے معرفت حاصل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی کتاب سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے سُنی سنائی معرفت ہے، صفتِ نفس نہیں بنی ہے، اور بہت کم چیزیں صحیح پہنچی ہیں، ہمارے یہاں اکراہ کی صورت یہ

ہے کہ اپنی ذات یا قریبی رشتہ دار پر واردات گزرتی ہو، مثلاً قتلِ نفس، قطع عضو، ضرب مبرح وغیرہ کی دھمکی۔ اور بخاری یہ سمجھے کہ دوسرے پر گذرے تب بھی یہ مکرہ ہے، حالانکہ کوئی ذی فہم بھی اس کو اس حالت میں مکرہ نہ کہے گا' یہ بات اور ہے کہ دین و شریعت کی رو سے دوسرے کی جان و مال کو بھی بچانا ضروری ہے۔ یوم المہاجرین الاولین بخاری ص۱۰۶۲ پارہ ۲۹ باب" استقضاء الموالی و استعما لھم " پر فرمایا کہ دیکھئے! یہ امامتِ صلوٰۃ ہے، اس کا یہاں کیا تعلق تھا؟ بخاری کا بھی یہ حال ہے کہ " زور والا مارے اور رونے نہ دے " پھر مسکرا کر فرمایا :۔ اب چونکہ وقت کم رہ گیا ہے اس لئے ادب چھوٹ گیا۔"

ایک روز درس ہی میں فرمایا کہ حافظ کی زیادتیوں پر ہمیشہ کلام کرنے کی عادت رہی لیکن امام بخاری کا ادب مانع رہا۔ اس لئے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی۔ اب چونکہ آخر وقت ہے اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب صبر و ضبط یوں بھی ضعفِ پیری کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے مگر اس سے یہ ہرگز ہرگز مت سمجھنا کہ بخاری کی احادیث بھی چند راویوں کے ضعف وغیرہ کی وجہ سے گر گئیں۔ اس لئے کہ ان کے متابعات دوسری کتبِ حدیث میں عمدہ راویوں سے موجود ہیں، اس لئے یہ ان کی وجہ سے قوی ہو گئیں،

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس روز درس بخاری شریف میں حضرت مخدوم و محترم مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مدظلہ، مفتی راندیر و سورت بھی موجود تھے۔ جو آج کل صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ہیں۔

" وھو تزویج صحیح " ص۱۰۳۰ پارہ ۲۸ بخاری پر فرمایا کہ امام بخاری کو جو ہم سے قضائے قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے اس لئے اعتراض کو پھیر پھیر کر بار بار لا رہے ہیں۔ اور مقصود دل ٹھنڈا کرنا۔ اور مخالفت کا حق ادا کرنا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی وہی فقہ حنفی سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ کار فرما ہے کیونکہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ یوں ہی مطلق نہیں ہے بلکہ اس کے قیود و شروط ہیں دوسرے

وہ عقود و فسوخ میں ہے۔ املاک مرسلہ میں نہیں۔ اور اس محل میں بھی انشاءِ حکم کی صلاحیت موجود ہونا شرط ہے وغیرہ۔ جس کی تفصیل مبسوط میں سب سے بہتر ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل تک ائمہ حنفیہ پر رد و قدح نہ تھی، اس فتنہ کے بعد سے یہ چیزیں پیدا ہوئیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو خالص محدث یا فقہ سے کم مناسبت والے تھے انھوں نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے لیکن جو محدث فقیہ بھی تھے وہ محتاط رہے، اور بہت سے حضرات نے دفاع بھی کیا ہے بلکہ مناقبِ ائمہ پر کتابیں لکھیں ۵ے۔

۵ے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے جو کچھ امام بخاری کے بارے میں حضرت امام اعظم قدس سرہٗ کے سلسلہ میں مختلف اوقات میں سنا تھا اور قلم بند کیا تھا وہ یہاں ایک جگہ کرنے کی سعی کی ہے اور خیال یہ ہے کہ کچھ اجزاء اور بھی ہیں جو اس وقت ملفوظات کی ترتیب کے وقت عجلت میں نہ مل سکے، تاہم میں سمجھتا ہوں کہ کافی حصہ آ گیا ہے اور یہ بطور متن ہے جس کی شرح بہت طویل ہے، اس کو خدا نے توفیق بخشی تو ناظرین شرح بخاری (انوار الباری) کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تاہم اس کی کچھ ضروری وضاحت حصہ دوم میں ہوگی اور وہاں دوسرے محدثین کے طرزِ عمل کا بھی بیان ہوگا۔

مندرجہ بالا مضمون پڑھ کر مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ نے جو تبصرہ "صدق جدید" مورخہ ۴ نومبر ۱۹۶۰ء میں کیا، درج کیا جاتا ہے۔

تبصرہ :۔ (از صدق ۴ نومبر ۱۹۶۰ء ص۲)

تقلید جامد ماضی قریب میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی جس پایہ کے فاضل جلیل گذرے ہیں، کسی پر مخفی نہیں، ان کے ملفوظاتِ درس ان کے شاگرد خصوصی مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے قلم سے دیوبند کے ماہنامہ نقش میں شائع ہوئے ہیں، اس کے ایک تازہ نمبر سے جستہ جستہ:۔ =

(۸۰) ائمہ حنفیہ اور محدثین

حافظ ابن حجر عسقلانی کا مستقل شیوہ ہے کہ وہ حنفیہ کے عیوب نکالتے ہیں اور مناقب چھپاتے ہیں اور شوافع کے ساتھ معاملہ برعکس کرتے ہیں، ایک جگہ حافظ نے ابن عبد اللہ کی طرف اختیار رفع یدین کی نسبت کی ہے، حالانکہ وہ قول ابن عبد الحکم کا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل میں نے رفع یدین کے رسالہ میں کی ہے، اسی طرح اور جگہ بھی حافظ نے نقل میں غلطی کی ہے، یہ رجال حدیث کی غلطیاں ہیں۔

پھر فرمایا کہ محمد بن جعفر (غندر) نے امام زفر کی کتابیں دیکھ کر فقہ حاصل کیا ہے، انکی

اثنائے درس بخاری فرمایا کہ حماد استاد ہیں امام اعظم کے، حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال کو تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں (تو یہ کیا چیز ہے)

اور اس رنگ کی عبارتیں اور بھی متعدد ہیں یہ سب آخر کیا ہے؟ علامہ کشمیری امام بخاری کے منکر یا مخالف ہیں؟ یا ان کی کتاب کا شمار صحیح ترین و مستند کتابوں میں نہیں کرتے؟ یہ کچھ نہیں، علامہ ان کے پوری طرح معتقد ہیں، ان کی اور ان کی کتاب کی عظمت کے ہر طرح قائل ہیں۔

لیکن علم کا حق اور سچائی کا حق ان کی ذات سے بھی بڑھ کر اپنے اوپر سمجھتے ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں اپنی بصیرت کے مطابق انھیں ان کی علمی تحقیق میں کوئی خامی یا کوئی کوتاہی نظر آئی، اس کا اظہار بھی برملا اور بے تکلف ان کی ذات کے ساتھ ہر رشتۂ احترام کو چھوڑے بغیر کر دیتے ہیں۔

اور خود امام بخاری کا بھی یہی طرز عمل اپنے معاصرین اور بزرگوں کے ساتھ تھا، جیسا کہ ایک حد تک اوپر کے حوالوں سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

یہی مسلک صحیح و صائب ہے کل بھی یہی صحیح تھا اور آج بھی یہی صحیح ہے، یہ تقلید جامد کہ جو کچھ ہم سے بیشتر کے بزرگ فرما گئے ہیں، یہی پتھر کی لکیر ہے، ہر حال میں اس پر ایمان رکھنا واجب نہ مقتضائے عقل ہے نہ مطلوب شریعت۔ بڑے سے بڑا فاضل و محقق بھی بہر حال ایک غیر معصوم بشر ہی ہوتا ہے۔"

عبادت وزہد کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے، محدثین نے ان کا حال بھی چھپایا ہے
بصرہ والے امام ابوحنیفہ سے متنفر تھے، لیکن جب یہ گئے تو لوگ ان کی طرف بہت مائل ہوئے
اور دوسرے محدثین کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

حدیثیں اور مسائل تحقیقی سنا کر کہہ دیتے تھے کہ یہ سب امام ابوحنیفہ سے ہیں، اس طریقہ کی وجہ سے لوگ بہت مانوس ہوئے، فرمایا کہ بخاری و مسلم میں تو غزوۂ خندق میں صرف ایک نمازِ عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے، مگر امام طحاوی نے معانی الآثار میں امام شافعی سے روایت کیا کہ ظہر، عصر، ومغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں اور اس کی سند قوی ہے اس پر فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ نے رجال میں حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتیٰ کہ امام طحاوی کے عیوب بھی نکالے ہیں، حالانکہ امام طحاوی جب تک مصر میں رہے، کوئی محدث نہیں پہونچا تھا جو ان سے حدیث کی اجازت نہ لیتا ہو اور وہ حدیث کے مسلّم امام ہیں۔ امام طحاوی کا سوواں حصہ رکھنے والوں کی بھی حافظ نے تعریف کی ہے۔

حافظ عینی حافظ ابن حجر سے عمر میں بڑے تھے اور بعد تک زندہ رہے ہیں، حافظ نے حافظ عینی سے ایک حدیث صحیح مسلم کی اور دو حدیثیں مسند احمد کی سنی ہیں یعنی اجازت حاصل کی ہے۔

ایک دفعہ فرمایا:۔ حافظ کی عادت ہے کہ جہاں رجال پر بحث کرتے ہیں کہیں حنفیہ کی منقبت نکلتی ہو تو وہاں سے کترا جاتے ہیں، دسیوں بیسوں جگہ پر یہی دیکھا، ایک روز فرمایا کہ ہمارے یہاں حافظ زیلعی سب سے زیادہ متیقظ ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر سے بھی زیادہ ہیں، مگر کاتبوں کی غلطیوں سے وہ بھی مجبور رہیں۔

ایک دفعہ دوسرے محدثین کے تذکرہ میں فرمایا کہ ابوداؤد امام حنفیہ کی دل بھر کر تعظیم کرتے ہیں، امام بخاری مخالف ہیں، امام ترمذی معتدل ہیں، ان کے یہاں نہ تحقیر ہے نہ تعظیم۔ امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں، امام مسلم کا حال معلوم نہیں ہوا، ان کے شاگرد

ہوسکی بھی نقل موجود نہیں ہے، صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ شافعی ہیں
ابونعیم صاحب حلیہ بھی امام ابوحنیفہ کے مخالف نہیں ہیں، اور ایک روایت بھی امام صاحب کی سند سے لاتے ہیں۔ امام صاحب کا مسند بھی مرتب کیا ہے، خطیب بغدادی ائمۂ حنفیہ کے مخالف ہیں۔

راقم الحروف مندرجہ بالا تصریحات کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ امام صاحبؒ تمام ائمۂ متبوعین میں علم و فضل کے اعتبار سے مقدم اور افضل ہیں جیسا کہ کتب تاریخ و مناقب سے ثابت ہے کہ امام مالک سے عمر میں بڑے تھے، امام صاحب نے متعدد صحابہ کو دیکھا، مگر امام مالک کو باوجود مدینہ طیبہ میں ولادت و سکونت کے یہ شرف حاصل نہیں، جب امام صاحب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تھے، امام مالک ان سے علمی مذاکرات کرتے تھے، متعدد دفعہ پوری پوری رات اسی میں گذر جاتی تھی، اور امام مالک ان کے علم و فضل کے بے حد معترف و مداح ہیں۔ امام مالک نے امام صاحب سے روایت بھی کی ہیں اور اسی لئے علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ غیر معمولی استفادہ کیا ہے۔

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے شاگرد تھے اور امام صاحب کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ سب لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چیں ہیں، امام احمدؒ، امام ابو یوسف کے شاگرد اور امام محمد سے مستفید ہیں۔

پھر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ سب امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، امام بخاری نے بہت بڑا علم اسحٰق بن راہویہ سے حاصل کیا ہے، جو عبداللہ بن مبارک کے خاص تلمیذ ہیں اور عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے خاص تلمیذ ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو بہت زیادہ حقیر و بے بضاعت بجز ابن مدینی کے اور کسی کے سامنے نہیں پایا، مگر یہ ابن مدینی مع امام احمد اور یحییٰ بن معین

تینوں یحییٰ بن سعید القطان کے شاگرد ہیں، اور اس شان سے کہ وہ عصر سے مغرب تک پڑھایا کرتے تھے، مسجد کے ایک ستون سے کمر لگا کر بیٹھ جایا کرتے تھے، یہ تینوں سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر ان کا درس سنتے اور احادیث و مسائل کے اشکالات حل کرتے تھے مورخین نے لکھا کہ یحییٰ القطان کے علم و فضل کا رعب و جلال اس قدر تھا کہ نہ وہ خود ان تینوں کو بیٹھنے کے لئے فرماتے تھے اور نہ یہ خود بیٹھتے تھے۔

پھر دیکھئے یحییٰ القطان کو علامہ کردری نے امام صاحب کے اصحاب میں اور امام صاحب کے مذہب کے اہل شوریٰ میں ذکر کیا ہے، امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور استفادہ کرتے تھے اور امام صاحب ہی کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے تاریخ رجال کے سب سے پہلے مصنّف ہیں، امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

"خدا گواہ ہے کہ ہم جھوٹ نہیں بول سکتے، ہم نے امام ابو حنیفہ رضؓ سے زیادہ کسی کو صائب الرائے نہیں پایا، اور ہم نے اکثر اقوال ان کے اختیار کئے ہیں۔"

حافظ حدیث مکی بن ابراہیم بلخ کے امام المحدثین اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں، اور بخاری شریف میں ان کی روایات سے امام بخاری نے بہت سی روایات لی ہیں، حتیٰ کہ بخاری شریف میں سب سے اعلیٰ درجہ کی ۲۲ احادیث جو ثلاثیات ہیں، ان میں سے بیس حدیثوں کے راوی حنفی ہیں، اور گیارہ تو صرف مکی بن ابراہیم کی ہیں، گویا بخاری شریف کی اس بہت بڑی فضیلت کا باعث اکثر حنفی رواۃ ہیں۔

یہ بھی امام صاحب کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو امام صاحب کی خدمت میں رہ پڑے تھے اور رات دن استفادہ کرتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور عالم کی اصطلاح محدثین کے یہاں یہ ہے کہ اس کو احادیث کے متون و اسناد دونوں پوری طرح یاد ہوں۔

مناقب کردری میں اسماعیل بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم امام مکی کی مجلس میں حدیث کا درس لے رہے تھے، امام نے فرمانا شروع کیا، یہ حدیث روایت کی ہم سے امام ابو حنیفہ نے، اتنا ہی کہا تھا کہ ایک مسافر اجنبی شخص چیخ پڑا کہ ہم سے ابن جریج[1] کی حدیث بیان کرو، ابو حنیفہ سے روایت مت کرو۔

محدث مکی نے جواب دیا کہ "ہم بیوقوفوں کو حدیث سنانا نہیں چاہتے، میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم میری حدیث مت سنو اور میری مجلس سے نکل جاؤ"۔

چنانچہ جب تک وہ شخص اٹھ کر نہیں چلا گیا۔ شیخ نے حدیث کی روایت نہیں کی، اس کے جانے کے بعد پھر امام ابو حنیفہ سے ہی روایت بیان کی۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینی مناسب ہے کہ امام بخاری اور دوسرے بعد کے محدثین کے یہاں ثلاثیات بہت کم ہیں اور اس سے اندازہ کر لیجیے کہ امام بخاری کی ساری بخاری میں ۲۰-۲۲ سے زیادہ نہیں اور امام صاحب رح چونکہ متقدم اور تابعین سے ہیں، ان کی اکثر روایات ثلاثی ہیں بلکہ ثنائیات بھی ہیں، اسی لئے علامہ شعرانی شافعی رح نے لکھا ہے کہ "میں نے امام ابو حنیفہ کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا، جن پر حفاظِ حدیث کی تصدیق تھی، میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول و ثقات تابعین سے مروی ہے مثلاً اسود، علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری وغیرہ سے، پس امام صاحب اور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عادل، ثقہ عالم اور بہترین بزرگ جن میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب نہیں۔

اور اسی لئے ائمہ حدیث اور علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ ائمہ متبوعین مجتہدین نے جن احادیث سے فقہ مرتب کی ہے وہ بعد کی احادیث سے زیادہ اوثق و معتمد تھیں۔

---

[1] واضح ہو کہ یہ محدث ابن جریج امام صاحب کے بڑے مداح اور معترف علم و فضل تھے ان کو جب امام صاحب کی خبر وفات پہونچی تو نہایت غمگین ہوئے اور فرمایا کہ "کیسا بڑا علم جاتا رہا"۔

کیونکہ اول تو وہ حضرات ان سب محدثین، متاخرین کے اساتذہ تھے، پھر عہد رسالت وصحابہ سے زیادہ قریب تھے، جھوٹ کا شیوع بھی خیر القرون میں نہیں تھا، اس لئے جو کچھ ضعف رواۃ کی وجہ سے پیدا ہوا وہ بعد کی پیداوار ہے۔

(۸۱) اسی پر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تعجب کا اظہار فرماتے ہیں، اگر امام بخاری کو امام صاحب کے عقائد کے بارے میں کچھ تشفی نہیں تھی تو یہ کیا بات ہے کہ امام صاحب نے جن حضرات سے علم حاصل کیا جنھوں نے ان کو خود جانشین کیا تھا، مثلاً حماد نے اور پھر حماد کے بعد سب ہی نے متفقہ طور سے امام صاحب ہی کو ان کی مسند کا مستحق قرار دیا ہے، ان سے تو امام بخاری روایت کرتے ہیں اور امام صاحب سے نہیں کرتے، امام صاحب کے عقائد وہی تھے جو ان کے استاد حماد، علقمہ، ابراہیم نخعی وغیرہ کے تھے، مگر امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں امام صاحب کو مرجئی کہدیا ہے، اور باقی سب اساتذہ و تلامذہ امام صاحب کے جن سے وہ روایت کرتے ہیں، ان کے نزدیک وہ اچھے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کو جو رنجش امام صاحب کے متبعین سے پہونچی تھی، اس کی وجہ سے امام صاحب پر مرجئہ میں سے ہونے کی تہمت لگادی، مگر ہم امام بخاری کی جلالت قدر سے اس کی توقع بھی نہیں کرتے اور اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کو کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا خیال ہوا۔

یہ بھی خیال رہے کہ اس قسم کی سختی امام بخاری کے مزاج میں اپنے بعض شیوخ حمیدی وغیرہ کی صحبت میں رہ کر پیدا ہوئی، کیونکہ شیخ حمیدی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت وعصبیت سے کام لیتے تھے، پھر یوں بھی مزاج میں بہت سختی تھی، اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف بات کہہ دیتا تو سخت کلامی پر اتر آتے تھے، اس کو بے آبرو کر دیتے تھے اور غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو نہ رکھتے تھے۔

طبقاتِ سبکی میں ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی کی مجلس میں ابن عِبد الحکم اور بویطی کا جھگڑا ہوا۔ امام شافعی نے بویطی کی حمایت کی، ابن عبد الحکم نے کہا کہ آپ نے جھوٹ کہا، اس پر حمیدی بولے "کہ تم بھی جھوٹے اور تمھارے باپ اور ماں بھی"۔

امام احمد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حمیدی، بشر بن السری سے ناراض ہوگئے اور کہا کہ "جہمی" ہے، اس سے حدیث لینا جائز نہیں"، بشر نے حلف اٹھا کر حمیدی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ وہ جہمی عقیدہ نہیں رکھتے تب بھی ان سے صاف نہ ہوئے اور وہی بات کہتے رہے۔

یحیٰی بن معین کا بیان ہے کہ میں نے خود بشر کو دیکھا کہ بیت اللہ کا استقبال کئے ہوئے ان لوگوں کے لئے بد دعا کیا کرتے تھے جنھوں نے ان کو جہمی کہہ کر بدنام کیا تھا اور کہتے تھے کہ خدا کی پناہ اس سے کہ میں جہمی ہوں۔

چنانچہ دوسرے ائمہ نے حمیدی کے خلاف بشر کی توثیق کی ہے اور احادیث بھی ان سے روایت کی ہیں، امام بخاری نے فقہ شیخ حمیدی سے پڑھی ہے جو امام صاحب کی جلالتِ قدر سے ناواقف تھے یا جان بوجھ کر امام صاحب کی تنقیص کیا کرتے تھے۔

علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بخاری میں کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی جس کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ "ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے"۔

حالانکہ اس کی وجہ سے بخاری میں روایات نہ لینا بڑا ہی کمزور پہلو تھا جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ملفوظات بالا میں بھی فرمایا کہ امام بخاری بھی اس کو احادیث صحیحہ قویہ کے پیشِ نظر قائم نہ رکھ سکے، اگرچہ کتاب الایمان میں ان کو نہ لائے اور دوسری جگہ ان کو لانا پڑا۔

پھر یہ کہ اعمال کو عقائد کا درجہ دینا یا ان کو جزو ایمان بتانا یوں بھی کسی طرح درست نہیں ہوسکتا، احناف سے قطع نظر شوافع اور دوسرے محققین ائمہ وسلف کا بھی یہ مسلک نہیں۔

امام رازی شافعی نے کتاب "مناقب الشافعی" میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ پر بھی ایمان کے بارے میں متناقض باتوں کے قائل ہونے کا اعتراض ہوا ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ ایمان کو تصدیق وعمل کا مجموعہ کہتے ہیں اور دوسری طرف اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، حالاں کہ مرکب چیز کا ایک جزو نہ رہا تو وہ مرکب بھی من حیث المرکب باقی نہ رہا، اسی لئے معتزلہ جس عمل کو جزو ایمان کہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں، پھر امام شافعیؒ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اصل ایمان تو اعتقاد واقرار ہی ہے، باقی اعمال وہ ایمان کے توابع وثمرات ہیں، لیکن امام رازی اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ اس جواب سے تو امام شافعی کا نظریہ باقی نہیں رہ سکتا۔

امام الحرمین جوینی شافعی نے اپنی عقائد وکلام کی مشہور تصنیف "کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد" کے صفحہ ۳۹۶ سے صفحہ ۳۹۸ تک ایمان کی تحقیق کی ہے اور دوسرے نظریات کے ساتھ اصحاب حدیث کا نظریہ۔ ایمان مجموعہ معرفت قلب، اقرار لسان اور عمل بالارکان تبلا کر اس کی غلطی تبلائی ہے اور مذہب اہل حق یہی تبلایا ہے کہ حقیقۃ الایمان تو صرف تصدیق قلبی ہی ہے، لیکن تصدیق چونکہ کلام نفسی ہے، اس لئے جب تک اس کا اظہار لسان سے نہ ہو اس کا علم نہیں ہوسکتا اس لئے وہ بھی ضروری ہوا لیکن اعمال وعبادات کو جزء الایمان کسی طرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پھر دوسروں کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

اور یہی امام صاحب اور دوسرے ائمہ احناف کا بھی مسلک ہے، جیسا کہ تمام کتب عقائد وکلام میں مشرح ہے اس بحث کے متعلق امام اعظمؓ کی ایک تحریر موجود ہے

جو عثمان بتی کے خط کا جواب ہے اس سے امام صاحب کی وقتِ نظر اور ان کے مدارجِ اجتہاد کی برتری معلوم کی جاسکتی ہے، ہم نے اس قسم کے ابحاث ...... "انوار الباری" کے مقدمہ میں نقل کر دئے ہیں

امام اعظمؒ نے فقہ اکبر میں مرجیۂ فرقہ کی تردید کی ہے تمام علماء نے لکھا ہے کہ حنفیہ مرجیۂ کو ناری کہتے ہیں، ان کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔

لیکن امام بخاری اپنے شیخ حمیدی کی طرح ان کو مرجیہ میں سے ہی کہے جارہے ہیں، امام یحییٰ بن معین (امام بخاری کے استاد) سے امام صاحب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ:۔

ثقہ ہیں۔ میں نے کسی ایک شخص کو بھی انھیں ضعیف کہتے نہیں سُنا الخیرات الحسان

غرض جس طرح کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل ائمہ حنفیہ پر کوئی جرح نہیں تھی، دوسری صدی کے آخر تک جتنے بھی بڑے بڑے حضرات تھے، سب ہی امام صاحب کی مدح و توصیف کرتے ہیں، پھر قرون مشہور لہا بالخیر کے گذرجانے پر کذب و افتراء اور غلط و جھوٹے پروپیگنڈے کے دور کا آغاز ہوا تو ایسے لوگ نکل آئے جو ائمہ متبوعین پر بھی افتراء کر کے ان کو مجروح کرنے کی سعی کرتے رہے اور اس سے ہمارے اکابر محدثین امام بخاری وغیرہ بھی متاثر ہو گئے۔

خود حافظ ابن حجر نے باوجود تعصب حنفیت و شافعیت کے مقدمہ فتح الباری میں امام صاحب کی توثیق کی ہے اور اسی طرح کتب رجال میں بھی اگرچہ اصحاب امام کے حالات میں اس اعتدال کو باقی نہیں رکھا، جس کی تفصیل مقدمہ انوار الباری میں پیش ہو چکی ہے

کتبِ اصول حدیث۔ کتاب المغنی شیخ محمد طاہر صاحب مجمع البحار۔ الکفایہ فی علم الروایۃ خطیب شافعی التقریب نووی شافعی، مقدمہ ابن صلاح شافعی اور طبقات الشافعیہ، علامہ سبکی شافعی میں جو اصول جرح و تعدیل بیان ہوئے ہیں، انکو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

ان کی رو سے امام صاحب پر جرح صحیح نہیں اور صاحب مجمع البحار نے تو پوری صراحت کے ساتھ امام صاحب کی طرف منسوب شدہ اقوال کی تردید کی ہے اور عقل و نقل سے ان کا غلط ہونا ثابت کیا ہے، اسی طرح کتب رجال و مناقب میں امام ذہبی شافعی امام نووی شافعی، حافظ صفی الدین خزرجی، امام یافعی شافعی، فقیہ ابن العماد حنبلی، حافظ ابن عبد البر مالکی، شیخ ابن حجر مکی شافعی، امام سیوطی شافعی وغیرہ نے بھی امام صاحب کے صرف مناقب لکھے ہیں کوئی جرح نقل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بروئے اصول روایت امام صاحب ہر طرح ثقہ ہیں، ان کے بارے میں کوئی جرح لائق اعتبار نہیں۔

اس قسم کی اہم نقول بھی ہم انوار الباری کے مقدمہ میں شائع کر چکے ہیں۔ اس کے بعد عقلی طور سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جرح کا بڑا سبب امام صاحب کے کمالات کی وجہ سے حسد تھا جس کا کچھ علاج نہیں تھا یا جہل تھا کہ امام صاحب کے صحیح نظریات سے واقفیت نہ ہوئی جیسا کہ امام اوزاعی (شام کے محدث اعظم) کو غلط فہمی ہوئی۔ اور جب حضرت عبداللہ بن مبارک (شاگرد امام صاحب) کے ذریعہ صحیح حالات کا علم ہوا تو وہ نادم ہوئے، اور معذرت کی۔

اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام صاحب کے مدارکِ اجتہاد معاصرین کی فہم سے بالاتر تھے، لہٰذا فہم کی نارسائی اختلاف کا سبب بن گئی، پھر اختلاف نے جرح کا رنگ لے لیا۔ واضح ہو کہ امام صاحب کی غیر معمولی دقت نظر و بلندی فکر اور آپ کے مدارک اجتہاد کی برتری و تقوی کا اعتراف اس زمانہ کے اجلہ معاصرین و محدثین امام اعمش، شعبہ ابو سلیمان ابن مبارک، خارجہ بن مصعب وغیرہ نے کیا ہے، اس کی تفصیل بھی ہم انوار الباری شرح بخاری میں کرینگے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

حسن بن صالح کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ ناسخ و منسوخ احادیث کا سختی سے تفحص کرنے والے تھے اور اس میں وہ لائقِ اتباع و پیروی تھے، اس لئے جس بات تک اہل کوفہ

نہیں پہونچ سکتے تھے، امام صاحب اسے معلوم کر لیتے تھے۔

(۸۲) علی بن عاصم کا قول ہے کہ آدھی دنیا کی عقل ترازو کے ایک پلہ میں اور امام ابو حنیفہ کی عقل دوسرے پلّہ میں رکھی جاتی تو امام صاحب کا پلہ بھاری ہوتا۔

خارجہ بن مصعب کا قول ہے کہ میں کم وبیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں ان میں صاحبِ عقل صرف تین چار دیکھے، ایک ان میں امام ابو حنیفہ تھے۔

محمد انصاری کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بھی دانشمندی کا اثر پایا جاتا ہے۔

درحقیقت امامِ عالی مقام کی انتہائی دانش مندی یہی تھی کہ اپنے سیکڑوں فضلائے نامدار شاگردوں سے چالیس اجلۂ فقہاء ومحدثین کی ایک مجلس بنا کر تیس سال مسلسل لگے رہ کر ایک ایسی فقہ مرتب کر گئے جو دوسری تمام فقہوں پر ہزار بار فائق ہے، جس کا ہر ہر مسئلہ قرآن مجید، احادیث، آثار اور اجماع وقیاس صحیح پر مبنی ہے اور اس کی مقبولیت عند اللہ وعند الناس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا کہ ہر دور میں نصف یا دو ثلث امت محمدیہ اس کا متبع رہا۔

امام صاحب نے اپنے زمانہ میں سیاسی وعلمی فتنوں کی روک تھام بھی صرف اپنی عقل خداداد سے کی جو اس زمانہ میں انتہائی دشوار مرحلہ تھا۔

(۸۳) دیکھئے خلق قرآن کا مسئلہ کس قدر نازک تھا، اور امام صاحب کی کمالِ فراست کہ اپنے ہزارہا تلامذہ پر ایسا کنٹرول کیا کہ کسی نے بھی ایسی بات نہ کہی جس سے فتنہ ہو۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے اپنی کتاب "الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء" میں ص ۱۶۵ وص ۱۶۶ پر امام ابو یوسف سے واقعہ نقل کیا ہے کہ امام صاحب مکہ معظمہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جمعہ کے روز کوفہ کی مسجد میں ہمارے پاس آیا اور سب حلقوں میں چکر لگا کر قرآن مجید کے بارے میں سوال کرنے لگا اور ان لوگوں نے مختلف جوابات دیئے میں

سمجھتا ہوں کہ انسان کی صورت میں مجسم شیطان تھا، وہ پھر ہمارے حلقہ میں بھی آیا اور سوالات کئے، ہم سب نے جواب دیا کہ ہمارے شیخ واستاد موجود نہیں ہیں اور ہم بغیر ان کے ان سے پہلے کوئی جواب دینا پسند نہیں کرتے۔

پھر جب امام صاحب واپس ہوئے تو ہم نے قادسیہ جاکر ان کا استقبال کیا۔ امام صاحب نے شہر کوفہ اور لوگوں کے حالات پوچھے، ہم نے بتائے، پھر دوسرے وقت اطمینان وسکون سے ہم نے عرض کیا کہ ہم سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تھا، آپ کی کیا رائے ہے؟ ابھی وہ مسئلہ ہم نے ان سے بیان بھی نہیں کیا تھا اور دل ہی میں تھا کہ امام صاحب کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار دیکھے۔

آپ سمجھ گئے کہ کوئی خاص مسئلہ موجبِ فتنہ سامنے آیا ہے اور خیال کیا کہ ہم اس کا جواب دے چکے ہیں، یہی خیال برہمی کا سبب بنا۔ فرمایا:۔ وہ مسئلہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس طرح ہے، اس کو سُن کر امام صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش ہوئے۔ پھر فرمایا:۔ تم نے کیا جواب دیا؟ عرض کیا:۔ ہم نے کچھ جواب نہیں دیا اور ہم اس سے ڈرتے تھے۔ کوئی جواب دیدیں جو آپ کو پسند نہ ہو۔

اتنا سن کر امام صاحب پر مسرت و بشاشت کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ میری وصیت یاد رکھو، اس بارے میں ہرگز کوئی بات نہ کہنا، اور نہ دوسروں سے اس کے بارے میں سوال و جواب کرنا، بس اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اس پر ایک حرف بھی نہ بڑھانا میرا خیال ہے کہ اس مسئلہ کی وجہ سے اہل اسلام سخت فتنہ میں پڑینگے کہ ان کے لئے نہ جاۓ رفتن نہ پائے ماندن کی صورت ہو جائے گی۔

خدا ہمیں اور تمہیں شیطان رجیم کے مکائد سے محفوظ رکھے۔

امام صاحب رح کے اس قسم کی پیش بینی، دور بینی اور دینی و دنیاوی معاملات میں غیر معمولی احتیاط کے واقعات بہت ہیں، ایک دفعہ امام صاحب کی وفات کے بعد

امام ابو یوسف کے سامنے خلیفہ ہارون رشید نے بھی اعتراف کیا کہ امام صاحب پر اللہ رحمت کرے، وہ عقل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہر آنکھوں سے ہم کو نظر نہیں آتا۔

خلق قرآن کے مسئلہ سے جو فتنۂ عظیم آئندہ رونما ہونے والا تھا اس کو بھی امام صاحب نے مدت پہلے دیکھ لیا تھا۔ اور خود کو اور نیز اپنے سب اصحاب کو اس فتنہ سے بچا لے گئے، اگرچہ معاندین نے پھر بھی بدنام کرنا چاہا کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل تھے مگر امام احمد وغیرہ نے ہی اس کی صفائی بھی امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف سے کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں معاندین وحاسدین نے امام صاحب پر جو الزامات و اتہامات گھڑے ہیں اور جھوٹی سندیں تک بنائی ہیں، ان کی شیخ کوثریؒ نے "تانیب الخطیب اور حاشیۃ الاختلاف فی اللفظ" میں پوری طرح قلعی کھول دی ہے جو قابل دید ہے، ہم ان سے بھی ضروری نقول مقدمۂ شرح بخاری اردو میں پیش کریں گے۔

مگر یہی مسئلہ امام احمد کے سامنے آیا، اور اس وقت چونکہ حکومت نے بزور ایک غلط چیز کو منوانا چاہا، اس کو امام احمد کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ پھر یہی مسئلہ امام بخاری کے سامنے آیا، اور امام بخاری کے سامنے اس مسئلہ کی ساری نزاکتیں امام احمد کے ابتلاء کی وجہ سے پیش آ چکی تھیں۔ جب وہ ۲۵۰ھ میں نیشاپور پہونچے ہیں تو شہر سے باہر جا کر امام ذہلی نے بڑی کثیر تعداد علماء، صلحاء وعوام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور امام بخاری کو دار البخاریین میں ٹھیرایا، امام ذہلی نے اسی وقت لوگوں سے کہا کہ مسائل کلام میں سے کوئی مسئلہ ان سے نہ پوچھنا۔

اس پر اگر لوگ احتیاط نہ کرتے تو خود امام بخاری کو محتاط رہنا چاہیئے تھا، مگر منقول ہے کہ دوسرے یا تیسرے ہی روز ایک شخص نے لفظ "بالقرآن" کے بارے میں سوال کیا امام بخاری نے جواب دیا:۔

"ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال سے ہیں۔"

فوراً اسی جگہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، بعضوں نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں کہا، یہاں تک کہ لوگوں میں اس سے کافی جدال و نزاع پھیل گیا اور گھر کے مالکوں نے آ کر لوگوں کو نکالا۔ تاہم یہ قضیہ بڑھتا رہا اور امام ذہلی نے اعلان کر دیا کہ:۔ "قرآن خدا کا کلام غیر مخلوق ہے اور جو شخص کہے کہ میر الفظ بالقرآن مخلوق ہے، وہ مبتدع ہے، اس کے پاس بیٹھنا اور اس سے بات کرنا درست نہیں، اور جو شخص اس کے بعد امام بخاری کے پاس جائے اس کو بھی متہم سمجھا جائے گا کیونکہ وہی شخص وہاں جائیگا جو ان کے عقیدہ کا ہوگا۔"

چنانچہ سوا ایک دو آدمیوں کے سب نے امام بخاری کے پاس جانا چھوڑ دیا اور وہ تنگ ہو کر نیشاپور سے چلے گئے اور خرتنگ جا کر مقیم ہوئے اور وہیں ۲۵۶ھ میں وفات پائی زیادہ تحقیقی بات یہ ہے کہ امام بخاری کو پہلی بار بخارا سے مسئلہ حرمت رضاع بلبن شاۃ کی وجہ سے نکلنا پڑا، دوسری بار مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے بخارا سے نکلے، تیسری بار نیشاپور سے امام ذہلی کی وجہ سے مسئلہ مذکور ہیں اور چوتھی بار امیر بخارا کی وجہ سے نکلنا پڑا جس کا قصہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۴) دار الحرب میں جوازِ عقود فاسدہ و باطلہ | ماہ شوال ۱۳۴۹ھ تبلیغ کالج کرنال

جاتے ہوئے احقر دیوبند حاضر خدمتِ اقدس ہوا اور بموجودگی مولانا محمود الرحمن صاحب جالونی احقر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ ہندوستان دار الحرب ہے تو کیا کفار سے سود لینا جائز ہوگا؟ فرمایا جائز ہے احقر نے عرض کیا کہ عقودِ فاسدہ کے ذریعہ جو روپیہ حاصل ہو وہ بھی جائز ہے؟ "جی ہاں! عقودِ فاسدہ بلکہ عقود باطلہ سے بھی جائز ہے، مگر فتویٰ اس لئے نہیں دیتے کہ خطرہ ہے پھر لوگ یہ بھی نہ جانیں گے کہ شریعت میں سود حرام ہے"

اس کے بعد جب احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں ڈابھیل پہنچا اور درس بخاری میں ۲ دو سال تک شرکت کا موقع ملا تو ۲ شعبان ۱۳۵۱ھ کو بخاری شریف کے درس ۱۴۲ میں

"باب ھل للاسیران یقتل او یخدع الذین اسروہ حتی ینجو من الکفرۃ"
پر تقریر فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے۔

(۸۵) اسیر معاہد نہیں ہے

"حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ اسیر معاہد نہیں ہے، سوائے فروجِ نساء کے کہ اس کو متاسر (قید کرنے والے) کا مال وجان وغیرہ سب جائز ومباح ہے، کیونکہ جو امور حرمت وعفتِ نساء کی ہتک سے متعلق ہیں وہ ہر حال میں معصیت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے زمانہ میں علماءِ وقت نے فتویٰ تیار کیا تھا کہ ہندوستان دار الحرب ہو گیا ہے، جس پر حضرت شاہ صاحب موصوف نے بھی دستخط کئے تھے (یہ کمپنی کا زمانہ تھا اور بہادر شاہ تخت پر موجود تھا) پھر ایک سال بعد کچھ علماء نے معاہدہ کی آڑ لیکر ہندوستان کے دار الاسلام ہونیکا فتویٰ تیار کرنا چاہا، جس پر حضرت موصوف نے سخت نکیر کی، اور فرمایا کہ "علماء کو کیا ہو گیا ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں، یہاں معاہدہ وغیرہ کچھ نہیں ہے، یہاں کے لوگ تو اسیر ہیں پھر کوئی جدید معاہدہ بھی نہیں ہوا، اور دربار میں چند نواب ورئیس ہوتے ہیں، عام لوگوں کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں"

(۸۶) ہندوستان انگریزی دور میں

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کا اگرچہ حکومتِ وقت کے ساتھ کوئی معاہدہ حقیقۃً نہیں ہے، مگر عملاً معاہدہ کی صورت ضرور ہے کیونکہ حکومت کی طرف اپنے اموال وانفس کے معاملات وجھگڑوں کے فیصلوں کے لئے رجوع کرنا اور اس سے مدد لینا یہ حکماً معاہدہ ہے، یہ میری رائے ہے اگرچہ اس کو فقہا میں سے کسی نے نہیں لکھا، لہٰذا اس کی روشنی میں فقہی تفریعات بدل جائیں گے اور ہمارے لئے محض قیدیوں کے سے احکام نہ ہوں گے، البتہ اتنی بات اور ہے کہ یہ حکمی معاہدہ پہلے اموال وانفس دونوں میں تھا لیکن اب انفس کے بارے میں ختم ہو گیا ہے کہ وہ (اہلِ حکومت) ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے) اور اموال کے حق میں اب بھی معاہدہ باقی

ہے، لہٰذا ان کے اموال کا سرقہ جائز نہیں ہے، تاہم اگر ان کے اموال بھی ان مالی حقوق کے عوض کے طور پر ہم حاصل کر سکیں جو ان پر ہمارے واجب ہیں تو درست ہے، مگر اس میں کوئی ذلت آمیز یا دنائت کا طریقہ اختیار کرنا دینِ اسلام کی عزت و سربلندی کے شایانِ شان نہیں ہے، اسی طرح قانونِ وقت کی گرفت سے بھی بچاؤ کر لینا ضروری ہے، اور عام اموال کے بارے میں جب تک ہم مجبور ہو کر ان سے امن اٹھا دینے کا کھلا اعلان نہ کر دیں، اس وقت تک ان کا احترام معاہدہ کی طرح ہی کرنا چاہیئے تاکہ اہلِ اسلام پر غدر و بدعہدی کا الزام نہ آئے حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کافر بدون معاہدہ کے بھی کسی مسلمان پر اطمینان و اعتماد کر لے تو مسلمان کو اس کے قتل و ایذاء وغیرہ سے احتراز کرنا چاہیئے اور بوقتِ مجبوری اس کے امن و اعتماد کو علانیہ ختم کر دینا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا مسئلہ ہی سے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک عبارت یہاں آپ کے خطبۂ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ پشاور دسمبر ۲۷ء سے نقل کرتے ہیں:۔

"ہمارے علمائے احنافؒ نے اس معاہدہ متبرکہ (معاہدۂ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بایہودِ مدینہ) کو سامنے رکھ کر دار الحرب اور دار الامان کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

(۱۸) دار الاسلام و دار الحرب کا شرعی فرق

فقہائے احنافؒ نے دار الحرب میں عقودِ فاسدہ کے جواز کا حکم دیکر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے، عقودِ فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے:۔ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو دار الحرب میں رہتا تھا، اور اس نے ہجرت نہ کی تھی، تو اس قتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت)

(۸۸) عصمت کی دو قسمیں

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اسلام لانے والے کی جان معصوم و محفوظ ہو جاتی ہے، مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں، ایک عصمتِ مؤثمہ، یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے، مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا، دوسری عصمتِ مقوّمہ جس کے توڑنے پر اُس نفسِ معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔

ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے، اور مسلمان کو قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف وصریح حکم نازل فرمایا ہے:۔ ومن یقتل مؤمنا متعمدًا فجزاءہ جہنم (جو شخص کسی مسلمان کو عمدًا قتل کر دیگا، اس کی جزا جہنم ہے) اس آیت کریمہ میں جزاء سے جزائے اخروی مراد ہے جو عصمتِ مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے، اور قتل پر مقتول کی جان کا بدلہ (دیت یا قصاص) بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمتِ مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے، پس اگر مقتول مسلمان دار الاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمتِ مؤثمہ اور عصمت مقومہ دونو حاصل تھیں، اس لئے اس کا اُخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دار الحرب کا رہنے والا تھا تو شریعتِ مطہرہ نے اس کے قتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی، بلکہ صرف کفارہ واجب کیا، جس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمتِ مقومہ نہیں رکھتیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمتِ مؤثمہ تو صرف اسلام لے آنے سے حاصل ہو جاتی ہے، مگر عصمتِ مقومہ کے لئے دار الاسلام اور حکومت و شوکتِ اسلامیہ ہونا شرط ہے۔

میرا مقصود اس بحث کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ

کر سکتے ہیں۔" (مطبوعہ خطبۂ صدارت ص۲۶ ج۲)

(۸۹) تنقیح مذاہب حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات گرامی کی توضیح و تنقیح کرتے ہوئے چند اہم و ضروری گزارشات پیش کی جاتی ہیں، واللہ الموفق :-

ہدایہ ص۹۴ ج۳ کے متن میں "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" پر صرف امام ابویوسف و شافعیؒ کا خلاف ظاہر کیا ہے، لیکن اس کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو طرفین (امام اعظم وامام محمد) کا لکھ کر امام ابویوسف و ائمہ ثلاثہ کا خلاف بتلایا ہے الدر المنتقی ص۹ ج۲ میں بھی امام ابویوسف کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کو لکھا ہے۔ نیز کنز الدقائق للحافظ المحدث العینی ص۳۲۶ کتاب البیوع میں بھی اسی طرح ہے، حالانکہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں پوری طرح طرفین کے ساتھ ہیں، بجز اس صورت کے کہ اس دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی معاہدہ صلح موجود ہو، ملاحظہ ہو المدونۃ الکبری ص۱۸۱ ۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جس دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مسئلہ کی توضیح و تقویت کے لئے کافی ہے، اور دوسرے دلائل نیز اس مسئلہ کے مالہ وما علیہ کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ انوار الباری میں ذکر کرینگے ۔

مولانا گیلانی کا مضمون اس سلسلہ میں ایک مفصل مضمون "مسئلہ سود اور دار الحرب" کے عنوان سے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا نظر سے گذرا جو مولانا مودودی کی کتاب "سود" حصہ اول میں ص۹۹ سے ص۱۳۵ تک درج ہے اور اس پر ص۱۳۶ سے ص۲۰۶ تک مولانا مودودی کی تنقید چھپی ہے، مولانا گیلانی نے کافی حد تک مسئلہ کو سلجھا کر پیش کیا ہے، مگر ان کی بعض تعبیرات مسامحت سے خالی نہیں۔

(۹۰) مولانا مودودی کا مضمون مولانا مودودی نے مسئلہ کے بعض پہلوؤں پر نہایت عمدہ اور دل نشین طرز میں لکھا ہے مگر چند غلطیاں ان سے بھی ہوئی ہیں، جن کو ہم غلط فہمی کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں ص۲۰۳ میں عنوان

"قولِ فیصل" کے تحت ان کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہو جاتا ہے کہ "مولانا گیلانی کے استدلال کی پوری بنیاد منہدم ہو جاتی ہے"۔ ہم مولانا مودودی کی وسعتِ نظر، کثرتِ مطالعہ اور جدید مسائل کو سلجھے ہوئے دل نشین اور مدلل طرز میں لکھنے کے امتیازات کی بڑی قدر کرتے ہیں، مگر جن مسائل میں وہ صرف اپنی دھنتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے یا کسی غلط فہمی کے تحت دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں، اس طرز فکر یا اندازِ تحریر کی داد دینے سے ہم قاصر ہیں۔ مسح جوربین، بندوق کے شکار کی بغیر ذبح مسنون حلت غلافِ کعبہ کی تعظیم کے لئے جلسوں جلوسوں کی مشروعیت، امارتِ نسواں کی شرعی حیثیت وغیرہ اور مسئلہ زیر بحث میں ہمیں ان سے ایسا ہی اختلاف ہے، یہاں ہم اسی مسئلہ پر مختصر کچھ لکھتے ہیں، واللہ الموفق۔

دار الحرب یا دار الکفر میں جواز و عدم جوازِ عقودِ فاسدہ کے مسئلہ میں اگر وہ امام ابویوسف وغیرہ کے مسلک کو ترجیح دیکر عدم جواز کی شق کو ترجیح دیتے تو کوئی حرج نہ تھا، ہمارے بعض اکابر دیوبند نے بھی ایسا کیا ہے جیسا کہ مکتوباتِ شیخ الاسلامؒ ص ۱/۱۶ اور ص ۲/۱۲۳ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ لیکن مولانا مودودی نے ص۱۶۵ میں اس مسئلہ میں امام اعظم کے مسلک کو دوسرے ائمہ کے مسلک پر نہایت زور دار الفاظ میں ترجیح بھی دی ہے، انھوں نے لکھا:-

"اس طرح قرآن وحدیث نے خود ہی دنیوی عصمت کو دینی عصمت سے الگ کر دیا ہے اور دونوں کے حدود بتا دئے ہیں، تمام فقہاء اسلام میں صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی ایسے فقیہ ہیں، جنھوں نے اس نازک اور پیچیدہ قانونی مسئلہ کو ٹھیک سمجھا ہے، امام ابویوسف امام محمد، امام مالک، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر مجتہدین بھی ان دونوں قسم کی عصمتوں میں پوری پوری تمیز نہ کر سکے۔"

اس کے بعد مولانا نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ فقہ حنفی کے متاخر شارحین کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بات سمجھنے میں خلط پیش آیا ہے کہ وہ دار الحرب اور دار الکفر کا اصطلاحی فرق نہ کر سکے اور مولانا نے اپنے اسی خیال کے تحت یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ امام

۵۷ امام محمدؒ پر بے محل تنقید

مولانا مودودی نے یہاں تو صرف متاخر شارحین فقہاء پر نقد کیا ہے، لیکن دوسری جگہ امام محمد ایسے جلیل القدر امام مجتہد کو بھی مجروح کر دیا ہے، مولانا گیلانی نے ص ۹۶/۱ پر بحوالہ شامی ص ۲۱۰/۳ مطبوعہ مصر امام محمدؒ کا قول سیر کبیر سے نقل کیا تھا جو درحقیقت امام اعظم کے ارشاد و فتویٰ کی ترجمانی تھی مگر مولانا مودودی نے اس پر حاشیہ لکھا:- "ان الفاظ کی عمومیت محل نظر ہے، اگرچہ امام محمدؒ ہی نے لکھا ہو، مگر اس کو بلا کسی قید و شرط کے نہیں مانا جا سکتا، ورنہ جائز ہوگا کہ مسلمان دار الحرب میں جا کر شراب فروشی کرے، یا قحبہ خانے کھول دے یا کوئی مسلمان عورت قحبہ گری کا پیشہ شروع کر دے" (۹۷/۱ سود) ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات میں نقل کر چکے ہیں کہ عقود فاسدہ کا جواز تراضی طرفین کی شرط کے ساتھ صرف مالی معاملات بیع و شرا وغیرہ سے متعلق ہے، اور دوسرے ذلت آمیز یا دناءت کے تمام طریقوں یا پیشوں کو جن سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت و سربلندی کو حرف آئے وہ سب ممنوع ہیں، پھر بار بار ایسی چیزوں کو زیر بحث لانے کا کیا حاصل ہے؟!

نیز خود مولانا مودودی نے بھی ص ۱۳۹/۱ پر یہ امر تسلیم کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں تمام دستوری قوانین و احکام کتاب و سنت کی روشنی میں مدون ہوئے تھے اور اُس زمانہ کے فقہاء صرف مدارس کے اساتذہ نہ تھے، بلکہ وہی اسلامی سلطنتوں کی رعایا اور غیر مسلم سلطنتوں کی رعایا کے درمیان معاملات و تعلقات کی گوناگوں صورتوں اور قانونی مسائل کے تصفیے بھی کرتے تھے جب اُس دور کے عام فقہاء کے لئے بھی اتنی بڑی اعتماد کی سند دی جا سکتی ہے تو امام محمدؒ ایسے جلیل القدر فقیہ و مجتہد کی نقل و تشریح کو نظر انداز کر دینا کیا موزوں ہے؟

صاحبؒ کے جوازِ عقود فاسدہ کے فیصلہ کا تعلق صرف دار الحرب سے ہے اور دار الحرب سے مراد صرف وہ دار الکفر ہے، جس سے بالفعل جنگ برپا ہو اور جن دیارِ کفر سے بالفعل جنگ برپا نہیں ہے وہ سب نہ دار الحرب ہیں اور نہ ان میں جوازِ مذکور کا مسئلہ جاری ہو سکتا ہے۔

(۹۱)

فقہاء کے یہاں دار الحرب و دار الکفر کی تفریق نہیں ہے

مولانا مودودی کے نظریہ و استدلال کا محور یہی تفریق مذکور ہے جس کے لئے وہ کوئی نقلی استدلال پیش نہیں کر سکے اس کے برخلاف ہم سمجھتے ہیں کہ فقہاء و مجتہدین کے یہاں اس تفریق کا کوئی وجود نہیں ہے، امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ کوئی مسلمان دار الحرب میں جائے تو کیا اس کے اور حربی کے درمیان ربوا ہو گا؟ امام نے دریافت فرمایا:- کیا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدۂ صلح ہے؟ سوال کرنے والوں نے کہا کہ نہیں! اس پر امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں ربوی معاملات جائز ہیں (المدونۃ الکبریٰ)

دیکھیے امام مالکؒ نے دار الحرب اور دار الکفر کا کوئی فرق نہیں کیا بلکہ اگر دار الحرب کی وہ اصطلاح ہوتی جو مولانا مودودی سمجھے ہیں تو امام مالکؒ کا سوال ہی بے محل ہو جاتا، کما لایخفی۔

اس کے بعد ائمۂ مجتہدین کے جہاں اختلاف کا ذکر ہوا ہے وہاں بھی حالتِ جنگ اور زمانۂ صلح کا کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، پھر عصمتِ موثمہ و عصمتِ مقومہ کی جو بحث ہوئی ہے اور اس پر مولانا مودودی کی بھی نظر ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ کا اصل مدار صرف اسی پر ہے، نہ کہ دیارِ کفر کی تفریق مذکور پر۔

(۹۲)

طرفین و امام مالک کے مذہب کا فرق

واضح ہو کہ امام مالک اور طرفین (امام اعظم و امام محمد) کے مذہب میں اتنا ہی فرق ہے کہ طرفین دار الحرب و دار الاسلام کی صلح کی صورت میں بھی اس قسم کے معاملات کی

اجازت دیتے ہیں، چنانچہ شرح السیر الکبیر صفحہ ۲۴۸/۴ میں اس کی وجہ بھی لکھی ہے کہ "صلح کی وجہ سے دار الحرب دار الاسلام نہیں بن جاتا، مسلمانوں کے لئے بھی دار الحرب والوں کا مال ان کی خوشی و رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے، کیونکہ اس میں غدر پایا جاتا ہے، البتہ ان کی خوشی سے یہ معاملہ ہو تو غدر (دھوکہ) نہ ہوگا، اور اُن سے لیا ہوا مال مباح ہو جائے گا۔"

(۹۳) دار الحرب کے کفار مباح الدم نہیں ہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مطلق طور سے قائلینِ جواز کو یہ طعنہ دینا کہ انھوں نے غیر ذمی کفار کو مباح الدم والاموال قرار دے دیا ہے، صحیح نہیں ہے، اور اس قسم کی تیز قلم تعبیرات سے اپنے نظریہ کو قوت پہنچانا، اور دوسروں کے استدلال کو گرانے کی سعی محمود نہیں ہے۔

ہمیں مولانا مودودی صاحب کی اس تعبیر سے بھی اختلاف ہے کہ ہندوستان ایک وقت میں افغانستان کے مسلمانوں کے لئے دار الحرب تھا۔ ایک زمانہ میں ترکوں کے لئے دار الحرب ہوا مگر اب یہ تمام مسلمان حکومتوں کے لئے "دار الصلح" ہے، اول تو "دار الصلح" کی اصطلاح نئی ہے اور شاید دار الحرب کے مقابلے میں بنانے کی ضرورت ہوئی، کیونکہ لغوی معنی حرب پر پوری توجہ صرف ہو گئی ہے ورنہ جیسا کہ ہم نے بتلایا فقہی اصطلاح کی رو سے دار الحرب و دار الکفر میں کوئی فرق نہیں ہے، پھر کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک دار الحرب والوں کی دو اسلامی ملکوں سے تو مثلاً صلح ہو اور چالیس دوسرے اسلامی ملکوں سے صلح کا کوئی معاہدہ و میثاق نہ ہو اور اس صورت میں اگر دار الحرب کے مسلمان اسلامی ملکوں سے استنصار فی الدین کریں تو کیا مذکورہ بالا دو ملکوں کے سوا کہ وہ میثاق کی وجہ سے مجبور رہیں گے، دوسرے چالیس اسلامی ملک بھی ان مظلوم مسلمانوں کی ہمہ قسم امداد و اعانت سے دست بردار ہو جائیں گے غرض محض حالتِ حرب بالفعل ختم ہو جانے سے کسی دار الحرب کو ایسے دار الصلح کی حیثیت دیدینا جس سے وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی حکومتوں کے لئے بطور معاہد و مصالح ملک کے ہو جائے

ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

(۹۴) دار الحرب میں مسلمانوں کی سکونت

رہا یہ کہ دار الحرب میں مسلمانوں کے قیام کی مدت سال دو سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی یا نہ ہونی چاہیئے، یہ تحقیق بھی محل نظر ہے کیونکہ دار الحرب یا دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت ضرور مطلوب شرعی ہے اور قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں اس کی ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے لئے بہ کثرت ارشادات ملتے ہیں، مگر اس کے لئے بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ٹھکانہ کا دار الاسلام میسر ہونا بھی ایک شرط ہے۔ اور جب تک ایسا نہ ہو تو دار الحرب میں رہ کر ہی مسلمانوں کا اپنے انفرادی، اجتماعی و مذہبی حقوق کے لئے پوری ہمت وجرارت کے ساتھ سعی کرنا فرض ہے، اگر وہ مظلوم ہوں اور کوئی اسلامی حکومت ان کی مدد نہ کر سکے تب بھی بین الاقوامی قوانین اور ان کو ماننے و منوانے والی دنیا کی چھوٹی و بڑی طاقتیں تو ان کی مدد کر سکتی ہیں۔ ع ہمتِ مرداں مدد خدا

بالفرض کسی دار الحرب میں اگر مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنا ہی ناممکن ہو جائے یا ان کی جان و مال مسلسل خطرات ہی کی نذر ہوتے رہیں تو وہاں سے ہجرت ضرور واجب ہو جائے گی۔ (اگرچہ یہ شرط پھر بھی باقی رہے گی کہ وہ دار الہجرت ٹھکانہ کا ہو)

غرض ہجرت خود ایک بہت بڑا جہاد ہے، اس کے مصائب و آلام اور تکالیفِ شاقہ کا تحمل آسان نہیں ہے، خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے "ویحک ان شان الھجرۃ شدید" فرمایا ہے (بخاری باب زکوٰۃ الابل)

اس لئے حالات و اسباب کے تحت ہجرت کے درجاتِ استحباب سنیت و وجوب کا فیصلہ علماءِ وقت ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی ایک حکم دیارِ کفر کے سب مقامات و حالات کے لئے نہیں کیا جا سکتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنے

دارالحرب کی بسنے والی قوموں کا باہمی معاہدہ ضروری ہے (۹۵)

خطبۂ صدارت میں یہ بات بھی صاف کردی ہے کہ اگر ہندوستان میں بسنے والی ہندو مسلمان دونوں قومیں ایک منصفانہ معاہدہ کرلیں تاکہ کسی کے دل میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے کہ آزادی کے زمانے میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد کو نقصان پہنچا سکے، اور اس منصفانہ معاہدہ کے ذریعے مسلمانوں کو مطمئن کردیا جائے تو پھر ان کے لئے کوئی وجہ تشویش باقی نہیں رہتی، وہ حب وطن اور حب مذہب کے دلدادہ ہیں اور معاہدہ کی پابندی اور رواداری ان کا شعار ہے، اگر ان کو آج کثرت کی تعدی وظلم کے خطرہ سے محفوظ کردیا جائے تو وہ ہندوستان کی جانب سے ایسی ہی مدافعانہ طاقت ثابت ہوں گے، جس طرح اپنے وطن سے کوئی مدافعت کرتا ہے۔

دفاعِ وطن میں مسلمانوں کا حصہ (۹۶)

لہٰذا یہ خطرہ کہ آزادی کے وقت میں اگر کسی مسلمان حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا، نہایت پست خیالی ہے اور اس کا نہایت سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے ہمسایوں کی طرف سے کسی معاہدہ کی وجہ سے مطمئن ہونگے اور ہمسایوں کی تعدی اور ظلم کا شکار نہ ہوں گے تو ان کا رویہ اس وقت وہی ہوگا جو کسی شخص کا اس کے گھر پر حملہ کرنیکی حالت میں ہو، اگرچہ حملہ آور اس کا ہم قوم اور ہم مذہب ہی ہو، اس سے زیادہ ایک بات اور بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جب مسلمانانِ ہندوستان اپنے معاہدہ کی وجہ سے پابند ہوں اور غیر مسلم اقوام سے ان کا معاہدانہ برتاؤ واجب ہو تو ایسی حالت میں کسی مسلمان بادشاہ کو مذہبًا اس کی اجازت بھی نہیں کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے معاہدہ کو توڑے اور ہندوستان پر حملہ آور ہو بلکہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ مسلمانانِ ہند کے اس معاہدہ کا پورا احترام کرے۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم (کہ مسلمانوں کا عہد اور ذمہ داری ایک ہے، ان میں سے

ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کوئی عہد کرے تو دوسروں پر اس کا احترام لازم ہے)

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے، فرمایا:۔ کل صلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا (سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردے ہر قسم کی صلح جائز و درست ہے)

(۹۷) مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ و مخلصانہ معاہدہ کی ضرورت

میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ برادرانِ وطن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ معاہدہ کرلیں اور اس معاہدہ کو دیانتداری اور خلوص کے ساتھ پورا کریں، سیاسی چالوں اور نمائشی پالیسی سے کام نہ لیں تو مسلمانوں کو پورا وفادار مخلص ہمسایہ پائیں گے، کیونکہ مسلمان بحیثیت مذہب کے قرآن پاک کے حکم کے بموجب معاہدہ کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ (خطبہ صدارت ص۲۰ وص۲۱)

(۹۸) دار الحرب و دار الاسلام کی تشریح

ان دونوں کی تفریق و تشریح ہم حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے ارشادات کی روشنی میں انوار الباری ص۱۹۹ ج۱ میں درج کرچکے ہیں، مختصر یہ کہ جس ملک میں اسلام کی شان و شوکت اور حکومت ہو، اور وہاں کے حکام و ولاۃ سلاطین و ملوک مسلمان ہوں وہ دار الاسلام ہے، خواہ وہاں کسی وجہ سے شرعی قوانین کا نفاذ نہ ہو۔ شامیؒ ص۲۷۷ ج۳ میں اس کا فتویٰ موجود ہے کہ اگر سلاطینِ اسلام اپنے ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی قوت رکھتے ہیں اور باوجود اس کے نافذ نہیں کرتے تو ایسا ملک دار الاسلام ہی رہیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ کسی غیر مسلم اقتدار کے ماتحت ہونیکی وجہ سے تنفیذِ احکام پر قادر بھی نہ ہوں، تب وہ ملک دار الاسلام نہ رہے گا۔ واللہ اعلم۔

ع وبھذا ظھران ما فی الشام من جبل تیم اللہ اس سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اسلامی ملک یا ریاست کسی غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار و انتداب ہے،=

اور وہاں کا امیر مسلمان ہے اور ملک میں اسلامی شوکت کارفرما ہو نیز اس امیر کو اندرونِ ریاست و ملک تنفیذِ احکام وغیرہ کی پوری پوری آزادی ہو تو وہ ملک بھی دار الاسلام ہوگا، جیسے انگریزوں کے دورِ حکومت میں ریاست ہائے، حیدرآباد، ٹونک و بھوپال وغیرہ تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عہ بعض لوگ ان دیارِ اسلام کی کوئی وقعت نہیں سمجھتے جہاں کسی وجہ سے قوانینِ اسلام کا نفاذ نہیں ہے، بلکہ دیارِ کفر کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں، یہ اُن کی بڑی غلطی ہے، دیارِ اسلام یا مسلم حکومتیں باوجود ہزار نقائص کے بھی اسلامی شوکت و سطوت کے عظیم القدر نشان ہیں، اور ان کی عظمت و برتری سے انکار جائز نہیں ہے۔ والحق یعلو ولا یعلی

اس موقع کی مناسبت سے حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی دام ظلہم (سابق مفتی دار العلوم دیوبند حال مفتی اعظم پاکستان) کے ارشادات رسالہ "بینات" کراچی ماہ فروری سنہ ۱۹۶۶ء کے صفحہ ۲۵ سے نقل کئے جاتے ہیں:۔ "یہاں بعض مرتبہ یہ پروپگنڈہ کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں چونکہ اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں اس لئے وہ دار الاسلام نہیں ہے اور اس کی طرف سے جو جنگ کی جائے وہ جہاد نہیں ہے، لیکن یہ اعتراض اسلامی احکام سے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے، اس لئے کہ اسلامی فقہ میں یہ بات مسلمہ ہے کہ دار الاسلام ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ ملک میں اقتدار کس کا ہے؟ اگر اقتدار مسلمانوں کا ہے تو وہ دار الاسلام ہے اور اگر اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہے تو وہ دار الحرب ہے، پاکستان میں اگر اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں تو یہ ہماری زبردست کوتاہی ہے، جس کی وجہ سے ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے پاکستان کو دار الاسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا ہے، اگر کسی مسجد میں لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو ان کو تو مجرم کہا جائے گا لیکن اس کی وجہ سے مسجد کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مسجد نہیں رہی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جنگِ عظیم کے موقع پر جب انگریز ترکی حکومت کے خلاف

اس کے برخلاف جس ملک میں کفر کی شوکت ہو، ملک کا بڑا سربراہ غیر مسلم ہو اور وہاں تنفیذِ احکامِ اسلامیہ کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو، وہ دار الحرب ہے، خواہ وہاں مسلمانوں کو اداءِ احکامِ شرعیہ کی اجازت ہو، جیسے انگریزی دور میں تھی۔

(۹۹) **دار الامان و دار الخوف کی تشریح** اس کے بعد دار الحرب کی دو قسم ہیں دار الامان اور دار الخوف، جہاں مسلمانوں کو پوری طرح جان و مال کا امن قانوناً و عملاً حاصل ہو، وہ دار الامان ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ دار الخوف ہے۔

= جنگ کر رہے تھے تو ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ نے بھی ترکی حکومت کی جنگ کو جہاد قرار دے کر اس کے لئے چندے کئے تھے۔ اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ انگریزوں کی فوج میں شامل ہو کر ترکی کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جائیں گے وہ کتے کی موت مریں گے، حالاں کہ ترکی حکومت اس وقت دینی اعتبار سے پاکستان سے کہیں بدتر تھی۔ عہ عالمگیری "کتاب السیر" فصل دخول المسلم فی دار الحرب بامان " میں ہے کہ اگر کوئی مسلم تاجر امان لے کر دار الحرب میں جائے، تو اس پر حرام ہے کہ دار الحرب باشندوں کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے، الّا یہ کہ وہاں کا بادشاہ ہی اس تاجر کے ساتھ بدعہدی کرے مثلاً اس کا مال غصب کرلے یا اس کو قید کردے وغیرہ، یا اس کی رعایا میں سے دوسرے لوگ اس تاجر کے ساتھ بدسلوکی کریں، یعنی اس کی جان و مال و آبرو کو نقصان پہنچائیں اور بادشاہِ وقت و حکام ان کو ایسی زیادتی سے نہ روکیں، تو اس وقت اس تاجر مستامن کو بھی کفار کے اموال و انفس سے تعرض کرنا جائز ہوگا۔ (ص ۱۴۶ ج ۲ مطبوعہ مصطفائی لکھنؤ) اس سے معلوم ہوا کہ دار الامان میں مسلمانوں کے لئے صرف قانونی و دستوری عہدِ امان کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا عملی نفاذ بھی نہایت ضروری و اہم ہے۔

واللہ تعالےٰ اعلم

(۱۰) مستضعفین کے لئے عتابِ اخروی کا خوف

ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی مہذب حکومت اپنے ملک کو کسی قوم یا اقلیت کے لئے دار الخوف کی پوزیشن میں رکھنا پسند نہیں کر سکتی، تاہم اگر ایسا کہیں ہو تو مسلمانوں کو وہاں کی خلافِ آئین باتوں کو روکنے کے لئے کسی آئینی جدوجہد میں پس وپیش نہیں کرنا چاہیئے، اور نہ اپنے کو مستضعفین فی الارض (دنیا کی بے یار و مددگار قوم) سمجھ کر خاموش بیٹھنا چاہیئے ورنہ وہ افلم تکن ارض اللّٰہ واسعۃ فتھاجروا فیھا ؟ کے عتابِ اخروی سے نہ بچ سکیں گے، اور بظاہر یہاں ہجرت کا مفہوم، متعارف معنی میں منحصر و محدود نہیں ہے کہ ساری قوم ہی ہجرت کر جائے، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تھوڑے تھوڑے آدمی دنیا کے دوسرے حصوں میں جائیں اور اپنے حالات بتلا کر سمجھا کر بین الاقوامی رائے عامہ کی مدد و نصرت حاصل کریں، اس سے حالات سدھرنے کی بہت جلد سبیل نکل سکتی ہے۔ واللّٰہ المعین۔

(۱۱) بحث موجودہ دار الحرب کے مسلمانوں کیلئے جوازِ سود

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا فقہِ حنفی کا مسئلہ تو دار الحرب میں عقود فاسدہ و معاملاتِ ربویہ کے جواز ہی کا ہے، لیکن اس پر فتوے دینے سے ہمارے اکابر نے ہمیشہ احتراز کیا ہے بلکہ بعض اکابر نے براہِ احتیاط و تقویٰ امام ابو یوسف کے مسلک کو ترجیح دی ہے تاکہ اسلامی احکام واقدار کی بے قدری یا ان سے عام ناواقفیت کی نوبت نہ آجائے، اس لئے دار الحرب میں بھی بغرض طلبِ منفعت یا بطورِ پیشہ یا کسبِ معاش کے لئے سودی کاروبار، بیمہ، لاٹری، وغیرہ کو اختیار کرنا درست نہ ہوگا، البتہ املاک وغیرہ کے تحفظ کے لئے مخصوص حالات میں بیمہ کرانا ناگزیر ہو، یا مروجہ مغربی اقتصادی نظام کے تحت کاروباری مخصوص ضرورتوں کے تحت بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں سے کم سے کم شرح سود پر روپیہ لیکر اس کے ذریعہ زیادہ منافع و تکمیلِ

ضرورت کی سبیل ہوسکتی ہے تو ایسا کرنا درست ہوگا، اور اس طرح بھی اگر اپنی مخصوص ضروریات سے منافع ور قوم زیادہ حاصل ہوں تو ایسی رقوم کو ضرورت مند مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات پر خرچ کرنا چاہیئے۔ اور ایسی رقوم سے ہر مرکزی جگہ پر بیت المال قائم کئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ اکثر دیارِ کفر کے مسلمانوں کے حالات نہایت پست ہوتے ہیں، خصوصاً ایسے ملک میں جہاں وہ دوسری اکثریت والی قوموں کے بے جا تعصب و تنگ نظری کے شکار ہوتے ہیں اور باہمی نزاعات کے سبب اموال و انفس کے نقصانات اٹھانے پر مجبور ہوتے رہتے ہیں اور حکومتِ وقت بھی ان کے نقصانات کی تلافی نہیں کرتی، بعض دیارِ کفر میں تو مسلمانوں کو جگہ جگہ اور پے در پے مسلسل جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور فسادات کے وقت میں صرف مسلمانوں کے مکانوں، دوکانوں اور جانوں کو غیر معمولی نقصانات پہنچے ہیں تو ایسے حالات میں اگر تحفظِ اموال و انفس و املاک کی غرض سے بیمہ کرایا جائے تو دار الحرب کی رخصتوں کا یہ استعمال بے محل نہ ہوگا، جیسا کہ ابھی حال میں "مجلسِ تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ" نے بھی مخصوص حالات میں جواز کا فیصلہ کیا ہے اور مخدوم محترم جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دام ظلہم نے روزنامہ دعوت مورخہ ۱۰ رفروری ۱۹۶۶ء میں اس فیصلہ کے پس منظر، اور وجوہ و اسباب پر کافی و شافی بیان شائع کر دیا ہے، جزاہم اللہ خیر الجزاء

اس ضمن میں اور بھی بہت سے اہم مسائل زیرِ بحث آسکتے ہیں، مثلاً مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات کا حل، دیارِ کفر کے مسلمان باشندوں کی پسماندگی ولاچاریوں کا علاج" موجودہ دور میں ہجرت کی شرعی حیثیت، دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کے اسلامی و شرعی تعلقات کی نوعیت، غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات و مراسم کی شرعی حدود

ع۵ شرح السیر الکبیر اور شامی و عالمگیری میں ہے کہ مسلمانوں کے جو اموال اہلِ حرب سے بغیر قتال کے دوسری جائز صورتوں سے حاصل ہوں، ان کو مصالح مسلمین پر صرف کرنا چاہیئے
"مؤلف"

اوران کے ساتھ برادرانہ رواداری اور انسانی رشتہ سے زیادہ سے زیادہ علاقہ کی نوعیت کا تعین ونشان دہی، جس کی طرف حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے خطبۂ صدارت میں اشارات کئے ہیں، ان شاء اللہ تعالےٰ کسی دوسرے موقع پر ہم ان سب مسائل پر بھی روشنی ڈالیں گے واللہ الموفق۔

(۱۰۲) **مزید افادہ** دار الحرب (دار الکفر) اور دار الاسلام کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ مزید ارشادات انوار الباری ص ۱۴۵/۱۶ میں بھی درج ہوئے ہیں، ان کے علاوہ ملاحظہ ہو "مشکل الآثار امام طحاوی ص ۲۴۱/۴، جس میں امام محمدؒ کا استدلال حدیث سے بابتہ جواز ربوا دار الحرب موجود ہے اور العرف الشذی ص ۳۰۲، ۴۸۹ و ص ۵۳۲ بھی دیکھی جائے اور ان کی تائید مندرجہ ذیل دوسرے ارشادات اکابر سے بھی لائق مطالعہ ہے:۔

رائے حضرت گنگوہیؒ درج شدہ آپ بیتی ص ۳۶۷/۶ نقل شدہ از، افاضات ۹/۲ ص ۳۰۶

حضرت تھانویؒ نے فرمایا:۔

(۱) "میں نے تو حضرت گنگوہیؒ سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا علم بھی حضرت مولانا کو میں نے کرا دیا لیکن شفقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا، بلکہ جب میں نے والد صاحب مرحوم کی بینک کی رقم کے منافع کا حصہ ترکہ میں نہیں لیا اور اپنی رائے حرمت کی اطلاع بھی کردی تھی اور مولانا کے نزدیک اس میں تنگی نہ تھی، تو مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ "پھر آپ اس سے (یعنی مجھ سے) لے لینے کو کیوں نہیں فرمادیتے"؟ اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا "سبحان اللہ! ایک شخص اپنی ہمت سے تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے، کیا میں اس کو تقوے سے روکوں؟" تو دیکھئے مولانا اس اختلاف سے ناراض تو کیا ہوتے اس کا نام تقویٰ قرار دے کر الٹے خوش ہوئے۔

غرض اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کے لئے

ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت تک حضرت تھانوی رحمہ کی نظر میں رجحان امام ابویوسف رح کے قول کی طرف تھا اور احتیاط وتقوے پر ہی عمل تھا۔

(۲) حضرت تھانوی رح کا دوسرا ملفوظ بابتہ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ ص ۱۲۶ بھی ملاحظہ ہو۔ "ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں؟"

ارشاد عموماً دار الحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں حرب واجب ہو، سو اس معنی کر تو ہندوستان دار الحرب نہیں ہے، کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں، مگر شرعی اصطلاح میں تعریف دار الحرب کی یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے، آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے، مگر چونکہ دار الحرب کے نام سے پہلے غلط نام کا شبہ ہوتا ہے اس لئے غیر دار الاسلام کہنا زیادہ اچھا ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں، ایک دار الامن، دوسرے دار الخوف۔ دار الخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوفزدہ ہوں اور دار الامن وہ ہے جہاں مسلمان خوف زدہ نہ ہوں، سو ہندوستان دار الامن ہے، کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفزدہ نہیں اور حرب بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے۔

اعتراض حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح غیر دار اسلام میں عقدِ ربوا کو جائز کہتے ہیں دلیل یہ ہے کہ لا ربوا بین المسلم والحربی الخ

(۳) جواب میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں اور بعض اکابر جائز فرماتے تھے، اس پر مجھ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے بڑوں کی مخالفت کی، میں نے جواب دیا مخالفت نہیں، خلاف تو جب ہوتا کہ وہ ناجائز کہتے اور میں جائز کہتا، میں نے تو احتیاط کو لیا، اگر کوئی احتیاط کرے تو ان کا کیا حرج؟ احتیاط تو اور اچھی ہے وہ بھی یہی فرماتے کہ

احتیاط پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور وہ حضرات وجوب تو نہیں کہتے کہ لینا ربوا کا ضروری ہے جائز کہتے ہیں، میں نے جو رسالہ اس میں لکھا ہے وہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھادیا تھا، اس کی تعریف کی، مگر خلافِ مشہور ہونے کے سبب سے دستخط نہیں فرمائے، اس کا نام "تحذیر الاخوان فی تحقیق الربوا فی الهندوستان" ہے۔" اس کے بعد آخری ارشادِ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ ہو:-

(۴) ارشاد فتحپور میں ایک وکیل صاحب کے یہاں دعوت مع احباب تھی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمائی تھی، اس بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شب کے وقت اپنے ہمراہیان احباب سے فرمایا:-

"ان کے یہاں کھانے کو دل تو گوارہ نہیں کرتا، مگر انھوں نے اعانت کی ہے (یعنی اہلیہ کی بیماری کے علاج کے سلسلہ میں) اس لئے میں نے دعوت قبول کرلی ہے ورنہ قبول بھی نہ کرتا، بات یہ ہے کہ وکالت کی آمدنی میں فقہاء کو کلام ہے، خواہ مقدمات سچے ہوں اور جھوٹے مقدمات میں تو کسی کو اس کے ناجائز ہونے میں کلام ہی نہیں ہے، مگر ہندؤوں سے آمدنی کا حصہ زیادہ آتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر غیر ذمی سے اس کی رضا سے اس کا مال لینا درست ہے، اس لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر فتوے کی رو سے کھانا جائز ہے، مگر میں احباب کو مطلع کرتا ہوں، جن کا جی نہ چاہے وہ نہ جائیں، کیونکہ میں کیوں باعث بنوں ان کے مبتلا ہونے کا۔

میں آزادی دیتا ہوں کہ جن صاحب کا جی چاہے شریک ہوں اور جن کا جی نہ چاہے وہ نہ شریک ہوں۔ میں اپنے اوپر سب کا بار کیوں لوں؟

چونکہ فتوے سے جائز ہے اور میں نے اپنی دعوت قبول کرنیکی وجہ بھی بتلادی، پھر یہ کہ میں سراپا گنہگار ہوں میں تو کھاؤں گا۔ (ملفوظات ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ بزمانہ قیام فتحپور)

(۵) دار الحرب میں سود میرے اکابر کے نزدیک کفار سے جائز ہے۔ (ص ۱۰۱ مکتوبات علمیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ)

(نوٹ) حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ فقہاء نے صرف دار الاسلام کے مسائل مدون کئے ہیں، ضرورت ہے کہ دار الحرب کے مسائل بھی الگ سے تفصیل کے ساتھ مدون کر کے شائع کئے جائیں۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ بیشتر علماء بھی ان سے واقف نہیں ہیں۔

(۱۰۶) خلافتِ حضرت آدم علیہ السلام بوجہ فضیلتِ عبودیت

۳ر شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ بعد نمازِ جمعہ کی مجلس

میں اپنے تلامذۂ حدیث وغیرہ کے لئے چند ارشادات فرمائے جو درج ذیل ہیں:۔

غالباً آج سال کا آخری جمعہ ہے[۷]، اپنے علم و تجربے کے تحت چند چیزیں پیش کرتا ہوں

(۱۰۷) علم و عبادت حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا ملائکہ سے بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی بہ نسبت ملائکہ کے، اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں کیونکہ خلافت عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض و معروض پہلے ہی ہو چکی تھی، پھر جب یہ مکالمہ (یا) مناظرہ ختم ہو چکا تو حق تعالیٰ نے ایک کرشمہ بھی دکھا دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم عطا فرما

---

[۷] یہ حضرتؒ نے درسی سال کے لحاظ سے فرمایا تھا کیوں کہ ڈابھیل میں بھی ۹، ۱۰ر شعبان تک سالانہ امتحان وغیرہ سے فراغت ہو جایا کرتی تھی، اس وقت حضرتؒ درسِ بخاری شریف کے آخری اسباق پڑھا رہے تھے۔ ۱۹ر شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء یکشنبہ کو ۱۰ بجے صبح کے وقت بخاری شریف ختم کرائی تھی اور یہ حضرتؒ کا آخری درس تھا، کیونکہ اگلے سال بوجہ شدتِ علالت ڈابھیل تشریف نہ لے جا سکے اور ۲ر صفر ۱۳۵۲ھ کی شب میں انتقال فرمایا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ظاہر میں حجت بھی قائم فرما دی یعنی ارشادِ خداوندی عطاءِ منصبِ خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے سفکِ دماء وفساد فی الارض کا اندازہ لگا کر جو بے محل سوال کر دیا تھا، حق تعالیٰ نے صرف انی اعلم ما لا تعلمون فرما دیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم ہو گئے، پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی، غایتِ تذلل اور تضرع وابتہال ہی کا اظہار کیا، اور کوئی بات بھی بجز عبودیت کے ظاہر نہ فرمائی، حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل اور سوال وجواب کی راہ اختیار کر سکتے تھے، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسبِ ارشاد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے، ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے، مگر وہاں ایک حرف بھی بطورِ عذرِ گناہ نہیں کہا، بلکہ اس کے برخلاف اپنے قصور ہی کا اعتراف فرما کر مدتِ دراز تک توبہ واستغفار عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مصروف رہے، میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا طاعت ونیازمندی کا وہ مقام تھا، جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خصوصی فضیلت اور خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں، پھر اس کے بعد جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصفِ علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصفِ ظاہر تھا، جس کو سب معلوم کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ مدارِ فضیلت تھا، بخلاف وصفِ عبودیت کے کہ وہ مستور وپوشیدہ وصف تھا، جس کو معلوم کرنا دشوار تھا، پھر فرمایا کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس قصہ سے ۱۵ اصول دین کے نکالے ہیں اور وہی اسلام کی اساس وبنیاد ہیں۔

(۸) عبدیت سب سے اونچا مقام ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سے سب سے بڑا لقب عبدہ ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام عبدیت ہی کا بتلایا ہے۔ (فیض الباری ۱/۱۵۵) میں بھی عبودیت سیدنا آدم علیہ السلام کو

مناطِ خلافت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کریں۔ (مؤلف)

حضرات علماءِ اسلام کا ارشاد ہے کہ حضور علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی تو دولتِ معراج حاصل ہوئی، اسی لئے واقعۂ اسراء میں عبد کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور مخلوق کے ساتھ تواضع کی تو دولتِ شفاعت پائی، واللہ اعلم۔

امام رازیؒ نے اپنے والد ماجد سے نقل فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے سنا کہ شبِ معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کونسا لقب و وصف سب سے زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا' وصفِ عبدیت (تیرا بندہ ہونا)، اس لئے سورۂ اسراء میں آپ کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (بحوالۂ سیرۃ المصطفےٰ ص ۳۱۳/۱)

(۱۰۹) عبدیت و مسئلہ تقدیر

فرمایا:۔ یہی عبدیت مناظرۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جا کر کھلی ہے کہ دوسرے عالم میں تقدیر کے تحت اپنا عاجز ہونا ظاہر کیا جا سکتا ہے درحقیقت ہماری نگاہ جس سطح پر پڑ رہی ہے تقدیر اس سے وراء ہے، اور گو تقدیرِ خداوندی ہی ہمارے سارے اسباب و مسببات کو بکار کر رہی ہے مگر جب وہ سامنے نہیں ہے تو اس سے آڑ پکڑنا بھی نادرست ہے۔

(۱۱۰) علم وسیلہ ہے

فرمایا:۔ علم وسیلہ ہے، جس کا حسن تب ہی ظاہر ہوگا کہ وہ مقصود تک پہنچا دے، ھتف العلم بالعمل فان اجاب والا ارتحل (علم عمل کو آواز دیتا ہے اور بلاتا ہے، اگر عمل ساتھ آجائے فبہا، ورنہ وہ علم بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے، چنانچہ میں نے کل عمر میں نہیں دیکھا کہ عاصی و گنہگار کی سمجھ دینیات میں صحیح ہو۔

(۱۱۱) فضیلتِ علم

فرمایا:۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے "الدنیا ملعونۃ، ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالم ومتعلم" (دنیا پر

لعنت و پھٹکار مگر خدا کی یاد[1] اور جو اس کے لگ بھگ[2] ہو اور عالم[3] و متعلم[4]) ہمیں وجدان و شریعت سے معلوم ہوا کہ عاصیوں اور معاصی دونوں کو ممثل کر کے جہنم میں پہنچایا جائیگا، اور تمام اھویہ (بری خواہشات و ارادے) بھی ممثل کی جائیں گی، اور ہر چیز کی صورت آنکھوں سے نظر آئے گی، نیز منذری کی "الترغیب والترہیب" میں ہے کہ طاعت جنت میں اور جو لغیر اللہ ہے وہ جہنم میں جائے گی۔

(۱۱۲) مطالعہ کتب کی اہمیت

فارغ التحصیل طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ گھر جا کر مطالعہ کتب ضرور کرتے رہنا کیونکہ علم کسب و محنت ہی سے حاصل ہوتا ہے، آدمی کو پہلے ہی سے کتاب دیکھنے کا قصد کر لینا چاہیئے، ورنہ علم نہ بڑھے، ہدایہ بخاری شریف وغیرہ پر نظر رکھے اور علماء عارفین کی کتابیں بھی دیکھے، بہت سی جگہ احادیث کی حقیقت کو انھوں نے محدثین سے بھی زیادہ اچھا سمجھا ہے، مثلاً احادیث متعلقہ احوال بعد الموت، لیکن جو عارف شریعت سے ناواقف ہو اس کی کتاب دیکھنا مضر ہوگا۔ سنا ہے کہ پہلے لمعات اور اس کی شرح عارف جامی کی دہلی کے علماء کو پڑھائی جاتی تھی، میں کہتا ہوں کہ حجۃ اللہ البالغہ اور الطاف قدس بھی مطالعہ میں رکھنا۔

(۱۱۳) حدیث ان تعبد اللہ کی حقیقت

حدیث جبریل علیہ السلام ان تعبد اللہ کانک تراہ میں فرمایا عارفین کی توجیہ زیادہ صحیح ہے کہ "جس راستہ سے بندہ خدا کے پاس جاتا ہے اسی راستہ سے خدا آتا ہے" محدثین نے اس کو عقیدہ بنا دیا ہے، حالانکہ یہ معاملہ جزئیہ کا بیان ہوا ہے۔ شارحین حدیث سطح مراد تک ہی رہے، اور عارفین حقیقت کو پہنچ گئے۔

(۱۱۴) حدیث کنت بصرہ کی حقیقت

اسی کے قریب حدیث کنت بصرہ الذی یبصر بی بھی ہے، اس کو بھی علماءِ ظاہر نے خدا کی مرضیات پر چلنا سمجھا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں

جوارح پر خدائے تعالےٰ کا پورا تصرف ہوجانا مراد ہے، جس کو عارفین نے فنا سے تعبیر کیا ہے،
یعنی سطح میں عبدیت اور باطن میں تصرفِ خداوندی کا وجود۔

(۱۷۱) احقر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ مکہ معظمہ میں جو موتمرِ عالمِ اسلامی
ملک عبدالعزیز بن سعود نے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں طلب کی تھی، وہ کیوں ناکام ہوئی؟
جواب میں فرمایا کہ "ملک میں ذوق کی کمی تھی اور علماء میں علم کی"

پہلے ہم اس موتمر کا حال فتح الملہم سے نقل کرتے ہیں، حضرت علامہ عثمانیؒ نے ص ۲۲۳ ج ۲
میں لکھا:۔

قوله اتخذه مصلى الخ علامہ نووی نے فرمایا:۔ "اس جملہ سے صالحین اور ان
کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت و استحباب نکلتا ہے اور جن مواضع میں انھوں نے
نماز پڑھی ہے وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت طلب کرنا بھی ثابت ہوا! پھر یہ کہ حضرت
ابن عمرؓ نبی اکرم کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے، اور جہاں جہاں حضور نے نماز پڑھی
ہے، ان میں نماز پڑھنے کا التزام کرنا بخاری شریف کے "باب المساجد بین مکۃ والمدینۃ"
سے بھی ثابت ہے اور ہم بعض احادیثِ اسراء کے ذیل میں یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت
جبریل علیہ السلام نے سفرِ اسراء میں حضور علیہ السلام کو براق سے اتر کر مدینہ منورہ، طور سیناء
مدین (مسکنِ شعیب) وبیت اللحم (جائے ولادت حضرت سیدنا عیسٰی علیہ السلام) میں نماز
پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ یہ حدیث نسائی شریف اور دوسری دس کتبِ حدیث میں ہے
ان تمام نصوص سے آثار الصالحین اور ان کی مواضعِ صلوٰۃ سے تبرک حاصل کرنیکی
مشروعیت نکلتی ہے۔ اگرچہ سنن و مستحبات کے بارے میں ایسا غلو بھی نہ چاہیئے کہ ان کو فرائض
وواجبات کے درجہ میں سمجھ لیا جائے (کہ حالتِ سفر میں ہوں تو سفر کو توڑ کر بلا وقتِ نماز

؎ حضرت عمرؓ نے ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابن عمر اور ان کے ساتھیوں کو غلو سے
بچانے کے لئے متنبہ کیا تھا کہ انبیاء کی نمازیں پڑھنے کی تمام جگہوں کو فرض نمازوں کے لئے بنا شدہ =

نماز فرض بھی ضرور وہاں اُتر کر نوافل پڑھیں گویا فرائض کی طرح اہتمام کریں)

ہم نے سلطان عبدالعزیز اور اکابر علماءِ نجد سے ۱۳۴۴ھ میں مؤتمر عالم اسلامی کے موقع پر اس مسئلہ میں گفتگو کی اور ان کے سامنے یہ آثار پیش کئے جن سے ان کے اس زعم کی نفی ہوتی تھی کہ اماکنہ و مواضع سے تبرک حاصل کرنا بدعت یا غیر مشروع ہے تو وہ کوئی شافی جواب نہ دے سکے اور بطور معارضہ کے صرف قطع شجرہ والا قصہ پیش کر سکے، جو کہ طبقات ابن سعد میں ہے، جبکہ وہ منقطع بھی ہے کیونکہ حضرت نافع نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا (کما فی التہذیب) پھر یہ کہ وہ مرفوع حدیث کے درجہ کی چیز بھی نہ تھی، اور صرف حضرت عمرؓ کا اجتہاد تھا، جو کہ آپ نے ... مصلحتاً سدِّ ذرائع کے لئے اختیار کیا تھا، وہ بیانِ مسئلہ

= مساجد کے درجہ میں نہ کر دو کہ بغیر وقتِ فرض کے بھی سفر کو توڑ کر ضرور ہی ان جگہوں پر نفل نماز پڑھنے کا اہتمام کرو، چنانچہ علامہ ابن قیم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصد صرف غلو سے بچانا تھا، اور یہ سبق دینا تھا کہ جس کے لئے نماز کا وقت ہو وہ پڑھ لے ورنہ آگے کو گزر جائے۔ (زاد المعاد ص۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے جو حضرت عمرؓ کی تنبیہ مذکور سے مطلقاً مآثر کی نا اہمیت ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے وہ لاحاصل اور بے موقع ہے جبکہ خود حضرت عمرؓ کا ہی واقعہ ہے کہ بیت المقدس تشریف لے گئے اور حضرت کعب احبار سے پوچھا کہ میں کہاں نماز پڑھوں؟ انھوں نے کہا کہ صخرہ کے پاس پڑھ لیں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں میں تو اس جگہ پڑھوں گا، جہاں حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔ اس موقع پر ذٰلک المضجع والی روایت بخاری اور موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا ایک دوسرے صحابی سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت پر تکرار و اصرار بھی حافظہ میں تازہ کر لیں تو بہتر ہے کیونکہ ظاہر ہے مدینہ طیبہ کی افضلیت صرف مرقدِ نبوی اور آپ کے مآثرِ مقدسہ کی وجہ سے ہی ہو سکتی تھی اور تھی۔ واللہ اعلم

(مؤلف)

یا فیصلہ کی صورت نہ تھی نہ تھی، واللہ اعلم (فتح الملہم ص ۲۲۳/۲)

(۱۸۱) ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قطعِ شجرہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی تعیین وتشخیص پر دو صحابی کا بھی اتفاق نہ رہا تھا۔ تو جس طرح مآثرِ متعینہ مقدسہ کی عظمت واہمیت کو نظر انداز کرنا نادرست ہے، اسی طرح مآثرِ غیر متعینہ کو مآثرِ مقدسہ کا درجہ دیدینا بھی قابلِ رد ہے۔ اسی لئے قطع کرادیا تھا اور اچھا کیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ افعالِ حج کیا ہیں، وہ بھی تو اکابر انبیاء وصالحین کے مآثر اور یادگاریں ہی تو ہیں۔ اور یہ امکنہ ومواضع کی تقدیس اور ان سے استبراک نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ حضرات مقدس تھے تو ان کی یادگاروں کو بھی تقدیس وعظمت کا حصہ ملا۔ اسی لئے سارے اکابرِ امت نے فیصلہ کیا کہ نبی اکرم افضل المرسلین وافضل مخلوقات ہیں تو ان کا مضجعِ مقدس ومطہر بھی افضل الموجودات ہوا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو بھی رد کر دیا اور کہا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ضرور افضل الخلق ہیں، مگر آپ کا مضجعِ مبارک افضل الامکنہ نہیں ہے اور پھر انھوں نے یہ اصول بھی بنا دیا کہ امکنہ ومواضع کی کوئی تقدیس ہی نہیں ہے۔ اور افسوس ہے کہ یہی نظریہ تمام سلفی حضرات اور غیر مقلدین کا بھی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ اور آپ کے اہلِ علم رفقاء سے ایک چوک یہ بھی ہوگئی کہ جب مولدِ نبوی کا مسئلہ پیش ہوا تو طبرانی وبزار وغیرہ کے حوالہ سے حدیثِ اسراء پیش کی جس میں حضور علیہ السلام کا بیت اللحم میں براق سے اتر کر دو رکعت پڑھنا مروی ہے یعنی یہاں صرف اس لئے اترے اور نماز پڑھی تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے جس کے بارے میں پہلے ہی سے علامہ ابن القیم نے زاد المعاد ص ۲۷/۲ میں پیش بندی کر رکھی تھی کہ بیت اللحم میں اُترنے اور نماز پڑھنے کی حدیث سرے سے ثابت ہی نہیں ہے اُس وقت ہمارے علماء کو صرف طبرانی وبزار وغیرہ کے حوالہ پر اقتصار نہیں کرنا تھا، بلکہ ڈنکے کی چوٹ

کہتے کہ بیت اللحم میں اُترنے اور نماز پڑھنے کی حدیث صحیح وقوی تو نسائی شریف میں بھی موجود ہے جس کا درجہ صحت وقوت میں رجال میں زیادہ شدت کی وجہ سے بعض جگہ بخاری شریف سے بھی اوپر مانا گیا ہے، اور اس حدیث کے بھی سارے رجال امام نسائی کے ثقہ وثبت ہیں، پھر اس کو علامہ ابن القیم "ولم یصح ذلک عنہ البتۃ" کیسے کہہ سکتے ہیں؟ نجدی علماء تو خوش ہو گئے ہوں گے کہ موتمر میں آنے والے دنیائے اسلام کے سارے علماء ہی حدیث نسائی سے ناواقف ہیں اور ابن القیم کی بات خوب بن گئی۔ واضح ہو کہ بیت اللحم میں اتر کر نماز پڑھنے کی حدیث نسائی کے علاوہ بزار، ابن ابی حاتم، طبرانی وبیہقی میں بھی تصحیح کے ساتھ ہے اور خصائص کبری سیوطی ص۱۵۴ اور زرقانی شرح مواہب ص۳۹ میں بھی درج ہے، حضرت تھانوی رح کی نشر الطیب ص۲۷ میں اور سیرۃ المصطفے مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح اور سیرۃ کبری رفیع دلاوری ص۶۴ میں بھی موجود ہے۔

یہی تین کتابیں سیرۃ کے موضوع پر نہایت عمدہ اور جامع بھی ہیں، افسوس ہے کہ سیرۃ النبی ایسی مشہور ومعروف کتاب بھی بعض نہایت اہم حالات سے خالی ہے، علامہ شبلی رح نے مکی زندگی کے حالات ذکر کئے تو معراج واسراء ایسے اہم مضمون کو حذف کر دیا اور بعد کی جلدوں میں حضرت سید صاحب رح نے زیادہ توسع تو ضرور کیا مگر اس زمانہ میں وہ علامہ ابن القیم رح کی تحقیقات پر زیادہ انحصار واعتماد کرتے تھے، جس کی تلافی کے لئے پھر ان کو وقت نہ مل سکا۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء میں علم کی کمی تھی بلکہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہ صرف نجدی علماء میں بلکہ ہمارے علماء میں بھی کمی تھی۔ کاش! حضرت شاہ صاحب رح اس موتمر میں جاتے تو کچھ اور ہی سماں ہوتا، حضرت شاہ صاحب رح نے مقدمہ بہاولپور میں بیسیوں کتابوں کے مضامین اور حوالے زبانی لکھوا دئے تھے وہ موتمر میں ہوتے تو آج ہم علامہ ابن تیمیہ وابن القیم سے مرعوب ہو کر اور اپنی کم علمی کی وجہ سے موجودہ زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے

راقم الحروف تو ایسے مواقع پر اپنے دوستوں سے کہہ دیا کرتا ہے کہ علامہ ابن القیمؒ نے بڑے طمطراق سے حکم کر دیا کہ حدیث نزول وصلوٰۃ بیت اللحم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اور کوئی پوچھے کہ جناب! خدائے تعالیٰ کے طواف فی الارض والی طویل حدیث ڈیڑھ دو صفحہ کی جو آپ نے زاد المعاد ص۵۴-۵۹ جلد سوم میں درج کی ہے اور بہت ہی توثیق بھی اس کی کی ہے، اس کی صحت وقوت تو آج تک بھی ثابت نہ ہو سکی، بلکہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے تو علامہ ابن القیم کے ضعیف فی الرجال ہونے کے لئے وہی حدیث مثال میں پیش بھی کر دی ہے اور اس پر رد کرتے ہوئے نقد شدید بھی کیا ہے۔

علامہ ابن القیم پر ضرورت سے زیادہ فریفتہ ہونے والے سلفی ونددی دوستوں کو بخاری کی حدیث سے بھی ان کا انکار یا بقول حافظ ابن حجر غفلت سے غافل نہ ہونا چاہئے جو ابراہیم وآل ابراہیم کے بارے میں ہوا ہے۔ اور یہ غفلت وانکار نہ صرف ان سے بلکہ علامہ ابن تیمیہ سے بھی ہوا ہے، ہم اس کو انوار الباری میں بھی لکھ چکے ہیں۔ والامر الی اللہ سبحانہٗ۔ (ملاحظہ ہو الاجوبۃ الفاضلہ ص۱۳۰-۱۳۲ وص۳۰۱)

فتح الباری ص۱۳۹/۷ میں بھی حدیث نزول وصلوٰۃ بیت اللحم نسائی، بزار وطبرانی کے حوالہ سے ذکر ہوئی ہے، مگر کچھ ابہام کے ساتھ، اور غالباً اسی سے علامہ ابن القیم نے غلط فائدہ اٹھایا ہے، واللہ اعلم۔

فتح الملہم جلد اول میں حدیث اسراء کے تحت نسائی شریف کا حوالہ صرف نزول مدینہ کے لئے دیا گیا اور بیت لحم میں اترنے ونماز پڑھنے کے لئے حوالہ بزار وطبرانی کا دیا ہے جبکہ نسائی شریف میں بھی ان دونوں باتوں کا ذکر موجود ہے، بات تو لمبی ہو رہی ہے مگر اس جگہ خود حضرت علامہ عثمانیؒ کا مؤتمر کے سلسلہ میں ایک ملفوظ گرامی بھی پیش کرنے کے قابل ہے جو آپ نے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو بعد نماز مغرب ارشاد فرمایا تھا:

"میں نے محمد علی وغیرہ سے کہہ دیا تھا کہ ملوکیت وجمہوریت وغیرہ کے جھگڑے تو تم

جانو، ہم نہیں بولیں گے اور مسائل میں تم دخل نہ دینا، چنانچہ ایسا ہی ہوا. جمعیۃ علماء کی طرف سے میں اور مفتی کفایت اللہ صاحب تھے، باقی مولوی احمد سعید صاحب اور مولوی عبد الحلیم بطور سکریٹریان تھے. سید سلیمان ندوی صاحب خلافت کی طرف سے تھے۔ میں نے سلطان کی مجلس میں مآثر پر تقریر کی، ان کے علماء نے کہا تھا کہ تبرک بالصالحین کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کے اجزاء سے جیسے حضور علیہ السلام کے موئے مبارک وغیرہ تو اس کو تو ہم مانتے ہیں کہ زمانۂ صحابہ سے بھی ثابت ہے، لیکن امکنہ ولقاع سے نہیں مانتے کیونکہ بے ثبوت ہے. میں نے اس پر کہا کہ نہیں تبرک بالامکنہ بھی ثابت ہے.

بخاری میں حضرت عتبان بن مالک صحابی کی حدیث ہے کہ انھوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا "جب بارش اور سیل آتا ہے تو میں جماعت میں حاضر ہونے سے معذور ہوتا ہوں، آپ میرے گھر میں کسی جگہ دو رکعت نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسی کو مصلےٰ بناؤں" فرمایا اچھا اور دوسرے وقت تشریف لے گئے اور ایک جگہ نماز ادا فرمائی.

تو اس حدیث سے تبرک بالامکنہ بھی اور تبرک طلب کرنا بھی دونوں ثابت ہوتے ہیں دوسرے حافظ نے بھی فتح الباری میں مسند بزار وغیرہ سے حدیث نکالی ہے کہ لیلۃ الاسراء میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم یثرب سے گذرے تو حضرت جبرئیل نے ٹھیرایا اور پھر مدین پر بھی ٹھیرایا کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن ہے، پھر طور پہاڑ پر کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی جگہ ہے، پھر بیت لحم پر ٹھیرایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے. تو کیا حضور علیہ السلام کا غارِ حرا (قدیم عبادت گاہ) مدین سے بھی کم ہے کہ اس پر پہرا بٹھلادیا ہے اور بیت خدیجہ رضؓ طور سے بھی کم ہے کہ اس کا اثر مٹادیا گیا، حالانکہ وہاں برسوں وحی نازل ہوئی اور طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ حرم میں بیت اللہ کے بعد اس سے مقدس تر مقام نہیں ہے. اور کیا حضور علیہ السلام کا مولد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مولد سے بھی کم مرتبہ ہے کہ اس کا نشان بھی مٹادیا گیا - وغیرہ

میں نے کہا کہ مقابر کے بارے میں خیر! ہم زیادہ کچھ نہیں کہتے، اگرچہ سجدہ قبر کو بت پرست کے سجدہ کی طرح نہیں کہیں گے کہ وہ عبادت کے طور پر ہے، اور یہ تعظیم کے، اگرچہ ہمارے نزدیک حرام یہ تعظیمی بھی ہے، مگر مآثر میں ہم کو زیادہ اختلاف ہے، اس پر سلطان نے کسی قدر جوش کے ساتھ کہ منہ میں جھاگ آ گئے، کہا کہ عبادت کیا ہے؟ مطلب یہ کہ تم نے جو سجدہ کی تقسیم کی وہ غلط ہے کیونکہ عبادت تو غایتِ تذلل کا نام ہے، پھر ہر دو ساجد عابد لغیر اللہ ہوئے بلا فرق اس پر میں نے کہا کہ اگر ہر سجدہ عبادت ہے تو ہر ساجد عابد اور ہر مسجود معبود ہونا چاہیئے، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام مسجود ہوئے ہیں اور ان کو کسی نے بھی معبود نہیں سمجھا، دوسرے قرآن مجید میں ہر جگہ یہ ہے کہ یہ ساری قومیں خدا ہی کی عبادت کرتی ہیں اور مستحقِ عبادت کسی قوم نے بھی غیر اللہ کو نہیں بنایا، البتہ مسجود غیر اللہ کو ضرور بنایا ہے۔

تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا واقعہ دیکھیئے کہ اس میں آپ نے غیر اللہ کو معبود بنانے سے روکا ہے، پھر آگے ہی چند آیات کے بعد ہے کہ سب بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا، تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے کیوں نہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں معبود بناتے ہو؟!

اس پر سلطان خاموش ہو گئے اور آخر میں فرمایا کہ ہمیں آپ کی تقریر سن کر بڑی خوشی ہوئی خصوصاً اس لئے کہ تم نے جو کچھ کہا وہ کتاب و سنت سے کہا۔ اور تم ہمارے علماء سے گفتگو کرو، پھر تم اور وہ جو فیصلہ کرو گے عبد العزیز کی گردن (اشارہ کر کے کہا) اُس کے نیچے ہو گی۔

پھر دوسرے موقعوں پر ان کے بڑے علماء خصوصاً عبد اللہ بن بلیہد سے گفتگوئیں ہوئیں، کیونکہ موتمر ۱۵-۱۶ یوم تک رہی اور ہم ایک ماہ تک ٹھیرے رہے۔

میں نے مآثر، تکفیرِ اہل قبلہ اور تقلید وغیرہ پر تقریریں کیں، عبد اللہ موصوف نے مآثر کے جواب میں ہماری دلیلوں پر کچھ نہیں کہا، بلکہ صرف معارضہ کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے

کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے بیعۃ الرضوان والے شجرہ کو کٹوا دیا تھا۔

میں نے اس پر کہا کہ وہ صحاح ستہ یا کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، صرف طبقات ابن سعدؒ (ص ۱/۲) میں ہے، اسی سے سب نے لیا ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ نافع اور عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ پھر میں نے کہا کہ ہم صحیح بھی مان لیں تو کم از کم جو ہمارا مسلک ہے وہ بھی تو حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا اس کو بدعت تو نہ کہنا چاہیئے، یوں آپ کی مصالح جو بھی متقاضی ہوں، لیکن مصلحت کا بھی یہ حال ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہ فعل اس وقت کیا تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی، لہٰذا وہ مبنی بر مصلحت درست طریقہ پر تھا۔ اور اب تم نے جو کچھ کیا اس کی وجہ سے تمام مسلمان برگشتہ ہیں۔ پس مصلحت کے بھی خلاف کیا ہے۔

تقلید پر جب گفتگو ہوئی تو میں نے کہا کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے نے اپنی

ع دوسری روایت خود طبقات ابن سعد میں ہی اس کے خلاف بھی ہے کہ بیعت رضوان کے کئی سال بعد ہم نے اس درخت کو تلاش کیا مگر اسے پہچان نہ سکے اور اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ وہ درخت کونسا تھا (ص ۱۰۵/۲) دوسری روایت بخاری و مسلم اور طبقات ابن سعد میں حضرت سعید بن المسیب (مشہور تابعی جلیل القدر) سے ہے کہ میرے والد بیعتِ رضوان میں شریک تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ دوسرے سال جب ہم لوگ عمرۃ القضا کے لئے گئے تو ہم اس درخت کو بھول چکے تھے تلاش کرنے پر بھی ہم اسے نہ پا سکے۔

تیسری روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عہدِ خلافت میں جب حدیبیہ کے مقام سے گذرے تو انھوں نے دریافت کیا کہ وہ درخت کہاں ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی تو کسی نے کہا کہ فلاں درخت ہے اور کسی نے کہا کہ فلاں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ چھوڑو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟!

(تفہیم القرآن ص ۵/۵۵ و معارف القرآن ص ۸/۱ بحوالہ بخاری ص ۵۹۸ و مسلم ص ۱۲۹/۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے تھی کہ عدم تعین کی وجہ سے ہی حضرت عمرؓ نے درخت کٹوایا تھا۔ (مؤلف)

کتاب میں لکھا ہے کہ ہم امام احمدؒ کے مقلد ہیں الآیہ کہ کوئی حدیث صریح، صحیح، غیر منسوخ، غیر مخصص، اور غیر معارض لاقوی منہ قولِ امام کے خلاف ہو تو اس کی وجہ سے قولِ امام کو ترک کردینگے، لیکن رہیں گے پھر بھی ائمہ اربعہ کے دائرہ میں۔ اس سے نہ نکلیں گے۔

اسی لئے ہم نے ابن تیمیہؒ اور ابن قیم کے تفردات کو اختیار نہیں کیا، متعدد مسائل میں مثلاً طلاق ثلاث مجلس واحد وغیرہ میں۔

میں نے کہا کہ بالکل یہی طریق تقلید ہم احناف ہندوستان کا بھی ہے، پھر ہم کو مشرک کیوں سمجھا جاتا ہے، اور ہمارے مقابلہ میں ہندوستان کے غیر مقلدوں کو کیوں اچھا سمجھا جاتا ہے؟

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے اس کے بعد مکہ معظمہ کے مآثر و مشاہد مقدسہ متبرکہ کا بھی ذکر فرمایا، اور بتلایا کہ مجھے حرمین کے مآثر کی زیارت کا ہمیشہ اشتیاق رہا ہے اسی لئے ترکی دور میں بھی ان کو دیکھا تھا اور نجدی میں بھی دیکھے، جن میں بہت سے تو بالکل ہی ختم کردئے گئے ہیں، اور جنت البقیع تک کی بھی کچھ قبریں اکھڑی ہوئی دیکھیں، ویا للاسف۔

(۱۱) **غارِ حراء** حضرتؒ نے فرمایا کہ میں غارِ حراء پر حاضر ہوا، مکہ معظمہ سے وہاں تک دو رویہ کوہستانی سلسلہ ہے، ان کے دروں میں سے گذر کر ۲۔۳ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ پر یہ غار ہے، میں وہاں ایک شب رہا، وہاں ایک بدو رہتا تھا، جس نے ٹھنڈے پانی کا انتظام کر رکھا تھا، عصر کے بعد چل کر مغرب کی نماز پہاڑ کے دامن میں پڑھی، پھر اوپر جاکر عشاء کی نماز پڑھی۔ تقریباً ایک میل چڑھائی ہے۔ اوپر جاکر میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اب جس کا جو جی چاہے کرو، باتیں نہیں کرینگے۔ یہ غار نکونہ کمرہ ہے، اندر ایک صاحب عبادت میں مشغول تھے، وہ ۱۲ بجے نکلے تو میں داخل ہوا، اور صبح تک نوافل پڑھتا رہا، صبح کو واپس ہوئے جمعہ کا دن تھا۔

(۱۲) **غارِ ثور** یہ مکہ معظمہ سے کافی فاصلہ پر ہے اور مدینہ کے دونوں متعارف راستوں

سے الگ واقع ہے۔ ۲، ۳ میل کی چڑھائی میں اوپر واقع ہے، غار اندر سے بڑا ہے، مگر داخل ہونے کی جگہ چھوٹی ہے، اوپر کو جاتے ہوئے اس پر چھجہ سا ہونے کی وجہ سے غار پوشیدہ ہے، لیکن ترکوں نے دوسری طرف سے بڑا دروازہ بنا دیا ہے تاکہ اندر جانے میں سہولت ہو میں تو چھوٹے منہ ہی سے داخل وخارج ہوا۔ اندر جا کر اپنا بدن کرتہ کھول کر خوب پتھروں سے مس کیا (یہ تھا ہمارے اکابر کا طریقہ جس کو نجدی وسلفی نام رکھتے ہیں)

(۲) مولد النبی علیہ السلام ترکوں کے وقت وہاں حاضر ہوا تو جگہ بنی ہوئی تھی اور ایک گہرا گڑھا بنا ہوا تھا، میں نے اندر جھک کر نیچے تک بدن سے مس کرایا۔

مسکن حضرت خدیجہ رضؓ یہ بھی دیکھا محدث طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ بیت اللہ کے بعد اس سے زیادہ متبرک مقام مکہ میں نہیں ہے، مگر اب ابن سعود نے ان دونوں مقامات کے نشان مٹا دیئے ہیں۔

حضرتؒ نے دار ارقم اور شعب ابی طالب وغیرہ کا بھی ذکر کیا اور ایک خاص واقعہ بھی ابن سعود کے تدبر و سیاست کا ذکر کیا جو قابلِ ذکر ہے، فرمایا کہ ابن سعود بہت مدبر اور بہادر ہیں، محمل مصری پر جب گولیاں چل گئیں تو عرفات کے مقام پر یہ پیش آیا کہ تھوڑی دیر تک ہم نے آوازیں سنیں، غالباً ۱۹ نجدی شہید ہو گئے، اس سال ۷۵ ہزار نجدی حج کے لئے آئے تھے، سخت ہنگامہ اور حج کے جاتے رہنے کا بھی خطرہ تھا، مصری صرف پانچ سو تھے، پہلے ابن سعود نے بھائی کو بھیجا، مگر نجدی نہ مانے، پھر بیٹے کو سمجھانے کے لئے بھیجا تب بھی نہ مانے تو ابن سعود خود مجمع میں گھس گئے (حالانکہ ارکانِ دولت اور فوج نے تنہا جانے سے روکا بھی) اور جا کر اول کہا:۔ عباد اللہ! اتقوا اللہ، اور پھر سمجھایا کہ یہ موقع در گزر کا ہے، لوگوں نے کہا کہ ہمارے آدمی مارے گئے ہیں، ابن سعود نے اپنا سینہ کھول دیا کہ اچھا پہلے اس کو چھلنی کر دو، پھر مصریوں سے بدلہ لینا، اس پر سب نجدی ٹھنڈے ہو گئے اور کچھ ہی دیر میں بالکل امن وامان ہو گیا۔ ہم کو یہ تدبر و سیاست دیکھ کر سخت

تعجب ہوا۔

(۱۴۶) **فائدہ** حضرت مولانا سراج احمد صاحبؒ نے بیان کیا کہ مولانا شبیر احمد صاحب جب پہلے حج کے لئے گئے تھے تو حضرت مولانا شفیع الدین صاحب (نگینوی، بجنوری) نے ان سے کہا تھا کہ طوافِ وداع کے بعد بابِ وداع سے باہر نہ ہونا بلکہ وہاں تک جاکر بابِ ابراہیم کی طرف لوٹ کر وہاں سے نکل جانا، اِس طرح پھر حج نصیب ہونیکی امید ہے چنانچہ مولانا نے ایسا ہی کیا۔

جب راقم الحروف اور مولانا بنوری ۱۹۳۷ء میں حج پر گئے تھے۔ (اور وہیں سے مصر بھی گئے تھے) تو حضرت مولانا شفیع الدینؒ سے اکثر ملتے تھے، اور انھوں نے ہی ہمارے ساتھ ایک صاحب کو کردیا تھا جس نے مکہ معظمہ کے تمام مآثر و مشاہد کی نشان دہی کرکے زیارت کرائی تھی، ورنہ ہمارے لئے مشکل پیش آتی، کیونکہ نجدیوں نے ماثر کے خلاف ہونے کی وجہ سے اکثر کے نشانات نظروں سے اوجھل کردئے تھے۔ والی اللہ المشتکی۔

واضح ہو کہ مسجدِ حرام کے شرق میں جبل ابوقبیس کے نیچے محلہ قشاشیہ تھا، دارارقم اسی محلہ میں تھا، جہاں حضور علیہ السلام تشریف لاکر نومسلموں کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اسی مکان میں پیش آیا تھا، کوہ صفا پر چڑھتے ہوئے بجانب راست پڑتا اور دروازہ شرقی رخ پر کھلتا تھا، بیت اللہ شریف کی کنجی بردار خاندان کے لوگ بھی اسی محلہ میں آباد تھے، حضرت خدیجہؓ کا مکان بھی جہاں حضور علیہ السلام کی سکونت ۲۷ سال رہی اور حضرت فاطمہؓ اور دیگر صاحبزادیاں اور صاحبزادگان بھی سب وہیں پیدا ہوئے تھے۔ اور ابوسفیانؓ کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا۔ دوسرا محلہ غزہ مسجد حرام کے شمال و مشرق میں واقع تھا، غزہ کے شمال میں شعبِ بنی عامر ہے جس میں سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا مولد (جائے ولادت) ہے اور اسی کے قریب آپ کے چچا ابوطالب کا مکان یعنی مولدِ سیدنا علیؓ ہے، اور قبلِ اسلام عام خاندانِ عبدالمطلب کے مکانات اسی محلہ میں تھے اور مسجد حرام کے شمال و غرب میں محلہ شامیہ ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے اپنے سفرنامہ حج ۱۳۲۷ھ میں اس دور کے حالات بڑی تحقیق سے لکھے تھے، اس میں یہ بھی تھا کہ مکہ معظمہ میں اس وقت مسجد حرام کے علاوہ بڑی ۶ مساجد اور ۶۷ چھوٹی تھیں۔ ۶ مدرسے اور ۳۴ مکتب تھے اور دو بڑے کتب خانے بھی تھے وغیرہ

آخری سطور(۱۱۶) حرمین شریفین کے مآثر و مشاہد مقدسہ پر الگ سے مستقل کتاب چاہیئے۔ سفر حج و زیارت کے ذیل میں ان امکنۂ اجابت پر حاضری اور ادعیہ سے کتنے عظیم الشان فوائد و منافع کا حصول ہوتا تھا وہ بیان و دلیل کا محتاج نہیں، صحیح بخاری شریف کی حدیث گذر ہے کہ ایک صحابی عتبان بن مالکؓ نے کیسی لجاجت سے درخواست پیش کر کے حضور علیہ السلام سے اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا کرائی تھی، باذوق لوگوں کے لئے اس میں کتنے سبق تھے ارکان حج کی ادائیگی بھی اپنے قدیم بزرگوں کے مآثر کی یاد دلانے کا ہی ایک عمل ہے۔ خیال کیا جائے سید المرسلین، افضل الخلق و محبوب رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے مآثر و مشاہد مقدسہ کی یاد دلانے کا عمل برعکس رویہ کا مستحق کیوں قرار دیا گیا؟! شاید بدذوقی کا اس سے بڑا شاہکار دنیا میں نہ ملے گا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مولدِ نبوی میں حضرت ابوطالب کے ساتھ ۲۶ سال گذارے، پھر حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ان کے دولت کدہ میں ۲۷ سال سکونت کی، اسی زمانے میں تین سال آپ نے شعب ابی طالب میں محصوری کے دن بھی گذارے، پھر یہ بھی دیکھئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ آپ پر ۲۴ ہزار بار وحی الٰہی اتری ہے۔ جو قرآن مجید کی صورت میں متلو بھی ہے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں میں ہی اس عظیم تعداد کا ورود ہوا ہے۔ اگر حقیقت پر نظر ہو تو وحیِ الٰہی کا تو ایک ہی بار کسی جگہ میں اترنا اس کو آسمان رفعت پر پہنچا دینے کے لئے کافی ہے، چہ جائیکہ ۲۴ ہزار بار ان مقاماتِ مقدسہ میں وحی اُتری ہے اس کے ساتھ خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کے اپنے روحانی

اشتغال اور عبادات و مجاہدات بھی جو ان امکنہ مقدسہ میں شب و روز اور اتنی طویل مدتوں تک ہوتے رہے ان کا بھی تصور کیا جائے تو بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر نہایت ہی حیرت اس پر بھی ہے کہ صحابہ کرام تو حضور علیہ السلام کی ۲-۳ منٹ کی نماز کی جگہ کو متبرک جان کر اپنے لئے مصلّے بنالیں اور سعودی علماء ان جگہوں کو بھی جہاں حضور علیہ السلام نے برسوں عبادتیں اور ریاضتیں کیں لائق استبراک نہ سمجھیں جبکہ اسی مدت کے اندر حضور علیہ السلام معراجِ اعظم سے بھی مشرف ہو چکے ہیں اور پچاس ہزار سال کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے جہاں کوئی نبی و رسول بھی نہ پہنچا تھا اور وہاں سے ایسے ایسے بے شمار کمالات وفضائل لے کر لوٹے کہ جو چشم فلک نے کسی بھی دوسرے کے لئے نہ دیکھے تھے، ایسے غضِ بصر کو ہم کیا نام دیں؟ پھر بھی اگر ان مقامات مقدسہ کو امکنۂ متبرکہ نہ سمجھا جائے اور ایسے عظیم مآثر و مشاہد کو مٹانے یا نظروں سے اوجھل کرنے کی سعی کی جائے تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ یہ سلطان ابنِ سعود کی بد ذوقی یا کم ذوقی نہ تھی تو اور کیا تھا، اور علماءِ نجد کے علم کی کمی بھی ضرور تھی کہ پورے دلائلِ کتاب و سنت کو ملحوظ نہ رکھا اور ساتھ ہی دنیائے اسلام کے جو علماء موتمر میں شریک ہوئے ان کے بھی علم کی کمی کا شکوہ بجا ہی ہے کہ سارے دلائل سامنے نہ کر سکے اور ان سب کا علم اس سے قاصر رہا۔

بس یہاں مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے صرف ایک جملہ کی تشریح اور مالہ و ماعلیہ کو سامنے کرنا تھا، حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ زیرِ ترتیب اس مجموعہ میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی

"عاجزانہ گذارش" حسبِ روایت علامہ عثمانیؒ موتمر میں علماءِ نجد نے کہا تھا کہ "ہم امام احمدؒ کے مقلد ہیں اور کسی حدیث صحیح و قوی کی وجہ سے قولِ امام کو ترک بھی کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی ائمہ اربعہ کے دائرے سے نہیں نکلیں گے"۔ یہ بہت مبارک اور صحیح فکر ہے اور کہا تھا کہ "ہم نے علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تفردات کو اختیار نہیں کیا"۔ یہ بھی نہایت

صحیح قدم ہے، مگر اب تک بجز مسئلہ طلاق ثلاث کے اور تفردات کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور موتمر مذکور کو تقریباً ۱۴ سال ہو گئے ہیں، مشار الیہ امکنۂ متبرکہ کی تقدیس، تحفظ و بحالی کا عالمی مطالبہ بحالہ قائم ہے جو سارے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کا ہے اسلئے بھی یہ فوری توجہ کا مستحق ہے۔ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند؟!

حضرات علماءِ سعودیہ کی خدمت میں یہ بھی عرض ہے کہ امکنہ کا تقدس بھی ازمنہ کی طرح جمہور سلف و خلف کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں تفریق اور امکنہ کے متبرک ہونے سے انکار یہ بھی علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے تفردات میں سے ہے اور یہ اسراء کی حدیثِ صحیح و قوی مرویہ نسائی شریف کے بھی خلاف ہے۔

اگر حدیثِ صحیح و قوی کی وجہ سے امام عالی مقام امام احمدؒ کا قول ترک کیا جا سکتا ہے تو ان دونوں حضرات کا قول کیوں قابلِ ترک نہیں ہے؟ اور عالی قدر شاہ فہد دام ظلہم کی خدمت میں گزارش ہے کہ انھوں نے خدائے تعالیٰ کے عظیم فضل و احسان و توفیق سے ملوکیت کا ساٹھ سالہ دور ختم کر کے اب خدمتِ حرمین کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور خادم الحرمین الشریفین کا محبوب لقب اختیار کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ارضِ حجاز مقدس میں حرمین شریفین اور ان کے تمام ماثر و مشاہد دنیا کے وہ عظیم ترین و جلیل القدر حصے ہیں کہ ان کا مرتبہ و تقدس تمام ارضی و سماوی حصوں سے زیادہ افضل و اکرم عند اللہ ہے، اس لئے ان کی پوری حفاظت بکل معنی الکلمہ ان کا فرض ہے، جس کی تائید و نصرت دنیا کے ہر مسلمان کی بھی ذمہ داری ہے۔ واللہ الموفق۔

حکومت سعودیہ کی تائید و نصرت (نمبر ۱۴) اس درخواست کے ساتھ ہم اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جو گرانقدر خدماتِ اعیانِ سعودی عرب نے حرمین شریفین کی ترقیات اور حجاج کی عظیم تر سہولتوں اور امن و امان کے لئے کی ہیں وہ سارے مسلمانانِ عالم کی طرف سے عظیم شکریہ کے مستحق ہیں اور ان کی ہر قسم کی تائید و نصرت موجودہ حکومتِ سعودیہ کے لئے

وقف ہے اور رہے گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

(۱۳۵) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ بہاولپور کے مشہور مقدمہ قادیانیوں کے ایام میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب احترام ہوتی ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد! یہ جگہ "بیت اللحم" ہے جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوئے، لہٰذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی

یہ حدیث گیارہ کتابوں سے نکال کر دی تھی۔ مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابنِ سعود کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو اس نے عبداللہ بن بلیہد کی طرف دیکھا کہ جواب دے تو قاضی صاحب موصوف نے پوچھا یہ حدیث کہاں ہے؟ میں نے حوالہ دیا تو جواب کچھ نہ دے سکے، اس پر میں نے ابنِ سعود سے کہا فقط نجد میں ہی محدثین حضرات نہیں ہیں، دنیا میں اور لوگ بھی حدیث جانتے ہیں۔ (افسوس کہ مولانا نے ان سب گیارہ کتب حدیث کا حوالہ نہ دیا جن میں امام نسائی سرِفہرست تھے اور علامہ بیہقی بھی مع تصحیح کے، اور رجال کی بحث بھی کر کے خوب قائل کر سکتے تھے، نیز ابن قیم کی زاد المعاد والی انکارِ صحت والی بات کا حوالہ دے کر اس کا رد بھی اچھی طرح سے کرتے اور زاد المعاد کی ص ۵۴؍۳ والی حدیثِ طواف بھی پیش کر کے مولانا عبدالحیؒ کا نقدِ شدید بھی ابنِ سعود و علماء سعودیہ کو سنا دیتے، مگر یہ سب تو صرف حضرت شاہ صاحبؒ ہی کر سکتے تھے، اگرچہ جتنا کام مولانا نے کیا، بظاہر دنیا کے علماء اسلام میں سے اور کسی نے وہ بھی نہیں کیا اس لئے یہی غنیمت ہوا)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب نجدیوں کی حکومت آئی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم مدنی حج کو تشریف لے گئے تو میں بھی ساتھ گیا تھا،

حضرت کی بذل المجہود کا جو حصہ طبع ہوگیا تھا وہ نجدیوں نے قبضہ میں کرلیا، حضرت خود ابن سعود سے ملے اور کتاب چھڑوا کر لائے۔ پھر علماءِ نجد نے اعتراض کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کے ساتھ تم لوگ سیّدنا کیوں کہتے ہو اس کا ثبوت کہاں ہے؟ حضرت نے فرمایا حدیث میں آتا نہیں انا سید ولد آدم ولا فخر۔ اس میں انا سید کا لفظ آیا نہیں؟ لاجواب ہوگئے۔

حضرت سہارنپوریؒ فرماتے تھے کوئی اللہ کا بندہ ہو تو ان نجدیوں کی اصلاح کردے حالانکہ خود بھی ماشاء اللہ حضرت سہارنپوری کفر و شرک اور بدعات کے رد میں شمشیر برہنہ تھے، پھر بھی ان نجدیوں کی سختیاں دیکھ کر یہ فرمایا کرتے تھے۔ (ص ۳۰ ملفوظات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ مرتبہ حضرت مولانا محمد انوریؒ)

حضرت سہارنپوریؒ نے پھر ہجرت مدینہ طیبہ بھی اختیار فرمائی تھی اور برسوں تک وہاں بھی احقاقِ حق اور اصلاحِ نجدیان کا فریضہ بڑی جرأت کے ساتھ خود ادا کرتے رہے بڑے محدث اور متبحر عالم بھی تھے، اسی لئے حرمین و نجد کے اہلِ علم بھی ان سے متاثر تھے سیدنا کا مسئلہ بھی انھوں نے نجدی علماء سے منوالیا تھا، مگر شیخ ابن باز نے تازہ کردیا ہے، اور وہی اس وقت سب سے زیادہ متعصب بھی ہیں۔ طلاقِ ثلاث کے مسئلہ میں بھی جب دوسرے علماءِ سعودیہ نے علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کے تفرد کو ترک کر کے جمہور کا مسلک مان لیا تو ان کو پھر بھی اختلاف ہی رہا۔

پاکستان سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ رمضان شریف میں اور حج پر بھی بہ کثرت جاتے تھے تو وہ بھی نجدی علماء سے خوب علمی بحثیں کرتے تھے اور بہت سی باتیں ان سے منوا بھی لی تھیں۔

۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء میں جب ہم دونوں حج اور مصر کے سفر پر گئے تھے تو حکومتی شعبہ ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے رئیس شیخ سلیمان الصنیع بڑے متبحر واسع المطالعہ

عالم تھے، جن کے ساتھ ہماری مجلسیں بکثرت رہتی تھیں، وہ معترف تھے کہ صحیح علم علماءِ دیوبند ہی کے پاس ہے اور جب بھی ہمارے علماء پوری طرح متوجہ ہو کر علومِ متقدمین کا مطالعہ کریں گے تو تمہاری ضرور موافقت کریں گے۔

کاش! ان کی یہ پیش گوئی جلد پوری ہو اور ہم بھی اپنے اکابر کے علوم و تحقیقات کو پیش کرنے کے اہل و قابل ہوں۔ وللّٰہ الامر من قبل و من بعد۔

فائدہ تفسیر مظہری ص۱۲۸ میں قولہ تعالیٰ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" کے تحت مفصل تفسیر و تحقیق کے بعد تحریر فرمایا:- "یہاں اہلِ اعتبار نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس مقام میں کوئی شخص اہل اللہ میں سے کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے، جس سے قلوب کا انجذاب حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور اس جگہ نیکیاں کرنے سے ان کا اجر مضاعف ہو جاتا ہے اور برائیوں کا گناہ بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے واللہ اعلم" فلیعتبر السلفیون!

جامعِ ملفوظات احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے جو فرمایا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کے کمزور دلائل ہمارے اکابر کے سامنے پہلے سے تھے اور وہ دلائل وہی تھے جو علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم سے ان کو ورثہ میں ملے تھے اور جن کی بنا پر تقریباً ایک سو سال قبل بھی خود شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سرکردگی میں حرمین شریفین کے ماثر و مشاہد کو مٹایا گیا تھا اور کافی قتل و خونریزی بھی ہوئی تھی مگر وہ قبضہ عارضی تھا اور ترکوں نے جلد ہی پھر سے حکومت حاصل کر لی تھی، پھر ۱۹۲۴ء میں نجدیوں نے دوبارہ قبضہ کیا تھا۔ جواب تک ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں حکومتِ نجدیہ سعودیہ کی موجودہ خدمات ترقی و توسیعِ حرمین اور حجاج کے لئے سکون و امن و راحت کے اعلیٰ انتظامات وہ یقیناً نہایت قابلِ قدر ہیں مگر ماثر و مشاہد کی تقدیس و حفاظت کی بات جہاں تک ہے وہ یقیناً عالمِ اسلامی کے

تمام ہی علماء اور مسلمانوں کے اجماع و اتفاق کے تحت ہونی چاہیئے، اور ہمیں امید ہے کہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد خلد اللہ ظلہ و سلطانہ اس طرف جلد توجہ فرمائیں گے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اوپر کا ملفوظ ہم نے اسی لئے درج کیا ہے کہ حضرت علامہ کشمیریؒ ایسی عالمی علمی شخصیت کا فیصلہ سامنے آجائے کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب الاحترام ہوتی ہے اور امام نسائی وغیرہ کی روایت کردہ حدیث نزول وصلوٰۃ بیت اللحم والی نہایت پختہ اور گیارہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، صرف علامہ ابن قیمؒ کے انکارِ صحت سے رد نہیں ہو سکتی لہٰذا علماءِ سعودیہ نے جس طرح طلاقِ ثلاث کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کے تفرد کو فیصلۂ جمہور کے مقابلے میں رد کر دیا ہے، اسی طرح وہ بحث وفحص کے بعد ماثر و مشاہد وغیرہ کے بارے میں بھی ان دونوں حضرات کے تفرد کو مرجوح قرار دے کر جمہور سلف و خلف کے فیصلوں کو نافذ کرائیں۔ ولھم الاجر والمنۃ، ان شاء اللہ تعالیٰ

سلفی اور نجدی بھائیوں کو سوچنا چاہیئے کہ جب ایک صالح شخص کے کسی مقام میں صرف قیام سے وہ جگہ اتنی متبرک ہو جاتی ہے تو اگر وہاں وہ عبادت و ریاضت بھی کرے تو اس سے ظاہر ہے کہ اس جگہ کا مرتبہ اور بھی بڑھ جائے گا، جس طرح وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی تو اس کے قریب نمازِ طواف واجب یا مستحب قرار پائی اور خود حضرت عمرؓ نے وحی سے قبل ہی اس کو نماز کی جگہ بنانے کی خواہش و تمنا کی تھی جن کو ابن تیمیہ وغیرہ ماثر کا مخالف سمجھتے تھے۔

پھر ظاہر ہے کہ جن اماکن مقدسہ میں افضل الخلق و سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے برسوں اقامت کی، عبادات کیں اور وہاں وحیِ الٰہی ایسی مقدس ترین چیز کا بھی نزول اجلال ہوتا رہا، تو وہ مقامات معظم و متبرک کیوں نہ ہوں گے، اور مقامِ ابراہیم کی طرح ان کی بھی حفاظت کیوں ضروری نہ ہوگی؟

اس میں بھی عقل ہی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

(۱۴۲) **حضرت شاہ عبدالعزیز کی طرف سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا دفاع** ارواح ثلاثہ ص۳۰ میں واقعہ درج ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے پاس کچھ لوگ جمع تھے، جن میں سے کسی نے شیخ موصوف کی مذمت اور تفسیق و تکفیر کی کہ اس نے ابن تیمیہ و ابن قیم ایسے بد دینوں کے دین کو چمکانا چاہا، شاہ صاحب رح نے یہ سن کر افسوس کیا اور اس کو ایسی بات کہنے سے روکا، پھر فرمایا کہ محمد بن عبدالوہاب بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان اور متبع سنت تھے، مگر بعض مسائل میں مقتضائے عقل کو ترک کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ و ابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے مگر بشر تھے، ان سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بنا پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا، جس سے مقصود تعلیم افعالِ طواف بھی اور اس حالت میں آپ کی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا، پس حرمتِ مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا، محمد بن عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گئے اور اپنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا، جس سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی، سو گویہ ان کی غلطی تھی، مگر ان کا منشأ اتباعِ سنت تھا، اس لئے اس کو برا کہنا نہ چاہیئے (ہمارے حضرت شاہ صاحب رح علامہ کشمیری اسکی مثال تکفیرِ مسلمین میں جلد بازی بتلایا کرتے تھے۔)

معلوم ہوا کہ اتباعِ سنت کے لئے بھی عقل کی رہنمائی ضروری ہے اور اس کے بغیر بڑوں سے بھی بڑی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔

(۱۴۳) **کلامِ باری وصوت وحرف** حضرت شاہ صاحب رح نے عقائد اسلام کی بحث کے ضمن میں فرمایا:۔ ایک کلام نفسی ہوتا ہے، دوسرا کلام لفظی، علامہ اشعری وغیرہ متکلمین اسلام نے حق تعالیٰ کے لئے کلامِ نفسی مانا ہے اور وہ قدیم ہے، علامہ ابن تیمیہ نے صرف کلام لفظی

کا اقرار کیا اور کلام نفسی کا انکار کیا ہے، حالانکہ وہ بلا شک و شبہ ثابت و متحقق ہے اور علامہ ابن تیمیہ کا انکار محض بلاوجہ کی بات ہے، اس کو حضرتؒ نے تطاول کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا۔ (تطاول ایک کثیر المعانی لفظ ہے جس میں بہت کچھ آجاتا ہے۔)

اس کی تفصیل فیض الباری ص ۵۲۸ تا ۵۳۲ جلد رابع میں بھی بقدرِ ضرورت درج ہوگئی ہے وہاں دیکھ لی جائے، البتہ صوت کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ صوت کو امام بخاری نے اطلاق کیا خلاف جمہور کے، یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا ہے، جبکہ دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے، پھر فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اگر اس کو مانا ہی جائے تو اس قید و شرط کے ساتھ کہ اس کو اصواتِ خلق کے مشابہ نہ قرار دیا جائے اور دوسرے علماء نے اس کو یا تو صوتِ ملائکہ قرار دیا ہے یا ایسی آواز جو اس محل و موقع میں پیدا کر دی گئی ہے امام بخاری نے اس محل و موقع کی آواز کو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے صوتِ باری سمجھا کہ وہ دور و نزدیک سے برابر سنی جاتی تھی، جو قابلِ تعجب بات ہے، اگر فرشتے کی آواز ہوتی تو اس میں یہ عجیب و غریب صفت نہ ہوتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر شیخ اکبرؒ کا قول بھی نقل کیا کہ صوتِ باری کی صفت یہ ہے کہ وہ تمام جہات سے برابر سنی جا سکتی ہے اور صوتِ صلصلہ جس سے حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے اس کی شان بھی ایسی ہی ہے، اور اسی لئے دوسرے شارحین کے خلاف میرا رجحان بھی امام بخاری کی طرف ایسا ہی ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے صوت ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک اہم غلطی کا ازالہ احقر بجنوری نے انوار الباری ہفتم میں عقائد کی بحث درج کی ہے اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بھی "تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری" جلد ہشتم میں (جس کی طباعت پہلی دو جلدوں کے بعد ہی مقدم کر دی گئی ہے) نہایت محققانہ کلامی ابحاث حوالوں کے ساتھ درج کی ہیں، اس کے مطالعہ سے میں نے بھی استفادہ کیا، مگر جو بات ص ۱۳۳ میں نقل ہوئی ہے

(۱) فرمایا: "شیخ عزالدین بن عبدالسلام شافعیؒ بڑے ولی اللہ، نہایت متقی اور اجل عالم گذرے ہیں جن کی جلالۃ القدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر کے

= کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی مسئلہ حرف وصوت میں اثبات کو ترجیح دی ہے، پھر آگے بھی لکھا کہ یہ بات حنابلہ کے نظریہ کے مطابق تو درست ہے، مگر متکلمین نفس کلام قدیم باری میں اس کو صحیح نہیں مانتے، یہ امر قابل تامل ہے، کیونکہ صرف صوت کی حد تک تو امام بخاری و شاہ صاحب کے نظریات ہم آہنگ ہو سکتے ہیں، باقی حروف وکلمات اور دلالت وغیرہ کو نہ امام بخاری باری تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے ہیں نہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا ہے، اور غالباً صوت کے ساتھ حرف کا لفظ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے، کیونکہ "مسئلہ حرف وصوت" کی تو ایک مستقل اصطلاح بن گئی ہے، اور شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ (م ۶۶۰ھ) کے زمانہ میں تو اس پر بہت بڑا فتنہ بھی اٹھا تھا، اور اس وقت سے برابر متاخرین حنابلہ وتیمیین کے دوسرے متکلمین واکابر علماء اسلام کے ساتھ مجادلات رہے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو السیف الصقیل والاختلاف فی اللفظ تحفۃ القاری ص ۱۲۵/۱۵۲) کتاب الاسماء والصفات بیہقی مع التعلیقات عمدۃ القاری ص ۱۵۲/۲۵ وانوار الباری ص ۲۳۷/۱۱ وغیرہ۔

چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف کاتب کے سہویا غلطی سے ایک غلط بات منسوب ہو گئی اس لئے اس کا تدارک وازالہ ضروری سمجھا گیا۔

(۱۴۶) واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ہمارے نزدیک بہت بڑی منقبت یہ بھی ہے کہ آپ نے باوجود اس قدر تبحر علمی و وسعت معلومات کے کبھی جمہور سلف وخلف کے خلاف کوئی رائے قائم نہیں کی، اسی لئے آپ کے یہاں تفردات نہیں ہیں، علماء نے بھی یہ لکھا ہے کہ تفرد کوئی منقبت نہیں ہے، یہاں جو صورت ہے وہ صرف شارحین بخاری سے الگ آپ کی ایک رائے ہے، جس کو حضرتؒ نے مشروط کر کے مزید احتیاط بھی فرما دی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حیدرآباد دکن میں میری سترہ تقریریں ہوئیں، بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

شہزادوں کو بازار میں بیچا تھا کہ وہ عبید اور بیت المال کی ملکیت ہیں۔"

احقر بجنوری عرض کرتا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۶۶۰ھ میں ہوئی اور یہ حافظ ابن تیمیہ سے کچھ ہی قبل ہوئے ہیں۔ "حرف وصوت کا فتنہ ان ہی کے دور میں ہوا تھا" جس کی تفصیل مطبوعہ رسالہ "ایضاح الکلام فیما جری للعز بن عبد السلام فی مسئلۃ الکلام" میں دیکھی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ متاخرین حنابلہ میں سے مخالفین اشاعرہ نے کلام باری تعالیٰ کے حرف وصوت سے مرکب ہونے کا بڑا پروپیگنڈا کیا تھا، اور اس دور کے سلاطین وامراء کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا تھا، اس وقت شیخ عزالدین نے بے نظیر شجاعت کا ثبوت دیا۔ کہ ان سب کے مقابلہ پر کلمۂ حق بلند کیا تھا اور ثابت کردیا تھا کہ تمام سلف اور امام احمد واصحاب احمد پر بہتان ہے کہ وہ کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب مانتے تھے، اس پر حنابلۂ وقت نے ان کی شکایت ملک اشرف تک پہنچا کر ان کو قتل وحبس کرانے کی سعی کی تھی اور نظر بند کرادیا تھا فتوی وغیرہ سے بھی روک دیا گیا تھا۔ پھر شیخ وقت علامۂ کبیر جمال الدین حصیری حنفیؒ سلطان اشرف سے ملے اور شیخ کا برحق ہونا اور حنابلہ کا غلطی پر ہونا ثابت کیا، جس پر سلطان کو ندامت ہوئی اور شیخ کی نہایت تعظیم وتوقیر کی۔ اس کے بعد حنابلہ کا زور ٹوٹ گیا۔

(۱۴۷) واضح ہو کہ حافظ ابن تیمیہ بھی قیام حوادث حرف وصوت وغیرہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مانتے ہیں، پوری تفصیل مع ان کے تفردات اصول وعقائد براہین ص ۱۷۲ / ۱۸۱ میں دیکھی جائے۔ حافظ ابن قیم نے بھی اپنے عقیدۂ نونیہ میں کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب کہا جس کا رد علامہ کوثری نے تعلیقات السیف الصقیل میں کیا ہے اور وہاں شیخ عزالدین ودیگر اکابر امت کے فتاویٰ نقل کردئے ہیں (۴۱ / ۴۶) نیز ملاحظہ ہو انوار الباری ص ۲۳۷ / ۱۱۔)

ان فتاویٰ سے ثابت ہوا کہ جس نے خدا کو متکلم بالصوت والحروف کہا اس نے خدا کے لئے جسمیت ثابت کی جو کفر ہے۔

(۱۴۰) حضرتؒ نے اپنے قصیدہ حدوثِ عالم کی ابتدا اس شعر سے فرمائی :-

تعالی الذی کان ولم یکُ ماسوی

(ضرب الخاتم علی حدوث العالم)

واول ماجلی العماء بمصطفیٰ

یہ قصیدہ ۱۶ صفحات میں مجلس علمی، ڈابھیل وکراچی سے شائع ہوا ہے، اس کے کل ۲۸۴ شعر ہیں، یہی وہ مشہور و معروف قصیدہ ہے جس کے لئے ٹرکی کے شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ نے فرمایا تھا کہ میں اس مختصر رسالہ کو محقق صدر شیرازی کے "اسفار اربعہ" کی چار ضخیم جلدوں پر ترجیح دیتا ہوں، اور علامہ کوثریؒ نے بھی اس کو نہایت پسند کیا تھا، علامہ اقبال تو اس کے بہت ہی گرویدہ تھے اور اس کی مشکلات کو حضرت شاہ صاحب سے پوری طرح حل کیا تھا، بعض علماءِ پنجاب کی روایت ہے کہ حضرتؒ نے اس کے حل میں ۲۰۔۲۰ صفحات کے خط لکھے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اس رسالہ کو جتنا علامہ اقبال نے مجھ سے سمجھا ہے اس قدر دوسرے علماء نے بھی نہیں سمجھا ہے، یہ بھی معلوم ہے کہ علامہ اقبال نے خود بھی علوم عربیہ اسلامیہ کی پوری تحصیل کی تھی اور وہ اس کے متمنی رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو دیوبند کے بعد لاہور بلا کر رکھیں اور آپ سے استفادہ کر کے فقہ کے جدید مسائل حل کرائیں۔ پھر حضرتؒ کی وفات کے بعد احقر بجنوری سے بھی مکاتبت کی اور کسی اعلیٰ استعداد عالم کی تلاش میں رہے، جس کو اپنے پاس رکھ کر یہ کام کریں۔ مگر افسوس کہ ایسا عالم فارغ میسر نہ ہو سکا۔

حضرتؒ کا یہ رسالہ بھی علومِ دقیقہ عالیہ کا بے بہا خزانہ ہے، اور شرح مع تخریجِ حوالات کا محتاج ہے، کیا عجب ہے حق تعالیٰ کسی وقت یہ خدمت کسی عالم سے لیں، ان کی بڑی قدرت ہے، اگرچہ بظاہر علمی انحطاط کو دیکھتے ہوئے تو مایوسی ہے، جس طرح بقول حضرت تھانویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے میں اس وقت صرف اوپر کے شعر پر کچھ لکھتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا "وہ ذاتِ باری جل ذکرہٗ

کتنی عظیم القدر و متعالی ہے، جو ازل سے اور اس وقت سے ہے کہ کوئی دوسرا موجود نہ تھا اور اس نے سب سے پہلے اپنے فضل و انعامِ بیکراں سے عالمِ خلق کو سید الاولین و الآخرین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرمایا"

(۴۹۱) حضرت رح کے اس شعر کے پہلے مصرعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس نے حوادث لااول لہا کا نظریہ اپنایا وہ غلطی پر ہے اور یہی بات حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری ص۳۱۸/۱۳ میں لکھی ہے اور احادیثِ بخاری کی روشنی میں تفصیلی بحث کر کے علامہ ابن تیمیہ رح کا رد کیا ہے، جو مندرجہ بالا نظریہ کے قائل ہیں اور علامہ عینی رح نے بھی ایسا ہی لکھ کر رد کیا ہے (ملاحظہ ہو انوار الباری ص۱۸۲/۱۱) اسی طرح قیامِ حوادث بالباری کا نظریہ بھی غلط ثابت ہوا ہے اور عرش کے قدیم ہونے کا عقیدہ بھی غلط ہے جس کے دلائل دوسرے بھی ہیں۔

دوسرے مصرعہ میں حضرت رح نے یہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام اول الخلق ہیں اور آپ کے علاوہ دوسری تمام مخلوقات سب آپ کے بعد پیدا ہوئی ہیں۔ لہٰذا عرش، لوح، قلم وغیرہ بھی بعد کو ہیں

حضرت شاہ صاحب رح کی طرح ہمارے حضرت تھانوی رح نے بھی نشر الطیب کے شروع میں نورِ محمدی کا بیان قائم کر کے احادیثِ صحیحہ کے حوالہ سے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیأ سے پہلے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا، اُس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا نہ اور دوسری اشیاء تھیں، آپ نے یہ بھی لکھا کہ حدیث سے نورِ محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ حضرت تھانوی رح نے اس مضمون کو پوری تفصیل اور دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

حضرت شاہ صاحب رح کا ایک شعر فارسی میں بھی حدوثِ عالم اور صورتِ خلقِ اشیاء کے بارے میں بہت مشہور ہے ؎

بدریائے عما موجِ ارادہ   حباب انگیخت حادث نام کردند

اس سے یہ بھی اشارہ فرمایا کہ تمام عالم و عالمیان کی حقیقت حباب جیسی ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حضرت رحؒ نے لفظِ "تعالیٰ" سے حق تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ذاتِ باری تشبیہ و تجسیم سے بھی منزہ ہے اور آپ نے اکفار الملحدین صہ ۲۳ میں بھی علامہ محقق قونوی رحؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ قولہ "بذنب" سے اشارہ ہوا ہے کہ یہ بات صرف گناہ و معصیت تک ہے، ورنہ فسادِ عقیدہ ہو تو ضرور تکفیر کی جائے گی، جیسے مجسمہ و مشبہہ وغیرہم کے عقائد فاسد ہیں۔ شرح فقہ اکبر میں بھی بحثِ ایمان میں اسی طرح ہے اور المعتصر میں امام طحاوی نے اور امام غزالی رحؒ نے الاقتصاد میں بھی یہی لکھا ہے۔

(۱۵۰) حضرت شاہ صاحب رحؒ نے باب فضل النبی صلے اللہ علیہ وسلم (کتاب المناقب ترمذی صہ ۲۰۱/۲) کے تحت حدیثِ ابی ہریرہؓ پر درس ترمذی میں فرمایا:۔ قولہ متی وجبت لک النبوۃ الخ؛ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے نبی ہو چکے تھے، اور احکامِ نبوت بھی اسی وقت سے ان پر جاری ہو گئے تھے، بخلاف دوسرے انبیاءِ سابقین کے کہان پر احکامِ نبوت ان کی بعثت کے بعد جاری ہوئے ہیں جیسا کہ مولانا جامی رحؒ نے بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام نشأۃِ عنصریہ سے پہلے ہی نبی ہو گئے تھے۔ (العرف الشذی صہ ۵۶۱)

(۱۵۱) فرمایا:۔ حافظ ابن تیمیہ نے کہا کہ عرش قدیم ہے، کیونکہ استواء (بمعنے جلوس واستقرار) ہے اس پر خدا کا، حالاں کہ حدیث ترمذی میں خلق عرش مذکور ہے، کچھ پروانہ کی کسی چیز کی اپنے ذہن کے سامنے جو ٹھن گئی تھی وہی رہی۔ (درس بخاری صہ ۱۱۰/۲ کتاب الرد علے الجہمیہ) اور درسِ حدیث دیوبند کے زمانہ میں بھی حضرت رحؒ نے علامہ ابن تیمیہ کے استواء بمعنی استقرار و جلوس مراد لینے پر سخت نقد کیا تھا جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحؒ نے نقل کیا ہے۔

(۱۵۲) ایک روز بعد عصر کی مجلس میں حافظ ابن تیمیہ کا ذکر فرمایا اور بعض صحیح احادیث کو اپنے مزعومات کے خلاف ہونے کی وجہ سے گرانے پر فرمایا کہ "ابن تیمیہ یہ سمجھ گئے تھے کہ خدا کا دین ان کی اپنی سمجھ کے اعتبار سے اترا ہے، اس لئے اتنی جرارت کر گئے ہیں"۔

جامع ملفوظات بنوری عرض کرتا ہے کہ مجھے یہ بات اور وہ مجلس اب تقریباً ۱۵ سال گذرنے پر بھی ایسی یاد ہے جیسے اب اس جگہ بیٹھ کر حضرت رح سے سن رہا ہوں۔

اس پر یاد آیا کہ علامہ ذہبی رح نے بھی حافظ ابن تیمیہ رح کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ انھوں نے اپنی ناروا جرارت سے ایسی باتیں بھی کہدی ہیں کہ جن کے کہنے کی علماءِ سلف میں سے کسی نے جرارت نہیں کی تھی۔

(۱۵۳) **تقویۃ الایمان** حضرت رح نے فرمایا:- حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید رح کا رسالہ رد بدعت میں "ایضاح الحق الصریح" بہت اچھا ہے اور میں تقویۃ الایمان سے زیادہ راضی نہیں ہوں، غالباً ضرورتِ وقت کے ماتحت لکھی تھی حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب، مومن خاں شاعر (جامع عالم تھے اور اسی خاندان کے شاگرد) مولوی رشید الدین خاں صاحب (یہ بھی جامع عالم تھے اور اسی خاندان کے شاگرد تھے) پانچواں نام احقر کو یاد نہیں رہا (ارواحِ ثلاثہ صـ۶۱ میں بھی یہ قصہ ہے اور نام زیادہ ہیں) ان پانچ اشخاص کو یہ کام سپرد ہوا تھا کہ تقویۃ الایمان کے الفاظ و مضامین پر غور کریں اور بدلنے کا بھی اختیار دیا گیا تھا، ان میں سے تین کی ایک جماعت ہوگئی اور دو کی ایک جماعت ہوگئی، ایک نے کہا کہ ایسے الفاظ مناسب نہیں ہیں، دوسرے نے کہا کہ بات سچی صاف صاف کہنی چاہیئے اور بغیر تیز کلامی کے نکھار نہیں ہوتا۔ حضرت رح کے سامنے اس رسالہ کی محدثانہ نقطۂ نظر سے بھی خامیاں ضرور رہی ہوں گی۔

پھر حضرت رح نے فرمایا کہ میں اس لئے راضی نہیں ہوں کہ محض ان عبارات کی وجہ سے بہت سے جھگڑے ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ منصبِ امامت اور اصول فقہ کا رسالہ بھی

بہت اچھا لکھا ہے، اور یہی بات کہ "میں راضی نہیں ہوں اس رسالہ سے" مجھے مرحوم حضرت مولانا نانوتوی رح سے بھی پہنچی ہے، حالانکہ وہ ہالک تھے مولانا اسماعیل رح کی محبت میں اور مجھے سب سے زیادہ محبت مولانا شاہ عبدالعزیز رح صاحب اور پھر حضرت شاہ عبدالقادر رح صاحب سے ہے، اسی خاندان میں سے مذکورہ بالا قصہ مجھ کو نہایت موثق ذرائع سے پہنچا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

رائے گرامی حضرت مدنی رح (۱۵۴) آپ فرماتے تھے کہ رسالہ تقویۃ الایمان میں حذف والحاق ہوا ہے، اس لئے اس کی نسبت حضرت شہید رح کی طرف صحیح نہیں ہے، اس پر احقر نے انوار الباری میں عرض کیا تھا کہ میں اس نسبت میں اس لئے بھی متردد ہوں کہ یہ کتاب عقائد میں ہے، جن کے لئے قطعیات کی ضرورت ہے، جبکہ اس میں حدیث اطیط بھی مذکور ہے جو شاذ و منکر ہے، اگرچہ ابوداؤد کی ہے، کیونکہ امام ابوداؤد نے بقول علامہ ذہبی وغیرہ ایسی احادیث پر بھی سکوت کیا ہے جو واضح ضعیف رواۃ کی وجہ سے ظاہر الضعف والنکارۃ تھیں اور یہ حدیث نیز ثمانیۃ اوعال والی حدیث بھی نہایت منکر و شاذ ہے اگر یہ پوری تصنیف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہوتی تو وہ ایسی ضعیف حدیث سے عقائد کے لئے استدلال نہ کرتے، جس سے عقائد تو کیا احکام بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس پر مجھے حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث رح نے خط لکھا کہ تم نے ایسا کیوں لکھا جبکہ حافظ ابن القیم نے حدیث اطیط کی تصحیح کی ہے، میں نے حضرت رح کو لکھا کہ حافظ ابن القیم تو بقول علامہ ذہبی رح وغیرہ خود ضعیف فی الرجال ہیں، ان کی تصحیح کا حوالہ صحیح نہیں اس کو حضرت مولانا عبدالحی رح نے بھی نقل کیا ہے اور مثال میں زاد المعاد کی طویل حدیث خدا کے طواف فی الارض کی درج کی ہے، جس کی حافظ ابن القیم نے بڑے شد و مد سے تصحیح کی ہے جبکہ کبار محدثین نے اس کی نہایت تضعیف کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت رح نے سکوت فرمایا (۱۵۵) پھر جب بذل المجہود شرح ابی داؤد کی طباعت مصر میں شروع ہوئی تو میں نے حضرت رح کو توجہ دلائی کہ ان دونوں احادیث پر جو کلام محدثین نے کیا ہے وہ حاشیہ میں شائع کر دیا جائے۔

حضرت رح نے لکھا کہ جو حضرات طباعت کے لئے مصر گئے ہیں، وہ یہ کام نہ کر سکیں گے

اوران پر جو کلام کیا گیا ہے وہ مدرسہ کے نسخہ پر یہاں قلمی موجود ہے، اس کی نقل بھجوا رہا ہوں حضرتؒ نے اس کی نقل کرا کر مجھے رجسٹری ڈاک سے ارسال فرمادی تھی، مگر وہ میرے پاس سے ضائع ہوگئی، تو پھر محترم حضرت مولانا محمد یونس صاحب دام ظلہم کو میں نے لکھا کہ نقل دوبارہ بھیج دیں، اس پر مولانا نے ۲ فروری ۸۰ء کو خود اپنے مبارک قلم سے نقل کرکے ارسال فرمائی جس میں ابوداؤد کی حدیث اطیط اور حدیث ثمانیہ اوعال دونوں کے رجال پر کلام اور شاذ ومنکر ہونے کی تفصیل ہے۔ علامہ کوثری نے بھی کئی کتابوں میں ان پر مدلل نقد کیا ہے۔

چونکہ یہ ایک نہایت اہم حدیثی تحقیق ہے اور ان دونوں احادیث سے سلفی حضرات بھی برابر استدلال کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا بذل المجہود کے حاشیہ پر طبع ہونا نہایت اہم اور ضروری تھا مگر افسوس ہے کہ وہ طبع نہ ہو سکا۔

(۱۵۶) واضح ہو کہ حدیث اطیط مذکور کی وجہ سے سلفی حضرات نعوذ باللہ حق تعالے کے لئے دنیا کی تمام وزنی اشیاء لوہے پتھروں وغیرہ سے زیادہ ثقل مانتے ہیں، اور دارمی سنجری م ۲۸۲ھ نے اپنی کتاب النقض میں بھی اس کو نقل کیا ہے، جس میں حق تعالے کے لئے قیام اور جلوس وغیرہ بھی ثابت کیا ہے، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے موافقۃ المعقول (ہامش منہاج السنہ) میں بھی نقل کیا ہے اور علامہ ابن القیمؒ نے غزو الجیوش ص۸۸ میں اس کتاب الدارمی اور انکی ایک دوسری کتاب کے بارے میں لکھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان دونوں کتابوں کے لئے بہت ہی شدید وصیت کرتے تھے اور ان کی نہایت ہی تعظیم کیا کرتے تھے، اور یہ کہ ان دونوں کتابوں میں توحید باری کا اثبات اور اسماء وصفات خداوندی کی تقریر و توکید عقل ونقل کے ذریعہ ایسی کی گئی ہے جو دوسری کتاب میں نہیں ہے۔ (مقالات کوثری ص۳۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی اس حدیث کو صحیح وقوی مانتے تھے اور کتاب النقض کی تمام دوسری باتوں کو بھی درست سمجھتے تھے، یہ حال ہے ہمارے سلفی حضرات کے بڑے مقتداؤں کا، یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ دارمی وہ صاحب سنن مشہور دارمی نہیں ہیں

جن کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے، تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں دونوں کے تذکرے محفوظ ہیں اور کتاب النقض مذکور کا مکمل و مدلل رد "مقالات کوثری" میں مطالعہ کیا جائے۔

طلبۂ حدیث کے لئے کام کی بات یہ بھی ہے کہ بقول علامہ نوویؒ سنن ابی داؤد میں ایسی ظاہرۃ الضعف احادیث بھی ہیں جن کی حیثیت امام نے واضح نہیں کی ہے، حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق ضعیف کہا ہے اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی اسی کے قریب کہا ہے (مقالات کوثری ص ۱۶۳) یہ بات بعض بڑے اساتذۂ حدیث سے بھی مخفی رہتی ہے اور حضرت شیخ الحدیثؒ ایسے متبحر وحید علامۂ حدیث کا نقد رجال مذکور سے اعتناء نہ فرمانا بھی اوپر کے واقعہ سے واضح ہے کیونکہ مصری طباعت کے حاشیۂ بذل المجہود میں مذکورہ قلمی حاشیہ کا اندراج نہایت اہم وضروری تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو تحقیقی بات ساری دنیائے علم حدیث کو سنانی اور پہنچانی تھی، وہ صرف ایک مدرسہ کے نسخہ کے حاشیہ میں قلمی رہنے دی گئی، اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟

امام ابوداؤد کی حدیث اطیط وحدیث ثمانیۃ اوعال پر رجالی وحدیثی بحث علامہ کوثریؒ وغیرہ نے بھی خوب کردی ہے وہ بھی ضرور ملاحظہ کی جائے۔ واللہ الموفق

(۱۵۷) **حدیثی فائدہ** زیر بحث حدیث ضعیف ومنکر ابوداؤد کی ہے، جس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وجہ سے اس کا عرش بوجھل کجاوہ کی طرح چرچر بولتا ہے، دوسری حدیث ترمذی وابن ماجہ کی ہے، جس میں ہے کہ آسمانوں میں فرشتوں کے اژدحام اور بوجھ کی وجہ سے بوجھل کجاوہ کی طرح چرچرکی آواز ہوتی ہے۔ وہ حدیث صحیح ہے۔

محدثین نے بشرط صحت اطیط عرش کو عظمت خداوندی کے تحت ماؤل کیا ہے۔ حضرت حق جل مجدہ کے لئے ثقل اور بوجھ کا مطلب نہیں لیا ہے جو سلفی لیتے ہیں اور بقول حضرت شیخ الحدیثؒ علامہ ابن القیمؒ نے تو اس حدیث ضعیف ومنکر کی مستقل طور سے تصحیح بھی کردی ہے۔

(۱۵۸) نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص جلیلہ ومناقب عالیہ حضرت الاستاذ

المنظم شاہ صاحبؒ نے مختلف اوقات میں جو حضور علیہ السلام کے خصوصی مناقب و مدائح پر روشنی ڈالی ہے ان کو ہم یہاں ایک جگہ پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں، کیونکہ یہ نہایت اہم علمی باب ہے، واللہ المستعان۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے نعتیہ قصائد و آبِ حیات وغیرہ اور حضرت تھانویؒ کی نشر الطیب و مواعظ النور، الظہور، الحبور وغیرہ نہایت اہم ہیں، جن سے حضور علیہ السلام کے ساتھ عظیم رابطۂ تعلق و محبت و عظمت پیدا ہوتا ہے، جو شرعاً مطلوب و موجبِ ازدیادِ ایمان ہے۔

اوّل الخلق ۱۵۹ قولہ متی وجبت لک النبوۃ؟ کے تحت درسِ ترمذی شریف میں فرمایا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کے احکام حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے سے جاری ہو چکے تھے اور آپ اسی وقت سے نبی تھے، بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے لئے احکامِ نبوت کا اجراء ان کی بعثت کے بعد ہوا ہے۔ جیسا کہ مولانا جامیؒ نے بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام نشأۃ عنصریہ سے بھی پہلے سے نبی ہو چکے تھے۔ (العرف الشذی ص۵۴۰ ابواب المناقب)

حدیثِ ترمذی اول ما خلق اللہ القلم پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض روایات میں اول المخلوقات نور النبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی وارد ہے، جس کو علامہ محدث قسطلانی شارح بخاری نے المواہب اللدنیہ میں بہ طریقِ حاکم روایت کیا ہے اور ترجیح حدیثِ ترمذی مذکور پر حدیثِ نور ہی کو ہے (العرف الشذی ص۵۱۲)

حضرتؒ نے اپنے قصیدۂ حدوثِ عالم کو اس شعر سے شروع کیا ہے ؎

تعالی الذی کان ولم یک ماسوی

واول ما جلی العماء بمصطفیٰ

(وہ بہت ہی عظیم و برتر ذات ہے جو ازل سے ہے کہ اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اس نے سب سے پہلے عالمِ نابود کو سرورِ عالمین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ منور و روشن

فرمایا ہے) حضرت تھانویؒ نے بھی نشر الطیب کے شروع میں "نورِ محمدیؐ کا بیان لکھا اور احادیث سے اولیت نورِ محمدی کو ثابت کیا۔

(۱۶۰) **اشکال و جواب** حضرت شاہ صاحبؒ نے حدوثِ عالم کے اثبات پر بہترین دلائل قائم کئے ہیں اور عالم کو قدیم ماننے والوں پر اتمام حجت کر دی ہے، مثلاً ایک بڑا اشکال ان کا یہ تھا کہ عالم کو قدیم نہ ماننے سے حق تعالیٰ کا غیر متناہی سابق وقت میں معطل رہنا لازم آتا ہے، اس کے جواب میں حضرتؒ نے نہایت مسکت جواب دیا کہ اس وقت صفاتِ ربانیہ میں سے وحدتِ مطلقہ کا ظہور تھا، جو حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ و برتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے، عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔ (وغیرہ وغیرہ تحقیقاتِ عالیہ نادرہ)

(۱۶۱) **افضل الخلق** حضرت شاہ صاحبؒ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں، ایک نعتیہ فارسی کے کچھ اشعار پہلے نقل ہوئے ہیں، اس کے چند اشعار جو خاص طور سے آپ کے برترِ عالم و سرورِ عالم و افضل خلائق ہونے پر دلیل ہیں، بطور قندِ مکرر پیش ہیں:۔

؎ قبلۂ ارض و سما مرآتِ نورِ کبریا	سید و صدر عُلےٰ الشمس ضحیٰ، بدرِ دُجےٰ
؎ سیدِ عالم رسول و عبد رب العالمین	آں زماں بودہ نبی کا دم بُد اندر ماء و طین
؎ منبر او سدرہ و معراجِ او سبع قباب	در مقامِ قرب حق بر مقدمِ او فتح یاب
؎ کاندر آنجا نورِ حق بود و نبُد دیگر حجاب	دید و بشنید آنچہ جز وے کس نہ بشنید و ندید

دوسرے اشعار میں آپ کے لئے حسب ذیل القاب ذکر کئے ہیں:۔ امامِ انبیاء، سید مخلوق، اخیر و خیر الوریٰ، خیر الرسل، خیر العباد، انتخاب دفتر تکوین عالم، صاحب اسرار ناموس اکبر، اعلم الاولین و آخرین، تمام انبیاء سے زیادہ افضل و اکمل، جن کا مولدِ مبارک ام القریٰ تھا اور ان کے آثارِ اقدام سے مدینہ طیبہ کے راستے کی خاک لوگوں کی تمام محبوب

چیزوں سے زیادہ خوشتر و برتر قرار پائی۔

اس تفصیلی نظر سے امتِ محمدیہ کے اس اجتماعی فیصلہ کی قدر و قیمت بھی بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس بقعۂ مبارکہ میں حضور علیہ السلام مستقل طور سے استراحت فرما ہیں، وہ زمین کا حصہ زمین و آسمان کے ہر حصہ سے زیادہ افضل و اشرف ہے۔ اور کچھ لوگ جو اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسی طرح جن جن امکنۂ ارض و سماء کو بھی افضل الخلائق صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرف فرمایا ہے وہ سب بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق افضل الامکنہ قرار پاتے ہیں والحق احق بالقبول۔ لہٰذا علامہ ابن تیمیہ کا یہ زعم کہ امکنہ میں کوئی تقدس نہیں ہے کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۱۶۲) حضور علیہ السلام احب الخلق الی اللہ ہیں (مشکلات ص۲۲)

(۱۶۳) حضور علیہ السلام اکرم الخلق علے اللہ بھی ہیں (مشکلات ص۲۲)

عرشِ اعظم پر پورا کلمہ طیبہ لکھا ہونا بھی حضور علیہ السلام کے افضل الخلق واحب الخلق واکرم الخلق ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۶۴) مستغاث الخلق۔ یعنی حق تعالیٰ شانہ کے بعد سب ہی آپ کی نگہِ التفات و کرم کے محتاج و امیدوار ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اسی نعتیہ کا آخری شعر یہ ہے ؎

مستغیث است الغیاث اے سرورِ عالی مقام

در صلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

شاید اس دورِ عروجِ نجدیت میں، میں یہاں کچھ عجیب سی باتیں جمع کر رہا ہوں، مگر میرے نزدیک اظہار و اعلانِ حق میں کوئی چیز بھی مانع نہیں ہونی چاہیئے، بلکہ "نوا را تلخ ترمے زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی" اور میری افتادِ طبع بھی اسی کے متقاضی ہے۔

(۱۶۵) حضرتؒ کے افادات مسئلۂ توسل کے بارے میں بھی مشکلات القرآن میں درج ہوئے ہیں اور راقم الحروف نے بھی حضرت کی رہنمائی کے تحت تفسیر فتح العزیز سے حضرت شاہ

عبد العزیز رح کے افادات بھی نقل کر دئے تھے، ان کا مطالعہ کیا جائے، ص۱۹ وص۲۰ درج ذیل آیت "وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔ اللھم انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الخ" وآیت "فتلقی آدم من ربہ کلمات"، وقولہ تعالیٰ "لولا محمد لما خلقتک"، وص۲۲ وص۲۷۔

شفاء السقام للمحدث العلامۃ السبکی رح ص۱۶۰ تا ۱۶۴ میں بھی حدیث توسل آدم کی تصحیح ہے اور اس میں بھی حدیث "لولا محمد ما خلقت آدم ولولاھما خلقت الجنۃ والنار" کی تخریج وتصحیح ہے، نیز علامہ سبکی رح نے لکھا کہ توسل، استعانۃ، تشفع، تجوہ واستغاثہ کے الفاظ توہم مقصد ہیں، اور سب کا استعمال درست ہے۔

(۱۶۶) **حدیثِ لولاک** چونکہ مشہور عام حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، اس لئے دوسری روایات صحیحہ کی وجہ سے اس کا مضمون درست قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے بھی ص۱۱، مکتوب ۱۲۲ میں "لولاہ لما خلق اللہ الخلق ولما اظہر الربوبیۃ" والی روایت درج فرمائی ہے اور اس کے حاشیہ میں دوسری درج ذیل روایات بھی نقل ہوئی ہیں:۔ "لولاہ لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنۃ" (مسند الفردوس۔ دیلمی)، "لولاہ ما خلقتک" خطابا لآدم "ولا خلقت سماء ولا ارضا" (المواہب)، "لولا محمد ما خلقتک" (حاکم) "فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا الجنۃ ولا النار" (حاکم واقرہ السبکی)

حضرت تھانوی رح کی نشر الطیب میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کا نام عرش پر آسمان وزمین وغیرہ سے ۲۰ لاکھ سال قبل لکھا ہوا تھا، اور آپ نے ہی سب سے پہلے الست بربکم کا جواب دیا تھا اور خلق عالم سے مقصود بھی آپ ہی تھے اور حضرت مجدد رح نے لکھا کہ حق تعالیٰ کو اپنی ربوبیت کا اظہار مقصود ہوا اس لئے حضور علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

(۱۶۷) **ردِ ابن تیمیہ و افادۂ سبکی** علامہ سبکی نے ص۱۶۲ میں یہ بھی لکھا کہ علامہ ابن تیمیہ

نے جو توسلِ آدم والی حدیث کو لغو و باطل قرار دیا ہے، وہ اگر تصحیح حاکم پر مطلع ہوتے تو ایسا دعویٰ نہ کرتے اور راوی حدیث عبدالرحمٰن بن زید کے ضعف کی وجہ سے بھی حدیث کو نہیں گرا سکتے تھے کیونکہ ان کا ضعف بھی اس درجہ کا نہیں تھا کہ ان کی روایت کو باطل کہا جا سکے۔

علامہ سبکیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امرِ عظیم و جلیل "توسل" کو ممنوع قرار دینے کی جرأت کوئی مسلمان کیسے کر سکتا ہے، جبکہ شریعت و عقل اس کو کسی طرح بھی رد نہیں کر سکتیں، اور احادیثِ صحیحہ بھی اس کو صحیح و درست و مطلوب طریقہ قرار دے رہی ہیں، پھر علامہ نے توسل نوح و ابراہیم وغیرہما کی طرف بھی اشارہ کیا جن کو معتبر مفسرین نے نقل کیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا کہ حضور علیہ السلام سے توسل آپ کی بعثت سے قبل بھی رہا اور حیاتِ دنیوی میں بھی تھا اور حیاتِ برزخی میں بھی برابر رہا ہے اور رہے گا، پھر آخرت میں بصورت شفاعت اس کا ظہور ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۶۸) "حضور علیہ السلام یکتا و بے مثال تھے" حضرت شاہ صاحبؒ کے دوسرے نعتیہ میں یہ اشعار بھی ہیں ؎

معراجِ تو کرسی شدہ و سبعِ سماوات — فرشِ قدمت عرش بریں سدرہ سریری
بر فرقِ جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت — ہم صدر کبیری و ہمہ بدرِ منیری
آدم بہ صفِ محشر و ذریتِ آدم — در ظلِ لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بود مرکزِ ہر دائرہ یکتا — تا مرکزِ عالم تو ئی بے مثل و نظیری
ادراک بختم است و کمال است بخاتم — عبرت بنجواتیم کہ در دورِ اخیری
امی لقب و ماہِ عرب مرکزِ ایماں — ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
آیاتِ رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر — آیاتِ تو قرآں ہمہ دانی ہمہ گیری
آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل — حرفِ تو کشودہ کہ خبیری و بصیری
کانا دگہ جز اخواندہ آں عینِ حل ہست — بگذرز خفاف و بنگر آنچہ پذیری

اے ختم رسل امتِ تو خیرِ امم ہست
چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصلِ اخیری

ان فصیح و بلیغ نعتیہ اشعار میں کیسے کچھ علومِ عالیہ سمو دئے گئے ہیں، وہ حیران کن اور وجد افریں ہیں۔ معراجِ اعظم نبوی کی سرگذشت، روزِ محشر میں کمالاتِ نبویہ کا ظہور، ہر دو عالم میں آپ کی یکتائی و بے مثالی کا اثبات، آپ کا مرکزِ ایمانی ہونا اور صاحبِ کمالات خاتمیت آیاتِ قرآنی کے ذریعہ آپ کی ہمہ دانی و ہمہ گیری اور عقیدۂ تقدیر کا یک حرفی سہل و ممتنع حل جس سے ساری دنیا کی عقول عاجز ہیں، پھر جہاں آپ مرکزِ ایمان ہیں کہ سارے مومنین عالم کے ایمانوں کے تار آپ کے قلبِ منور و معظم سے جڑے ہوئے ہیں، آپ مرکزِ عالم بھی ہیں کہ عظیم تر ساری مخلوق بطور دائرۂ عظیمہ ہے، جس کا مرکز و محور ذاتِ گرامی صاحبِ لولاک ہے۔ حسبِ تصریح حضرت مجدد سرہندی قدس سرہٗ مشیئتِ ایزدی میں اپنی ربوبیت کا اظہار ہوا، اور دنیا کے ہزارہا عالم پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نورِ معظم کو پیدا فرمایا۔ اس لئے آپ مرکزِ وجود بھی ہیں اور سب سے پہلے آپ کے قلبِ منور کو حق تعالیٰ جل ذکرہ نے نورِ نبوت عطا فرما کر مرکزِ ایمان بھی بنایا، اور آپ مرکزِ عالم ہیں اس لئے یکتا و بے مثال و بے نظیر بھی ہوئے۔

(۱۷۰) حضرت تھانویؒ نے فرمایا "میرا مذہب یہ ہے کہ سب مسلمان بزرگ ہیں اور ولی ہیں، قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور، اس سے تمام اہلِ ایمان کی ولایتِ عامہ ثابت ہوتی ہے اور بڑا گروہ یہی ہے۔ ان کا نورِ ایمان اگر ذرہ برابر بھی متمثل ہو جائے تو چاند و سورج یکدم اس کے سامنے ماند ہو جائیں۔ الافاضات الیومیہ النور محرم ۱۳۵۰ھ)
یہ پہلے آچکا ہے کہ مومنین کا نورِ ایمان جزو ہے نورِ معظم نورِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ واللہ اعلم

(۱۷۱) براق۔ روزِ محشر میں تمام انبیاء علیہ السلام اونٹنیوں وغیرہ دواب پر سوار ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، مگر حضور علیہ السلام کی سواری اس روز بھی براق ہوگی۔

کما فی الحدیث (مشکلات ص۷۷)

(۱۷۲) اذانِ بلالؓ روزِ حشر۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت بلالؓ جنت کی ایک اونٹنی پر سوار ہو کر میدانِ حشر میں اذان پڑھیں گے، تو جب وہ "اشہدان محمدا رسول اللہ" پکاریں گے تو سارے انبیاء اور ان کی امتیں کہیں گی کہ ہم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ (مشکلات ص۷۷)

(۱۷۳) رؤیۃ باری تعالےٰ۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے افاداتِ علمیہ میں اس امر کی مکمل تحقیق کئی جگہ پیش کی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لیلۃ المعراج میں حق تعالےٰ کی عینی رؤیت حاصل ہوئی ہے۔ جو اس عالم کے سوا دوسرے عالم میں تھی۔ (مشکلات القرآن و امالی درس حدیث وغیرہ)

(۱۷۴) معرفۃ الانبیاء علیہم السلام:۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ثابت کیا کہ تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی معرفت اور آپ پر ایمان کی دولت حاصل تھی اور یہ بھی کہ حضور علیہ السلام کا قبلہ و شریعت ہی اصل قبلہ اور شریعتِ کبریٰ ہے۔ اور جو خصوصیات کعبۂ معظمہ کی ہیں وہ بیت المقدس کو حاصل نہیں ہیں۔ (مشکلات ص۷۶)

(۱۷۵) ایمان قبل الظہور:۔ حضور علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ بجز آپ کے اور کسی نبی پر اس کی بعثت و ظہور سے پہلے ایمان نہیں لایا گیا۔ (مشکلات ص۷۶)

(۱۷۶) خصائص و فضائلِ امت محمدیہ:۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے احادیث کی روشنی میں ان فضائل و خصائص کا بھی ذکر کیا جو صرف امت محمدیہ کو حضور علیہ السلام کے صدقہ میں حاصل ہوئے۔ (مشکلات ص۷۷ تا ص۸۱)

(۱۷۷) چوبیس ہزار بار نزولِ وحی:۔ اکابر محدثین نے یہ عظیم تعداد حضور علیہ السلام کے لئے نقل کی ہے، جبکہ دوسرے انبیاء کے لئے بہت کم تعداد نقل کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۷۸) دیدارِ خداوندی:۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کو شبِ معراج میں کلام بلا واسطہ اور دیدارِ خداوندی دونوں عظیم تر نعمتیں حاصل ہوئی ہیں اس بحث کو مکمل طور سے ہم انوار الباری جلد نہم میں مع اقوال اکابر امت درج کر چکے ہیں، حضرت تھانوی رحؒ نے نشر الطیب میں توقف اختیار کیا اور سیرۃ کبریٰ و سیرۃ المصطفےٰ جلد اول و سیرۃ النبی حصہ سوم بھی قابلِ مطالعہ ہے اس کے بعد منکشف ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کتنی بلند پایہ ہے، قدس سرہ العزیز۔

ایسے اہم مباحث میں جہاں بڑے بڑوں سے بھی مسامحات ہو گئی ہیں، حضرتؒ کی تحقیقاتِ عالیہ پڑھنے کے لائق ہیں

راقم آثم کا تاثر یہ بھی ہے کہ حدیثِ قدسی کنت کنزا مخفیا میں جو مقصدِ تخلیقِ عالم اپنی معرفت کا حصول تبلایا گیا اور آیتِ قرآنی وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں اپنی عبادت کا مقصود ہونا تبلایا گیا، وہ بھی ظاہر ہے کہ معرفت خداوندی ہی پر موقوف ہے، بلا معرفتِ ذات وصفات کے معبود حقیقی کا صحیح تعین نہیں ہو سکتا، اسی لئے اعمالِ تعبدی کی صحت عقائد صحیحہ پر موقوف ہے، اور علماء کے نزدیک فرق باطلہ مشبہہ و مجسمہ وغیرہم سب عابدینِ اوثان واصنام کے درجہ میں رکھے گئے ہیں۔

شاید اسی لئے شبِ معراج میں حضور علیہ السلام کو رؤیت عینی اور کلام بلا واسطہ کے ذریعہ وہ عین الیقین کا مرتبہ بھی حاصل کرا دیا گیا جو پہلے سے وحی خداوندی بالواسطہ اور رؤیتِ قلبی کے ذریعہ آپ کو بطور حق الیقین حاصل ہو چکا تھا۔

(نوٹ) اس حدیثِ قدسی کی تخریج اور توثیق محدثانہ طور پر ابھی تک نظر سے نہیں گذری، تلاش جاری ہے۔ والامر الی اللہ۔

(۱۶۹)
حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی افادات | مشکلات القرآن میں سورۂ نجم کی تفسیر ص۲۴۲ سے ص۲۵۷ تک بے مثال نوادرِ علمیہ کا مجموعہ ہے، پھر ص۲۶۲ پر قصیدۂ معراجیہ کے ۲۸۔ اشعار حرزِ جاں بنانے کے لائق ہیں جن میں فرمایا کہ بجثنا الخ ہم نے پوری بحث و

تمحیص کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ شبِ معراج میں حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے رؤیتِ عینی ثابت شدہ ہے، کما اشارہ الخ اور اسی کو حبر امت ابن عم اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے اور امام احمدؒ نے بھی اسی تحقیق کی توثیق کی ہے۔ نعم رؤیۃ الرب الخ بیشک نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے رؤیتِ عینی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ جس کو دنیا کے لوگ خواب ہی جیسی چیز خیال کر سکتے ہیں۔ یعنی اتنی بڑی بات ان کے ادراک سے وراء الوراء ہے۔

(نوٹ) انوار الباری جلد نہم میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور حافظ ابن حجر و علامہ مفسر ابن کثیرؒ کے تسامحات کا بھی رد و افر کیا گیا ہے۔

(۱۸۰) دار الکفر کے ساکن مسلمانوں کی امداد حضرتؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو حکم آیت وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم میں بیان ہوا ہے وہ دینی جہاد کے معاملات سے متعلق ہے کہ اگر دار الکفر کے ساکن مسلمان کسی دینی جہاد میں دار الاسلام کے ساکن مسلمانوں سے امداد طلب کریں تو ان پر امداد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے کوئی نا جنگ معاہدہ دار الاسلام والوں سے ان مقاتلین کفار کا ہو تو اس کے قائم رہتے ہوئے وہ مسلمانان دار الکفر کی امداد نہیں کر سکتے، یعنی اس معاہدہ کو ختم کر کے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس حکم کا تعلق ظلم کی صورت سے نہیں ہے۔ یعنی اگر مسلمانانِ دار الکفر مظلوم ہوں تو ان کی امداد دار الاسلام کے مسلمانوں پر بہر صورت فرض و واجب ہے اور کوئی معاہدہ اس میں حارج نہ ہوگا، کیونکہ ہر مظلوم انسان کی امداد بہر حال ضروری و فرض ہے حتی کہ اگر دار الاسلام کے اندر بھی کچھ مسلمان دوسرے مسلمانوں پر ظلم کریں تو ان کو بھی ظلم سے چھڑانا تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ حضرتؒ نے اس کے لئے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ بھی ۳۳/۴ و ۳۴۱/۴ پیش کیا ہے۔ گویا "فی الدین" کی صراحت کی وجہ سے صرف قتالِ دینی ہی مراد لینا چاہیئے، اور ظلم اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ تفسیر کے بارے میں نہایت محتاط تھے اور کوئی بات

بھی اکابر مفسرین یا جمہور سلف و خلف کی رائے کے خلاف پسند و اختیار نہیں فرماتے تھے آپ کی تالیف لطیف مشکلات القرآن اور فوائد علامہ عثمانی میں آپ کے افادات اس پر شاہد عدل ہیں۔

(۱۸۱) حضرتؒ سے ہی یہ بھی نقل ہوا کہ اب تک دو لاکھ کتب تفاسیر لکھی جا چکی ہیں، پھر ان میں سے کتنی ایسی ہیں کہ ان کی صحت کلی پر بھروسہ کیا جا سکے، اس کا فیصلہ نہایت ہی دشوار ہے، قرآن مجید کے سوا کسی کتاب کو بھی اغلاط اور تسامحات سے منزہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ محدثین کی تحقیقات میں وزن سب سے زیادہ ہے، اسی لئے تفسیر ابن کثیر کو بڑا درجہ دیتے ہیں، مگر ان سے بھی متعدد مقامات میں تسامح ہو گیا ہے۔ جس کی نشان دہی بھی علامہ کوثریؒ وغیرہ نے کی ہے۔

(۱۸۲) تاہم یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ اس ایک صدی کے اندر جو کتب تفاسیر شائع ہوئیں، وہ بڑی حد تک غیر معیاری ہیں، تفسیر المنار مصری ہو یا سر سید کی تفسیر ہندی عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر ہو یا مولانا آزاد کی ترجمان القرآن، مولانا عبید اللہ سندھی کی جدید تفسیر ہو یا مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا فراہی کی تفسیر ہو یا مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن، وغیرہ ان سب میں عمدہ تفسیری مواد کے ساتھ آزادیٔ رائے اور تفردات کے نمونے بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

ان سب میں سے تفہیم القرآن قابل ترجیح ہے اور جن جن مقامات میں تفاسیر جمہور کے مطابق انھوں نے تشریحات و تقریرات کی ہیں وہ قابل قدر ہیں، لیکن جن جن مقامات پر وہ جمہور مفسرین اور اکابر امت سے الگ ہو کر اپنے تفردات رقم کر گئے ہیں وہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں ہو سکتے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ہم نے انوار الباری میں کئی مواضع پر نقد کیا تھا۔ مزید نقد انوار الباری سے فارغ ہو کر ہو سکے گا، ان شاء اللہ۔ ہم نے تفہیم کی ۶ جلدوں میں ایک سو مخدوش مقامات

نشانات لگائے ہیں۔

ہمارے نزدیک تفسیر بالرائے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاً دوسری آیات اور پھر احادیث و آثارِ صحابہ و تابعین کی روشنی میں آیاتِ قرآنی کا حل پیش کیا جائے، اور دوسرے قرائن و واقعات کو ثانوی درجہ میں رکھا جائے، جن لوگوں نے اس کے برعکس طریقہ اپنایا ہے وہ تفسیر بالرائے کی غلطی سے نہیں بچ سکے ہیں۔ اسی لئے آخری دور میں محدث حضرت تھانویؒ، علامہ عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بعد کسی اردو تفسیر پر بھی مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

رسالہ برہان ماہ جون و جولائی ۱۹۷۸ء کے دو شماروں میں محترم جناب مولانا محمد رضی الاسلام صاحب ندوی دام فضلہم کا مضمون بابتہ تفسیر علامہ فراہیؒ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اس دور میں بھی احقاقِ حق کا حق ادا کرنے والے موجود ہیں۔ جس طرح نظریۂ ارتقاء کے بارے میں محترم جناب مولانا محمد شہاب الدین صاحب ندوی دام فضلہم کا مضمون برہان کے مئی و جون ۱۹۷۸ء میں شائع شدہ بھی نہایت اہم، ضروری اور معلومات عامہ و خاصہ کا حامل ہے اور خاص طور سے انھوں نے جو نقد علماءِ مصر شیخ محمد عبدہ وغیرہ اور سرسید و علامہ شبلی اور مولانا آزاد و حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی روش پر کیا ہے وہ نہایت اہم ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء و کثر امثالہ۔

ہمارے علماءِ دیوبند میں سے مولانا عبید اللہ سندیؒ کی تفسیر میں بھی بہ کثرت تفردات ہیں اور جس زمانہ میں وہ باہر سے آکر دہلی میں مقیم تھے اور بعض فضلائے دیوبند نے بھی ان کے تفردات کی تائید کر دی تھی تو محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے راقم الحروف کو لکھا تھا۔ "بڑے درد کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ دیوبند کدھر جا رہا ہے؟" یعنی جس جماعت کا طرۂ امتیاز احقاقِ حق تھا، اس کے افراد ایسی مداہنت کا شکار کیوں ہوئے؟

(۱۸۳) **دورِ حاضر کے مفسرین** افسوس کہ قریبی دور کی متعدد تفاسیر اردو میں ایسی شائع

شدہ ہیں جن کے مصنف قاعدے سے پورے عالم بھی نہیں ہیں جبکہ "کلام الملوک ملوک الکلام" کے قاعدے سے سارے بادشاہوں کے بادشاہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے اور سمجھانے کے لئے ضرورت ہے کہ مفسر قرآن مجید کو جامع معقول و منقول بحر العلوم ہونا چاہیئے، جیسا کہ ہمارے دور میں حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، حضرت علامہ عثمانی وغیرہ تھے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے حل مشکلات القرآن کے لئے جو طریقہ اور نمونہ پیش فرمایا وہ بھی اہل علم و مفسرین کے لئے بہترین لائحۂ عمل ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(۱۸۱) **حدوث عالم** فرمایا تمام عالم حادث و مخلوق ہے، وہ نہ جنس و مادہ کے لحاظ سے قدیم ہے اور نہ وہ قدیم بالنوع ہے۔ اسی لئے عرش کو جن لوگوں نے قدیم کہا، وہ بھی غلط ہے، ترمذی شریف میں عرش کو مخلوق کہا گیا ہے، تو پھر اس کو قدیم کیسے کہا جا سکتا ہے؟ (ابن ماجہ اور مسند امام احمد کا حوالہ بھی صفحہ ۱۷۹ المعجم المفہرس میں ہے)

جس حدیث کی طرف حضرتؒ نے اشارہ فرمایا وہ کتاب التفسیر کی سورۂ ہود کی پہلی حدیث ابو رزین والی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عرش کو پانی پر پیدا کیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عرش کی تخلیق پانی کے بعد ہوئی ہے، علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم چونکہ استواء کو بمعنی استقرار و جلوس لیتے ہیں اس لئے ان کا عقیدہ ہے کہ عرش قدیم بالنوع ہے اور ازل سے ہی کوئی نہ کوئی عرش رہا ہے جس پر حق تعالےٰ کا جلوس و استقرار رہا ہے۔ علامہ ابن قیم نے ان اشعار کو نقل کیا ہے جن میں ہے کہ نہ خدا کے عرش پر جلوس کا انکار کرو اور نہ اس کا انکار کرو کہ خدا اپنے عرش پر اپنے ساتھ قیامت کے دن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بٹھائیگا۔ اور اپنے قصیدۂ نونیہ میں ان لوگوں پر شدید ترین طعن کیا ہے جو خدا کو عرش پر متمکن و جالس نہیں مانتے، اور کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنھوں نے عرش کو خدا سے خالی یا الگ خیال کیا ہے لیکن زاد المعاد میں جو علامہ ابن القیم نے خدا کے طواف فی الارض کی طویل حدیث ذکر کر کے اس کی نہایت توثیق بھی کی ہے، تو کیا اس وقت بھی خدا اپنے عرش سے الگ نہیں ہوگا؟

سلفی جواب دیں، یہی بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ "حوادث لا اول لہا" کے بھی قائل ہیں، جس پر حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اکابر علماء نے سخت نکیر کی ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے دیوبند کے زمانہ درس میں بھی فرمایا تھا کہ علامہ ابن تیمیہؒ بہت بڑے عالم و متبحر ہیں مگر وہ استقرار و جلوسِ خداوندی کا عقیدہ لے کر آئیں گے تو ان کو یہاں دار الحدیث میں داخل نہ ہونے دوں گا۔

یہاں یہ ذکر ضمناً آگیا، ورنہ حدوثِ عالم اور خدا کے خالق و قدیم ہونے کا مسئلہ نہایت ہی محقق و اہم علمی مبحث ہے، علماءِ اسلام نے ہمیشہ عقلی و نقلی دلائل قائم کئے ہیں۔ کیونکہ مادیین اور دہریوں کے نزدیک یہ عالم بغیر کسی خالق و رب قدیم کے خود بخود ہی موجود ہو گیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ایک مادۂ مطلقہ موجود تھا اور پھر تحرک سے اس میں حرارت پیدا ہوئی اور شمس وغیرہ بن گئے، اس کے بعد نباتات، پھر حیوانات بنے اور بندر سے ترقی کر کے انسان بن گئے۔ ڈارون کا فلسفہ و نظریہ خاص طور سے اس سلسلہ میں مشہور ہوا جو صانعِ عالم کا قائل نہیں تھا۔ (حضرت تھانویؒ نے بھی اشرف الجواب حصہ چہارم میں اس نظریہ کا رد کیا ہے)

حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ نے حدوثِ عالم اور وجودِ صانع پر دلائل ذکر کئے ہیں اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے حدوثِ عالم پر کئی سو اشعار میں دلائل جمع کئے ہیں، پھر نثر میں بھی "مرقاۃ الطارم" کے نام سے نہایت محققانہ رسالہ عربی میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس اہم ترین عقیدہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ سے کامل و مکمل استفادہ کیا ہے اور حضرتؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ کو جتنی زیادہ کوشش سے ڈاکٹر اقبال نے مجھ سے سمجھ لیا ہے اتنی میرے حدیث کے تلامذہ نے بھی کوشش نہیں کی ہے

رسالۂ برہان ماہ مئی و جون ۸۳ء میں محترم مولانا محمد شہاب الدین ندوی کا مضمون بابتہ نظریۂ ارتقاء پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ محترم نے بڑا ہی اہم افادی مضمون لکھا ہے۔ اور ان کے مفصل مضمون قرآن حکیم و نظریۂ ارتقاء کو بھی پڑھنے کا اشتیاق ہوا۔

اس مضمون کو پڑھ کر علماءِ مصر محمد عبدہ وغیرہ اور ہندوستان کے علماء مولانا آزاد حضرت سید صاحب، علامہ شبلی اور سرسید و ڈاکٹر اقبال کی مسامحات پر مطلع ہو کر بڑا افسوس ہوا اور حیرت بھی، غالباً ڈاکٹر اقبال کی غلط فہمی تو حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ سے پہلے کی ہوگی، واللہ تعالےٰ اعلم۔

یہاں ایک تو "حدوثِ عالم" کے اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلانی تھی اور یہ دکھلانا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح میں بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

دوسرے اپنی اس مسرت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ ہمارے محترم علماءِ ندوہ نے احقاقِ حق کے لئے بہت ہی مبارک علمی قدم اٹھایا ہے جزاہم اللہ خیرا وکثر اللہ امثالہم

(۱۸۵) نظریۂ ارتقاء پر شہاب الدین صاحب کے مقالہ کا ذکر تو ابھی ہوا اور برہان کے دونوں شماروں میں آپ کے بلند پایہ ریمارکس قابلِ مطالعہ ہیں، آپ نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ ڈاروِن کا نظریہ خود یورپ کے دانش مندوں میں بھی لائقِ پذیرائی نہیں ہوا تھا اور اب تو محققین و اہلِ بصیرت اس مفروضہ سے اپنی بیزاری کا بھی اظہار کر رہے ہیں، لہٰذا اس کو جن علماءِ اسلام نے ایک متفق علیہ مسئلہ یا ثابت شدہ حقیقت خیال کر لیا تھا، ان سے بڑی لغزش اور بے احتیاطی ہو گئی تھی آپ نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ اس بے بنیاد نظریہ کو محض مادہ پرست ہی مذہب کی ضد میں، اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ورنہ اس میں اب کوئی جان باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں محققین کے اعتراضات کا ایک دفتر سامنے آچکا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا فراہیؒ کی تفسیر پر جو نہایت عمدہ تنقید محترم مولانا محمد رضی الاسلام صاحب ندوی کی طرف سے برہان ماہ جون و جولائی ۸۳ء میں شائع ہوئی ہے وہ بھی نہایت

قابلِ قدر ہے۔

امید ہے ایسے تحقیقی مقالات رسالہ "معارف" میں بھی شائع کئے جائیں گے۔

(۱۸۶) **حق العبد** مولوی حسن شاہ صاحب تلمیذ دورۂ حدیث نے دریافت کیا کہ ایک شخص پر کسی کا مالی حق ہے اور صاحبِ حق زندہ ہے اور یہ شخص اس قدر مال صدقہ کر سکتا ہے تو حق ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک صاحبِ حق یا اس کا کوئی وارث زندہ ہے اسی کو دینا ضروری ہے اور گو فقہاء نے نہیں لکھا مگر میرے نزدیک صدقہ بھی کردیگا، تو تخفیف ضرور ہو جائے گی۔

یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی طرح سے وہ مال اس کے گھر پہنچا دے، تب بھی اس کا حق ادا ہو جائے گا۔

(۱۸۷) **حلف مع الحنث** فرمایا اگر چند حلف مع الحنث جمع ہو جائیں تو ایک ہی مجلس کے ہوں تو ایک کفارہ کافی ہوگا، ورنہ نہیں۔ اور شامی نے جو ایک کا کافی ہونا لکھا ہے، تو دوسری جگہ تفصیل کے موقع پر وہی لکھا ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔

(۱۸۸) **مسائل کی ترجیح ذریعہ احادیث صحیحہ** فرمایا: میری عادت ہے کہ اولاً وہ قول لیتا ہوں جس کی تائید احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ قول لیتا ہوں جو امام طحاویؒ کا مختار ہو اور امام طحاوی کو کرخی پر ترجیح دیتا ہوں، اگرچہ امام طحاوی مصر میں اور کرخی بغداد میں رہے ہیں، لیکن حدیث کا علم طحاوی کا بڑھا ہوا ہے مع تفقہ صحیح کے۔

(۱۸۹) **فقہاء کے مراتب** فرمایا کہ فقہاء میں سے شمس الائمہ حلوانی کو شمس الائمہ سرخسی پر ترجیح دیتا ہوں، کیونکہ حلوانی مسئلہ مختلف بین الائمہ میں نہایت صحیح قول اختیار کرتے ہیں، پس میں بھی ان ہی کے مختار کو لیتا ہوں۔ اس کے بعد شامی، صاحب ہدایہ، صاحب بدائع و فتاویٰ قاضی خاں اور صدر الائمہ و فخر الائمہ وغیرہ سب برابر ہیں۔

(۱۹۰) **تقلید شخصی ضروری ہے** فرمایا، علامہ شامی نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی شخص تلفیق تو نہیں کرسکتا کہ کسی جزو پر کسی کے مذہب پر اور کسی جزو میں کسی کے مذہب پر عمل کرے البتہ یہ کرسکتا ہے (جو دلائل کو نہ سمجھتا ہو اور علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتا ہو) کہ کسی وقت کی نماز کسی کے مذہب پر پڑھ لے اور کسی وقت کی کسی کے مذہب پر پڑھ لے (حضرت نے شامی جلد اول سے عبارت پڑھ کر سنائی) پھر فرمایا کہ اسی قسم کا مضمون بحر الرائق کے باب قضاء الفوائت اور شیخ ابن ہمام کی تحریر کے آخر میں بھی ہے، حالانکہ یہ غلط محض ہے۔

(۱۹۱) **علامہ ابن تیمیہ کا تشدد** وہ بھی اپنے زورِ بیان سے یہی ثابت کیا کرتے ہیں کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں تقلید درست نہیں ہے، نیز کہا جاتا ہے کہ صحابہ و تابعین کے وقت میں تقلید کہاں تھی؟!

میں کہتا ہوں کہ صحابہ کے وقت میں بھی تقلید تھی، کیونکہ جو جس کا شاگرد ہوتا تھا تمام باتوں میں اُسی کی تحقیقات پر عمل کرتا تھا اور جہاں کہیں اختلاف زیادہ ہوا تو مرتبہ کے اعتبار سے بھی فیصلہ ہوتا تھا۔ مثلاً خلفائے راشدین کے فرمان پر عمل کرتے تھے۔

غرض اُس وقت دسیوں، بیسیوں مجتہد تھے اور ہر ایک کی علیحدہ تقلید ہوتی تھی، باقی یہ نہ تھا کہ کسی وقت کسی کے قول پر عمل ہوتا اور دوسرے وقت دوسرے کے۔

البتہ یہ ضرور تھا کہ مثلاً مسِ ذکر کو ناقضِ وضو سمجھا، لیکن کسی وقت نماز پڑھ لی، بغیر اس کے مقتضیٰ پر عمل کئے ہوئے کہ تحقیقات اپنی رکھتے تھے، مگر ساتھ ہی نصوصِ احادیث کا بھی پاس رکھتے تھے اور صرف مجتہد فیہ غیر منصوص مسائل میں ایک دوسرے کی تقلید ہی تھی۔ پھر میں کہتا ہوں کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید کا ترک اس امر کو مستلزم ہے کہ دین میں تناقض لازم آجائے اور یہ بعض جگہ تو صریح ہوگا مثلاً جبکہ ہر مجتہد کے اصول علیحدہ علیحدہ ہیں اور ایک تو ایک چیز کو حرام کہتا ہے، دوسرا اس کو فرض و واجب۔ ایک حلال کہتا ہے۔ دوسرا حرام وغیرہ۔

پس تارکِ تقلید صریح تناقض میں پڑ جائے گا، حالانکہ دین میں تناقض قطعاً نہیں ہو سکتا اور صحیح دراصل ایک ہی چیز ہوگی، پھر بعض جگہ ظاہری تناقض تو نہ ہوگا، لیکن اندرونی طور پر موجود ہوگا، مثلاً مفقود کا مسئلہ کہ اس میں امام مالک کے مذہب پر فتوے دیتے ہیں اور بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے صرف ایک جزئی چھوڑی ہے حالانکہ اصولاً صریح تناقض نکلے گا" کیونکہ ہمارے امام صاحب کا اصول ہے کہ اکثر مدت حمل دو سال ہے اور تفریق بغیر طلاق کے نہیں ہو سکتی، دوسری طرف امام مالک کا اصول یہ ہے کہ اکثر مدت حمل چار سال ہیں اور بوقت اعسارِ زوج قاضی کو تفریق کا حق حاصل ہے۔ جو حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ہے۔ اِن کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں سب معسر (تنگدست) ہی تھے، پھر کوئی بھی جزئی ایسی نہیں ہے جہاں تفریق کرائی گئی ہو الا سعید بن مسیب کا واقعہ کہ وہ شواذ سے ہے، جس سے لاکھوں کے ہوتے ہوئے جو چیز نہ ہوئی، ثابت نہیں ہو سکتی۔

پس مالکیہ کا مسئلہ لے کر صریح تناقض باعتبار اصول ہو جاتا ہے کہ اسی پر مسئلہ مفقود کا اختلاف ہے۔ (مالکیہ چار سال کے بعد مفقود کی صورت میں اعسار کے باعث تفریق کا جواز کرتے ہیں، جو باصول حنفیہ قطعاً ناجائز ہے، کما لا یخفی۔) اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں اندرونی و بیرونی کوئی تناقض نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اول تو ہمیں سارے اصول مذاہب کے نہیں پہنچے، پھر کیسے کہیں کہ باہم متناقض ہیں یا نہیں، دوسرے جزوی اختلافات خود بتلاتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں کسی اصول میں اختلاف ضرور ہوگا اور تناقض۔

غرض یہ کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید ضروری ہے، ورنہ دین صریح تناقض میں آجائے گا اور عمل خواہشات کے موافق رہ جائے گا، جیسے غیر مقلد کرتے ہیں۔

(۱۹۲) مولوی ریاست خاں صاحب نے کہا کہ پھر دوسرے مذاہب پر جو فتوے دیتے ہیں وہ درست نہ ہوں گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ میرا ان پر بھی یہی اعتراض ہے۔ دوسرے یہ کہ ضرورت پر مبنی ہیں اور ضرورت کا باب دوسرا ہے۔ میرا

مقصد شامی وغیرہ کی غلطی ظاہر کرنا ہے کہ انھوں نے خواہشات پر رکھدیا ہے، پس یہ سوال مذکور بحث میں قلتِ تدبر کے باعث ہے۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ صورت دنیوی امور میں بھی پیش آتی ہے کہ جب دوسرے لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہے تو کہدیا کرتے ہیں کہ اچھا بھائی! جس طرح تمھاری رائے ہو کرو یعنی ضرورت کے وقت دوسرے کی رائے پر عمل کرتے ہیں باوجودیکہ وہ خلافِ رائے ہوتا ہے۔

(۱۹۲) **مسجدِ نبوی کا احترام اور دوسرے امکنہ کا تقدس و تبرک** حضرتؒ نے فرمایا کہ یوں تو تمام مساجد کا عام طور سے یہ احترام ہے کہ وہاں شور و غل یا بلند آواز کرنا، لڑنا جھگڑنا ممنوع ہے، مگر مسجدِ نبوی کا احترام اور بھی زیادہ ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے امیر المومنین ابوجعفر کو مسجد نبوی میں بلند آواز کرکے بات کرنے پر ٹوک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ قرآن مجید میں ادب سکھایا گیا ہے کہ اپنی آواز نبی کریم کے روبرو اونچی نہ کرو، اس سے ڈر ہے کہ تمھارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، (حجرات) اس کے ساتھ امام مالکؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی عظمت و احترام وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسی زندگی میں تھی، پوری روایت سندوں کے ساتھ انوار الباری ص ۱۲۹/۱۱ میں شفاء السقام ص ۶۹ وغیرہ سے نقل کی گئی ہے اور جن لوگوں نے اس روایت کو گرانے کی سعی کی ہے، اس کا رد بھی پوری طرح کردیا گیا ہے۔

(۱۹۳) ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی چند کتابیں دیکھی ہیں، وہ بے محل آیات تلاوت کردیتے ہیں، جس طرح آج کل کے غیر مقلدین بھی بہت سی آیات کو عدمِ تقلید پر اتارا کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک مسجد نبوی کا کوئی احترام حضور علیہ السلام کی وجہ سے نہیں ہے اور بعض نجدیوں سے یہ بھی سُنا کہ یہاں کیا رکھا ہوا ہے؟ اور ان کے بعض متبوعین سے

یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مسجد نبوی میں ہاون دستہ بہت زور زور سے کوٹا ہے، واللہ اعلم راقم الحروف کے نزدیک اختلاف کی بڑی جڑ امکنہ کے تقدس سے انکار ہے، اگر اس بارے میں علماءِ سعودیہ دوسرے علماءِ اسلام کے ساتھ بیٹھ کر تحقیق کر کے اتفاقی نقاط طے کر لیں تو بڑی اہم علمی خدمت انجام پا سکتی ہے، جس طرح علماء سعودیہ نے طلاق ثلاث میں جمہور کی رائے مان لی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء

ایک (۱۹۵) اہم سوال کوئی ان سے پوچھے کہ اگر وہاں کچھ نہیں رکھا تو حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کے قدموں میں دفن ہونے کی تمنا کیوں کی تھی اور بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ان کے نقل ہوئے ہیں کہ میرے لئے اس مقصد سے زیادہ کوئی بھی چیز اہم و اعظم نہیں ہے۔ اور اگر واقعی امکنہ میں کوئی تقدس نہیں ہے تو حضور علیہ السلام نے شب معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے فرمانے پر بیت اللحم (جاء ولادت حضرت سیدنا عیسیٰ السلام) میں براق سے اتر کر دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی؟

یہ حدیث نسائی شریف کی ہے جس کا انکار ان کے بڑے علامہ ابن قیم رح بھی نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ جس طرح اعیان سعودیہ اکابر حجاجِ عالم کی پذیرائی کر کے اُن کو غلافِ کعبہ کا تبرک بھی عطا کرتے ہیں، اسی طرح سارے حجاجِ عالم اسلام کو کھلے دل سے قائل ہو کر حرمین شریفین کے سارے امکنہ مقدسہ متبرکہ کی حفاظت و زیارت سے بھی مطمئن و مسرور کیا کریں۔ کیونکہ امام نسائی کی روایت کردہ حدیثِ صحیح اور حضرت عمرؓ کے ارشادِ مذکور بخاری اور امام مالکؒ کی رائے مبارک کے مقابلہ میں بعد کے کسی بھی بڑے کی بات بالا نہیں ہو سکتی، امید ہے سلفی نجدی بھائی اس قبولِ حق کی فرصت کو غنیمت سمجھیں گے۔

وقتِ درسِ بخاری شریف ص ۵۹۸/۱۶ ۵۱۹۶۱ حضرت رح نے یہ بھی فرمایا کہ ابنِ سعود وغیرہ اپنے بعض متبوعین کے اتباع میں حنفیت کے سخت مخالف ہیں، جس کے لئے میں مشہور شعر

اذا کان الغراب دلیل قوم الخ پڑھا کرتا ہوں، اسی لئے انھوں نے تبرکات کو ڈھا دیا ہے
(۱۹۷) اور ان کا بڑا استدلال حضرت عمرؓ کے قطع شجرہ سے ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ وہ درخت متعین ہی نہ رہا تھا اور روایت ہے کہ دو صحابی بھی اس پر متفق نہیں رہے تھے اور جب غلط تعظیم ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا تھا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی بھی یہی رائے تھی یعنی تبرک ہونے سے انکار نہیں فرمایا اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ متبرک ہی ہوتا مگر متعین نہ رہا تھا۔

(۱۹۸) **جماعت ثانیہ** منیہ میں مسئلہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں جماعت کرے تو بلا کراہت ادا ہو گئی، یہ مسئلہ کہیں اور نہیں ہے البتہ عام کتب میں اتنا ہے کہ مسجد میں جماعت نہ ملے تو گھر جا کر جماعت کر کے پڑھ لے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ اگر صحابہ کی نماز جماعت سے رہ جاتی تھی تو وہ الگ الگ پڑھ لیتے تھے اور مسجد میں جماعت ثانیہ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ کا رسالہ دیکھو۔

اگر جگہ چھوڑ کر جماعت کرے تو امام ابو یوسفؒ سے (کبیری شرح منیہ میں ہے کہ) جائز بلا کراہت ہے، امام شافعیؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں اور جماعت ثانیہ کو ہٹانا ہی چاہتے ہیں۔ امام احمدؒ اجازت دیتے ہیں۔

حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) نے ایک بار جب میں کشمیر جانے کے لئے ملاقات کو گیا تو فرمایا کہ جماعت ثانیہ کرے تو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یعنی باوجود کراہت کے وہ ثواب ۲۵ یا ۲۷ کا بھی ملے گا یا نہیں؟ اس سے میں سمجھا کہ وہ ثواب کے قائل تھے اور میرا بھی یہی خیال ہے، اور اس میں استبعاد بھی نہیں ہے، کیونکہ جماعت اولیٰ میں بھی تو مکروہات صلوٰۃ ہو جاتے ہیں۔ تو کیا ثواب نہ ملے گا؟ نیز فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت غیر مشہور ہے۔ دوسرے وہ اس پر مبنی ہے کہ چند آدمی کسی معقول عذر کی وجہ سے جماعت سے رہ جائیں

پس احوط یہی ہے کہ مسجد سے علیحدہ جماعت کرلی جائے۔ باقی اثر حضرت انس رضؓ کا معارضہ مصنف ابن ابی شیبہ سے کریں گے۔

یہ بھی ہے کہ حضرت انس رضؓ نے جماعت اذان واقامت کے ساتھ کرائی تو وہ دوسرے محلہ کے تھے اور یہ صورت مسجد سوق میں داخل ہے، جہاں امام و مقتدی متعین نہ ہوں جیسے اسٹیشن وغیرہ کی مسجدیں، پس دوسرے محلہ والوں کو بھی جائز تھا اور کراہت کا مسئلہ اُسی محلہ والوں کے لئے ہے۔

ہیثمی سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انس رضؓ کی نماز فوت ہوگئی تھی، پھر مسجد بنی زریق میں جاکر پڑھی، حالانکہ فائتہ کے لئے اذان واقامت ہے ہی نہیں، میرے نزدیک یہ صواب نہیں ہے، بلکہ وقت پر ہی پڑھی تھی۔

(۱۹۹) **کوفہ میں صحابہ کی تعداد** فرمایا:- ابو بشر دولابی نے تعداد ایک ہزار پچاس لکھی ہے، مگر میرے نزدیک یہ کم لکھی ہے، کیونکہ سارے عساکر حضرت عمر رضؓ کے وہیں رہتے تھے، اور وہیں چھاؤنی تھی، پس ہزاراں ہزار صحابی اترے ہوں گے اور حضرت عمر رضؓ نے تعلیم دین کے لئے حضرت ابن مسعود رضؓ کو وہاں بھیجا تھا۔ پھر انھوں نے ترک رفع یدین کیا تو کسی نے نکیر نہیں کی۔

(۲۰۰) **دعا بعد الاذان میں وسیلہ کیا ہے؟** فرمایا:- جنت میں ایک منزلہ ہے، جو سواء ایک شخص کے اور کسی کو نہ دیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ مجھے امید ہے وہ مجھ کو عطا ہوگا، اسی لئے امت کی طرف سے دعا ہوتی ہے اور یہ دعا آپ کی رفعت کا سوال نہیں ہے، بلکہ یہ تمثال ہے اُن تعلقات و وُصلات کی جو امت کو نبی کریم صلے اللہ سے ہیں، اور نبی کریم کو خدا سے ہیں، پس اس قول سے اپنے وُصلہ کو مستحکم کرنا ہے جو قیامت میں ممثل ہوگا۔

یہ بھی حدیث میں دیکھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے منزلہ کے پاس اس کا تانا ہوگا

اور طوبیٰ کے پاس سے درمیان سے شروع ہوگا اور اس کی ایک ایک شاخ ہر ایک امتی کے گھر میں ہوگی نیز اس میں ہے کہ اس کا نام وسیلہ ہے، پس اپنی ہی شاخ کی خیر منائی جا رہی ہے اس دعا سے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے اس کو پورا نہیں سمجھا، حالانکہ ان کے یہاں معانی کے مصور ہونے کا مسئلہ ہی رات دن کا موضوع رہا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت رح کی اس تحقیق کی مناسبت سے حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رح کا مشہور ملفوظ گرامی بھی ذہن میں تازہ کر لینا مفید ہوگا، جس میں انھوں نے فرمایا کہ اس وقت دنیا میں بھی ہم سب مومنوں کے انوار ایمانی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نور معظم سے جڑے ہوئے ہیں، تو اگر دعاء اذان میں بھی ایسے ہی تعلق روحانی کا ابقاء جنت کی زندگی میں مطلوب و مقصود ہو تو عجب نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲۰۱) **مقام محمود کیا ہے؟** فرمایا:- حمد مصور ہو کر لواءِ حمد کی صورت میں ہو جائیگی، اور مقام محمود میں وہ محامد القاء ہوں گے جو اس سے پیشتر معلوم نہ ہوں گے (اسی طرح صحاح ستہ میں ہے)

شیخ اکبر بھی اس سے گذرے ہیں اور کہا کہ حمد آخر میں ہوتی ہے، اسی لئے حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

کسی ضعیف روایت کا سہارا لیکر جو مقام محمود سے روز قیامت خدا کا عرش پر بیٹھنا اور اپنے ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بٹھانا مراد لیا گیا اور علامہ ابن قیم کا اس کو عقیدہ بنا لینا اور اس کے انکار پر نکیر کرنا وغیرہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔

(۲۰۲) **دلائل الخیرات کا ذکر** فرمایا:- دلائل میں جو حصے "لا یبقی من علمک شیئ" ہے اس کی وجہ سے ابن سعود نے اس کا داخلہ حجاز میں بند کر دیا اور

اور کہا کہ یہ شرک و کفر ہے، میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ دلائل کے درست ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی روشنی میں ایسے مسائل کا صحیح فیصلہ علماء کرام کو اجماعی طور سے کرنا چاہیئے، اور علماءِ سعودیہ کو بھی چاہیئے کہ "طلاقِ ثلاث" کی طرح جمہور سلف و خلف کے ہر فیصلہ کو راجح قرار دیں، خواہ وہ علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کے خلاف ہی ہو۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا أسرۃ واحدہ ہیں، یعنی چاروں اماموں کے فیصلے لائقِ قبول ہیں اور مقلدین ائمہ اربعہ وقتِ ضرورت دوسرے ائمہ کا بھی اتباع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا علماء و اعیانِ سعودیہ کا بھی فرض ہے کہ وہ حرمین شریفین و حجاز و نجد میں صرف ان ہی احکامات کو نافذ کریں جو امام احمد یا دوسرے ائمہ و جمہور سلف و خلف کے مختار ہیں اور ان کے خلاف جو علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کے مختارات یا تشددات ہیں، وہ نافذ نہ کریں۔

(۲۰۳) مآثرِ حرمین اور امکنہ مقدسہ و متبرکہ کے بارے میں بھی جو فیصلے مؤتمر عالم اسلامی میں ہوئے تھے وہ ناقص تھے اس لئے ضرورت ہے کہ ان پر منتخب علماء کی جماعت پھر سے تمام دلائل و مستدلات میں غور و فکر کر کے افراط و تفریط کا خاتمہ کرے۔

(۲۰۴) ہمیں خادم الحرمین الشریفین ملک فہد پر پورا اعتماد ہے اور اُن کے اس اعلان کی بڑی قدر ہے کہ تمام فیصلے جمہور سلف و خلف ہی کے مطابق ہونے چاہیئں۔

(۲۰۵) **امام طحاوی کی منقبت** امام طحاویؒ کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاویؒ کے ہیں اور کسی کے نہیں، اور تقریریں اور تفہیم مسائل خلافیہ کی جس قدر میں نے لکھی ہے وہ کسی نے نہیں لکھیں اور پتے بھی جس قدر امام طحاوی نے دئیے ہیں اور کسی نے نہیں دئیے۔

(۲۰۶) **امام شافعیؒ کی منقبت** فرمایا: "امام شافعیؒ جیسا ذکی امت میں نہیں گذرا، پس ان کو بند کرنے کا قصد کرنا بے سود ہے" ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نہایت منصف مزاج تھے اور کسی مخالف سے مخالف کے اندر بھی کوئی کمال یا خوبی ہوتی تو اس کا اعتراف کھلے دل سے ضرور کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک یہ ارشاد امام شافعیؒ سے بعد کے حضرات کے لئے فرمایا ہے، ورنہ یہ اعتراف امام شافعی ہی ان کے استاذ امام محمدؒ تک بھی وہ اذکی الاذکیا تھے۔

یہ بھی فرمایا کہ اصحاب صحاح میں سے امام بخاری کے بعد امام نسائی زیادہ ذکی ہیں اور میرے نزدیک ان کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ اور تراجم ابواب میں سے ترجمہ "اقامۃ کل احد لنفسہ" کی اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے امام نسائی کے عظیم مرتبہ کے پیش نظر تاویل ضروری ہے۔ کیونکہ اقامت کل احد لنفسہ باطل محض ہے۔

(۲۰۷) **قلوب میں خدا کی وقعت** فرمایا: حدیث میں ہے کہ اگر دیکھنا چاہو کہ تمھاری وقعت خدا کے یہاں کتنی ہے تو دیکھ لو کہ تمھارے دل میں خدا کی کس قدر وقعت ہے اور آج کل تو خدا کی اس قدر بھی وقعت نہیں ہے جتنی ایک آشنا کی ہوتی ہے۔

(۲۰۸) **شہید آخرت** فرمایا: علامہ سیوطیؒ نے ۱۸ طرح کے نام لکھے ہیں، پھر ایک صاحب نے دس کا اضافہ کیا، پھر ایک صاحب نے ۱۰ بڑھائے، اور میں نے ان کے رسائل سے استفادہ کر کے، مرگ مفاجاۃ والوں اور نہایت مؤلم اور لمبے امراض کے بعد مرنے والوں کو بھی شہداء آخرت میں گنا ہے، یہ سب ثواب آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں، اور فقہاء نے صرف شہداء الدنیا کا ذکر کیا ہے، جن کے احکام بھی یہاں الگ ہیں۔ اور وہ احکام شہداء الآخرۃ کے نہیں ہیں۔

(۲۰۹) **صحیح ابن خزیمہ** فرمایا: جرمنی کے کتب خانہ میں تہائی صحیح ابن خزیمہ ہے اور کہیں موجود نہیں ہے دنیا میں۔ اور اس پر حافظ کے دستخط ہیں، ان کے ہاتھ

میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

(۲۱۰) **ترکِ جماعت کا عذر** ص ۹۲ بخاری شریف کی مشہور حدیث عتبان بن مالک پر فرمایا کہ خارج میں دوسری حدیث ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضؓ کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی اور وہ چلے تو پوچھا کہ اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ کہا ہاں! فرمایا کہ پھر نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے عزیمت پر عمل کرایا اگرچہ رخصت تو تھی اور میرے نزدیک یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت عتبان بن مالک رضؓ کا عذر حضرت ابن ام مکتوم سے بھی زیادہ ہو، مثلاً وہ مسجد نبوی سے زیادہ دور تھے اور ابن ام مکتوم قریب ہی تھے۔ اس لئے حضرت عتبان کو مطلقاً اجازت دیدی ہوگی۔

(۲۱۱) **فائدہ** یہ وہی بخاری کی حدیث ہے جس سے جمہور نے تبرک بالامکنہ کے لئے استدلال کیا ہے اور نجدی و سلفی حضرات اس کے سختی سے منکر ہیں اور حضرت علامہ عثمانیؒ نے موتمر مکہ معظمہ میں بھی اس کو پیش کیا تھا تو علماءِ نجد نے اس کو قبول نہیں کیا تھا، اور معارضہ کردیا تھا قطعِ شجرہ سے، جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی فرماتے تھے کہ قطعِ شجرہ کو بہانہ بنا کر سارے تبرکات کو نجدیوں نے ڈھا دیا ہے یہ اچھا نہیں کیا۔ اور شبِ معراج میں حضور علیہ السلام نے بیتِ لحم (جاءِ ولادت سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر براق سے اُتر کر دو رکعت پڑھی ہیں، جو نسائی شریف کی حدیثِ قوی و صحیح سے ثابت ہے، پھر بھی علامہ ابن قیمؒ کا یہ دعویٰ کہ بیتِ لحم میں اترنے کی کوئی حدیث ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کیا اس قسم کے غلط دعوؤں سے دین کی صحیح خدمت ممکن ہے؟ پھر بھی علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کا تبرک بالامکنہ سے انکار پر غیر معمولی اصرار اگر تھوڑی دیر کے لئے درست بھی مان لیں تو حضرت عمر رضؓ کی آخری اہم ترین تمنا حضور علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہونے کی جو بخاری شریف سے ہی ثابت ہے، اس کا جواب سارے سلفی مل کر بھی تو نہیں دے سکتے۔

ایک طرف حدیث صحیح نسائی شریف وغیرہ کا انکار اور دوسری طرف زاد المعاد میں حق تعالیٰ کے عرش سے اتر کر زمین میں طواف کرنیکی طویل وضعیف ترین حدیث کی تقویت کی سعیِ بلیغ، کیا یہ صورت ان کی محدثانہ شان کے لائق ہو سکتی ہے؟ والامر الی اللہ۔

یاد رہے کہ حدیث مذکور نہ صرف امام نسائی[1] نے بلکہ بیہقی[2] نے بھی مع تصحیح کے اور طبرانی[3]، بزار[4] و ابن ابی حاتم[5] وغیرہ نے بھی روایت کی ہے، جن کا ذکر فتح الباری ص ۱۵۳ میں بھی ہوا ہے۔

ایک اہم توقع اس ذیل میں یہ بات خوش آیند ہے کہ فتنۂ ایران کی وجہ سے حکومت سعودیہ نے دوسرے ممالک کے اعیان و علماء کے وفود کو حج کے موقع پر بلانے کا سلسلہ شروع کیا ہے سارے مصارفِ سفر کا خود تکفل کر کے ان کا نہایت اعزاز و اکرام ہوتا ہے اور عظیم تر ہوٹلوں میں شاہانہ ضیافتوں سے نوازا جاتا ہے، پھر تحفوں سے بھی نوازا جاتا ہے جن میں بڑا تحفہ غلافِ کعبہ کا ہوتا ہے، اور وہ لوگ اپنے ملکوں میں آکر حکومت سعودیہ کی مدح و توصیف شائع کرتے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے یہ بات صحیح بھی ہے کہ حرمین شریفین کی انتظامی خدمات کے سلسلے میں حکومتِ سعودیہ ہر طرح بہتر، معتمد اور قابلِ مبارکباد ہے۔ اگرچہ اس طرف کچھ توجہ نہیں کہ غریب طبقہ کے لئے حج و زیارت کے مصارف حد سے زیادہ ناقابلِ برداشت ہوتے جا رہے ہیں، کرایہ سفر بھی زیادہ اور قیامِ حرمین کے مصارف بھی المضاعف۔ لیکن ہمارے خاص نقطۂ نظر سے یہ بات خوشی کی زیادہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے جو ایک نظریہ جمہور کے خلاف یہ بھی دیا تھا کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ضرور افضل الخلق ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ ان سے ملحق قبر مبارک کا حصہ بھی دوسرے متبرک و مقدس حصوں سے افضل مانا جائے، وہ نظریہ حکومتِ سعودیہ نے علما و اعیان حجاج کو غلافِ کعبہ بطور تحفہ و تبرک دینے کا سلسلہ قائم کر کے کالعدم

کر دیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک طلاق ثلاث کے بعد اب یہ دوسری کامیابی نظریات جمہور کے موافق سامنے آگئی ہے۔ خدا اس کو نظر بد سے بچائے اور اعیان و علماء سعود کو مزید اختلافی مسائل میں بھی تائید جمہور امت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(۲۱۳) **امام و خلیفہ کا قریشی ہونا** فرمایا:۔ طرابلسی نے امام اعظمؒ سے نقل کیا کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں ہے۔

(۲۱۴) **حضرت معاذ بن جبل کی دو نمازیں** حضرتؒ نے فرمایا:۔ حنفیہ نے اول کو نفل اور دوسری کو فرض کہا ہے، حالانکہ راوی ہر دو کو عشا کہتا ہے، میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی عشا ہی پڑھی ہے لیکن نہ بہ نیت اسقاط فریضہ۔ اور اور دوسری بہ نیت اسقاط ہے۔ امام محمدؒ کی پانچوں کتابوں میں تین جگہ یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر گھر پڑھ کر چلے اور مسجد میں پہنچے اور نماز ہو رہی ہو تو اعادہ ضروری ہے ظہر و عشا میں۔ اور یہی متقدمین سے منقول ہے اور طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اگر پہلی بہ نیت عشاء بھی پڑھے لیکن اسقاط کا قصد نہ ہو تو وہ نفل ہو جائیں گے، اور اسی طرح اگر کوئی دوبارہ سہ بارہ بھی ظہر کی ہی مثلاً نماز پڑھے تو ایک فرض اور باقی نفل ہوں گی

حضرت معاذؓ نے پہلی بھی عشا ہی پڑھی ہو گی بلحاظ شرکت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسری جو پڑھائی ہے وہ فرض کے اسقاط کے لئے ہے۔

سب سے پہلے صاحب فتح القدیر نے آکر یہ غلطی کی کہ خلاف متقدمین یہ مسئلہ لکھا کہ گھر سے پڑھ کر جب مسجد میں گیا تو فرض میں شریک ہوا اور یہ نفل ہیں۔

شوافع کے یہاں پانچوں نمازوں کا اعادہ ضروری ہے اور پہلی نفل ہیں خیمہ اور گھر والی۔

(۲۱۵) **تعارض کے وقت ترجیح حدیث کا طریقہ** اصول حدیث کے

اس مشہور مسئلہ میں امام اعظمؒ کا طریقہ اول نسخ پھر توفیق پھر توقف ہے، جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک توفیق کا طریقہ نسخ پر مقدم ہے، تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، (اور ظاہر ہے کہ نسخ کی صورت میں صرف ایک پر عمل ہو سکے گا)

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کا جواب یہ ہے کہ ہمارے امام کا قول زیادہ حق وصواب ہے، کیونکہ نسخ سے مراد وہ نسخ ہے جو بطریقہ نقل ثابت ہو اور جہاں ہمیں نقل صحیح مجبور کرتی ہے کہ ایک حدیث ناسخ اور دوسری منسوخ تو پھر بھی توفیق کی طرف رجوع کرنا ایسا ہے کہ جیسے ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ درحقیقت اسلام یہودیت ونصرانیت کا ناسخ ہے، پھر بھی ہم توفیق کے طالب بن کر فروع میں اتحاد تلاش کریں۔

حضرتؒ کے اس ارشادِ عالی سے استفادہ کے ساتھ یہ بھی اپنے حافظہ میں تازہ کرلیں کہ یہ بات امام اعظمؒ کیلئے تسلیم شدہ ہو چکی ہے کہ وہ ناسخ ومنسوخ احادیث کے سب سے بڑے عالم وعارف تھے، تو ایسے شخص کو تو اور بھی زیادہ حق تھا کہ وہ نسخ کو توفیق پر مقدم کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۱۶) **نجوم کا استقلال وحرکت** فرمایا:۔ نجوم خود مستقل بالذات ہیں اور حرکت میں ہیں۔ بطلیموس کے نزدیک یہ تھا کہ وہ فلک میں مرکوز ہیں اور سماء کے ساتھ حرکت کرتے ہیں، اب مشاہدہ بھی شریعت کے موافق ہے۔

(۲۱۷) **شمس وقمر جہنم میں** فرمایا:۔ شمس وقمر علاقۂ جہنم میں رہیں گے کیونکہ یہ سب علاقہ جہنم کا ہے، جس چیز کو یہاں سے نہ لے جائیں گے وہ جہنم ہی میں رہیگی۔

(۲۱۸) **روح کب پیدا ہوئی؟** فلاسفہ اور علماءِ اسلام میں اختلاف ہے کہ روح پہلے سے ہے یا اجسام کے ساتھ پیدا ہوئی؟ شیخ ابوعمر نے فرمایا کہ پہلے سے ہے اور ابن قیم کے نزدیک ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ غرض ہر دو قول اہلِ سنت کے ہیں۔ تفصیل کتاب الروح لابن القیم میں ہے۔

(۲۱۹) **فرق روح ونسمہ** فرمایا:۔ حدیث میں ہے کہ خدا نے نسمہ کو پیدا کیا (بخاری ص ۴۲۷) نسمہ کا ترجمہ جان اچھا ہے، ابن سینا کی فارسی اچھی تھی، تعریفات اشیا میں کہا کہ نفس کو جان اور روح کو رواں کہتے ہیں اور روح کی حقیقت منقح نہیں ہو سکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح کثرت سے اپنی تصانیف میں نسمہ پر گذرے ہیں، لیکن انہوں نے جو لکھا ہے وہ حقیقت نہیں ہے، یعنی روح ہوائی جو طب میں مانی جاتی ہے شرائین میں سرایت شدہ۔

میں کہتا ہوں کہ روح کا حال مستقر ہے کہ اس کے اطوار اور حلیے نہیں بدلتے، اور یہی روح لباس پہنتی ہے نسمہ کا یعنی روح جب عالم مثال کا لباس پہن کر کھانے پینے کے قابل ہو جائے تو وہی نسمہ کہلاتی ہے۔ پس اگر افعال مادہ محض آگئے تو روح کا نام بدلا۔ اور قبض وبسط وعلم وغیرہ روحانی افعال میں ہوتے ہوئے روح ہی کہلائیگی پس نسمیت کوئی حال ہے روح کا۔ موطا امام مالک رح میں اکل وشرب کی نسبت بھی روح کی طرف نہیں ہے، بلکہ نسمہ کی طرف ہے۔

(۲۲۰) **افعال برزخ** فرمایا:۔ نماز۔ حج۔ تلاوت قرآن۔ کھانا پینا۔ رضاعت پانچوں چیزیں برزخ میں روح کے لئے ثابت ہیں اور کھانے پینے کے سلسلہ میں بجائے روح کے نسمہ کہدو۔ معلوم ہوا کہ تربیت بھی بچوں کی ہو سکتی ہے اور وہاں روح دودھ پئے گی۔

(۲۲۱) **قدم عالم کا رد** فرمایا:۔ کان اللہ ولم یکن شیٔ غیرہ، دوسرے ولم یکن قبلہ بھی آیا ہے، مگر قدم عالم کے رد میں غیرہ مفید ہے نہ قبلہ۔ اور معلوم رہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی قدم عالم کے قائل ہیں، تفہیمات الٰہیہ میں بھی سخت مضر چیزیں ہیں اس قسم کی۔ البتہ شاہ صاحب رح کی حجۃ اللہ اور الطاف القدس مفید کتابیں ہیں۔

تفہیمات میں بے موقع چیزیں بھی ہیں۔ میں نے عقیدۃ الاسلام میں ازالۃ الخفا

میں سے معارضہ پیش کر دیا ہے۔ حدیث و قرآن اور دینِ سماوی کی یہی تعلیم ہے کہ سب چیزیں کتمِ عدم سے نکلی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے زمانہ کے قدم کی "خیرِ کثیر" میں اور پہلے رسالہ میں مادہ کی تصریح کر دی ہے، تاہم شیخ مجدد، شاہ ولی اللہ، شیخ عبد القادر و شیخ اکبر سب ہی فلسفہ کے حاذق گذرے ہیں۔

فیض الباری ص۱/۱۴۵ میں بھی یہ مضمون اجمالاً ذکر ہوا ہے۔ غالباً حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اس طرف رجحان علامہ ابن تیمیہ کے اتباع میں اور ان پر ضرورت سے زائد اعتماد کی وجہ سے ہوا ہے۔ مزید بحث و تفصیل فتح الباری ص۱/۱۸۱ اور ص۱۳/۳۱۹ میں دیکھی جائے، جس میں علامہ ابن تیمیہ کے اختیار کردہ نظریہ "حوادث لا اول لہا" کا بھی ردِّ وافر کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ تمام اکابرِ امت محمدیہ نے قدمِ عالم کے رد اور حدوثِ عالم کے اثبات میں نہایت مضبوط و مستحکم دلائل قائم کئے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی کی بھی مداہنت گوارا نہیں کی ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و محفوظات ص۴۱ میں اسی طرح ہے، فرمایا: سنا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عرفی کے اس شعر پر تکفیر کی ہے ؎

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
سلمائے حدوثِ تو و لیلائے قدم را

گو قدم بالزمان ہی مراد ہے، جو حدوث بالذات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ مگر ایسے قدم کا قائل ہونا بھی شرک ہے، پھر فرمایا کہ البتہ اس شعر میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ عرفیؒ نے اولیت کو قدم سے تعبیر کیا ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے اس کا حکم صحیح بھی ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری (کہ خدا نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا)

سلفی حضرات غور کریں کہ سفرِ زیارت نبویہ اور تقدس و تبرکِ امکنہ وغیرہ امور

پر تو سخت نکیر لیکن قدم عرش، حوادث لا اول لہا، خدا کی عرش نشینی اور خدا کے طواف فی الارض وغیرہ عقائد کسی طرح بھی صحیح قرار پا سکتے ہیں ؟!

(۲۲۲) **زندقہ کیا ہے؟** فرمایا:- زندیق کا لفظ بخاری میں موجود ہے (ص ۱۰۲۳ پارہ ۲۸ کتاب استتابۃ المرتدین) الکفار الملحدین میں اس کی تشریح کر دی ہے کہ الفاظ شرعی کو باقی رکھ کر معانی و مطالب کو بدل دے، ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آ گیا ہے، لہٰذا ابو الکلام آزاد کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ زندیق کا لفظ بعد کی اختراع ہے۔

(۲۲۳) **ختم نماز کا سلام** مشہور عند الحنفیہ یہ ہے کہ دونوں سلام واجب ہیں، اور فتح القدیر میں پہلا واجب اور دوسرا سنت ہے، اور یہی میرا مختار ہے، میرے پاس نسائی میں ابواب جمع بین الصلاتین اور ابو داؤد میں باب الوتر میں صحیح دو حدیثیں ہیں جن سے میں نے اس کو ترجیح دی۔

(۲۲۴) **نداءِ غائب** حضرت رح نے درس بخاری شریف ص ۵۹۲ میں حضرت عائشہ رض کے حضرت حسان رض والے ذکر کردہ شعر "فان ابی و والدتی وعرضی۔ لعرض محمد منکم وقاء" پر ارشاد فرمایا:-

اِس سے پہلے یہ شعر ہیں "رسول اللہ ضاق بنا الفضاء۔ وجل الخطب وانقطع الاخاء" وغیرہ اور یہ اشعار حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد کے ہیں، کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے؟ حضرت رح نے جواب دیا کہ جائز ہے، کہا کیوں؟ فرمایا کہ السلام علیک ایہا النبی ابھی تو کہتے ہو، تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے، جاہلوں کو یہ بھی علم نہیں کہ نداء کا مقصد کیا ہے؟! عالم غیب کی چیز کے لئے نداء سمجھتے ہی نہیں، پھر اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اور کسی دوسرے ملفوظ مبارک میں بھی ہم نے حضرت شاہ صاحب رح کی تحقیق ذکر کی ہے۔ یعنی خطاب معہود ذہنی کے لئے ہوتا ہے۔

(۲۲۵) **تحریک اصلاح دار العلوم دیو بند** فرمایا:- مولوی مشیت اللہ صاحب

بجنوری نے تقریباً ۲۵ سال ہوئے، مجھ سے تصریح، شرح چغمینی و مطول وغیرہ دہلی کے زمانہ میں پڑھی ہیں۔ ہندوستان میں ان سے زیادہ میرا کوئی مخلص نہیں ہے، بھوپال کے رسالہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کو مہتمم دارالعلوم نے میرے پاس رجسٹری سے بھیجا تھا (جس میں نہایت نازیبا باتیں درج تھیں) مولوی مشیت اللہ صاحب نے کہا کہ آپ کو کیا پیش آیا کہ اس تحریک میں شرکت کی ؟ میں نے کہا کہ بڑا فضل ہے خدا کا کہ ہمارے نفس کی اصلاح ہو گئی، پہلے تو صرف تعریفیں ہی سنتے تھے، پھر گالیاں بھی سنیں۔

اس ضمن میں حضرتؒ نے بڑے مہتمم صاحب (مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ) کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ شاہ صاحب کا درس نئی قسم کا ہے، سارے گھنٹے تقریر کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی نظیر اس وقت نہیں ہے۔

(۲۲۶) پھر فرمایا: میں نے ۱۸ سال (قیام و درس دارالعلوم) کے بعد کہا "عطاءِ شما بہ لقاءِ شما"

جامعِ ملفوظات عرض کرتا ہے کہ دنیا دارالعجائب ہے، اس لئے یہاں کی کسی عجیب سے عجیب تر بات پر بس نہیں ہو سکتی وہ سب دشتم والا رسالہ اس حقیر نے بھی دیکھا ہے، اور اس کی عظیم تر تلخی کام و دہن سے اتنی عظیم مدت میں بھی دور نہ ہو سکی، اس امت مرحومہ کے اکابر پر جو بڑی بڑی آزمائشیں گذری ہیں، یہ بھی ان میں ضرور داخل ہونے کے لائق ہے اور چھوٹے مہتمم صاحب بھی بڑوں کی طرح ہمیشہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے مداحین میں رہے، مگر حضرتؒ کی علیحدگی پر یہاں تک کہدیا کہ "شاہ صاحب کو دارالعلوم کی ضرورت ہے، دارالعلوم کو شاہ صاحب کی ضرورت نہیں" جس پر احقر نے عرض کیا تھا کہ شاید دنیا کے کسی بڑے نے اس سے زیادہ غلط اور لغو بات نہیں کہی ہو گی۔ واللہ ولی الامور۔

(۲۲۷) **فقہاء کی فروگذاشتیں** فرمایا:۔ فقہاء متون میں بہت سی جگہ نماز

وغیرہ کے لئے جائز اور صحیح کا لفظ لکھ دیتے ہیں، اور شروح میں اس کے ساتھ بکراہت تحریمہ کا اضافہ ہوتا ہے، جبکہ کراہتِ تحریمہ کے ساتھ نماز وغیرہ کی صحت اور جواز کا قول مطلقاً صحیح نہیں ہے، اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے بہت جگہ اعتراض کئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو وہ فعل جو کراہت تحریمہ کے ساتھ ہو وہ کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں ہوتا، حالانکہ ان کا یہ اطلاق بھی زیادتی ہے، جس کی مثالیں بہت ہیں۔

یہ بھی واقعہ بہت مشہور کیا گیا کہ سلطان محمود غزنوی کے سامنے حنفی نماز پڑھی گئی، جو بغیر تعدیلِ ارکان بھی اور مذموم طور سے نماز سے خروج بھی ہوا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک بھی بغیر تعدیلِ ارکان کے نماز واجب الاعادہ ہے تو وہ نماز ہی کیا ہوئی، پھر فرمایا کہ صرف طبقاتِ حنفیہ میں صحتِ واقعات کا التزام زیادہ ہے کیونکہ وہ محدثین کی تحقیق پر لکھے گئے ہیں، باقی طبقاتِ شافعیہ وغیرہ میں یہ اہتمام نہیں ہے۔ اور محمود غزنوی تو خود بھی بڑا فقیہ و عالم حنفی تھا اس لئے بھی یہ واقعہ لائقِ اعتماد نہیں ہے۔ (یاد آیا کہ علامہ کوثریؒ نے بھی تقریباً ایسا ہی نقد اس واقعہ پر کیا ہے۔ جامع)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسے ہی فقہاء نے صرف قضا کے مسائل لکھے ہیں اور دیانت کے مسائل سے صرفِ نظر کر لی ہے۔ یہ بھی بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔

(۲۲۸) جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ فقہاء نے صرف دیارِ اسلام کے مسائل لکھے ہیں اور دیارِ کفر کے نہیں لکھے، اس لئے اب ہمیں پریشانی ہوتی ہے۔ شاید وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو دیارِ کفر میں رہنا ہی نہ پڑے گا۔

یہ بھی فرمایا کہ اب ضرورت ہے کہ دیارِ کفر کے لئے بھی جو اسلامی احکام الگ ہیں وہ بھی مدون کر دئے جائیں، کیونکہ اسلامی احکام میں بڑا توسع ہے، اس میں جہاں دیارِ اسلام کے لئے احکام ہیں، دیارِ کفر کے لئے بھی ہیں، خاص طور سے فقہِ حنفی میں یہ توسع بہت زیادہ ہے، اسی لئے انگریز کہتے تھے کہ اسلام میں صرف فقہِ حنفی ایسا وسیع فقہ ہے جس

کی روشنی میں ساری دنیا میں نہایت سہولت سے حکومت کی جاسکتی ہے۔

(۲۲۹) **خاندانی حالات** ۲ر دسمبر ۳۲ء مجلس بعد ظہر میں فرمایا:۔ میرے حقیقی تائے نے چار ہزار ختم کلام اللہ کئے تھے، اور والد صاحب صبح ہی سے مسجد میں رہتے ہیں اور کھانے کے وقت گھر آتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ تلاوت فرماتے رہتے ہیں؟ فرمایا کہ جی ہاں! تلاوت فرماتے رہتے ہیں اور مجھ سے ان کی نگاہ قوی ہے، روتے بہت زیادہ ہیں تائے صاحب اس قدر نہ روتے تھے، پھر فرمایا کہ حرف شناسی (یعنی علم ظاہری)، تو ہم میں زیادہ آئی اور دین نہ آیا۔ اور دین تائے صاحب کے سلسلہ میں گیا، صرف حرف شناسی کم رہی۔ تائے صاحب کا بیٹا اپنے والد سے بھی زیادہ عابد تھا اور پوتا اب بھی صاحبِ کرامات کہا جاتا ہے، جس مریض کو آرام نہیں ہوتا تو اس کو بلاتے ہیں اور آرام ہو جاتا ہے۔

(۲۳۰) **سنتِ ولیمہ** ۱۰ر دسمبر ۳۲ء۔ قبل عصر، احقر نے دریافت کیا کہ کیا ولیمہ تیسرے دن مسنون ہے؟ فرمایا کہ جی ہاں! میں نے کہا کہ آج نکاح ہو تو پرسوں ولیمہ ہو؟ فرمایا ہاں! پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ نے بہت توسیع کی ہے وہ سات دن بھی کہتے ہیں مسلسل۔ میں نے کہا کہ برابر سات دن تک کھلاتا رہے یہ تو نہیں کہ ساتویں روز کھلائے؟ فرمایا کہ جی ہاں!

(۲۳۱) **تکفیر کا اصول** بخاری ص۱۰۲۲ (کتاب استتابۃ المرتدین) کے تحت فرمایا:۔ بعض جاہل مولوی فقہ کی عبارت سے کہ "۹۹ وجہ کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی تو تکفیر نہ کرینگے۔" وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی میں ۹۹ کفر ہوں اور ایک اسلام کی چیز، تو تکفیر نہ کرو، حالانکہ اس کا حکم یہاں موجود ہے کہ وہ ایک وجہ ہی کفر کی ہو تو کافر ہی ہے، اگرچہ ۹۹ وجہ اسلام کی بھی موجود ہوں اور مطلب عبارتِ فقہ کا یہ ہے کہ کوئی کلمہ کسی ایک کا نقل ہوتا ہوا پہنچا جس میں ۹۹ وجہیں اور احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا بھی ہو تو تکفیر کا حق نہیں ہے۔

پس وہاں ایک کلمہ ہے نہ کہ خود کفر ہوں ۹۹۔ اس لئے کہ کفر کی تو ایک ہی چیز ہزار اسلام کی چیزوں پر غالب ہوگی۔

میں نے بھاولپور میں کہا کہ اگر کوئی شخص بیس^۲۰ سال تک عبادت کرے پھر صرف ایک سجدہ کرے بت کو اور مرجائے تو اس کو کافر کہو گے یا مسلمان؟ ایسی واضح چیزوں میں سمجھ کھو بیٹھے ہیں جاہل مولوی۔

ایک بڑے عالم مجھ سے کہنے لگے کہ تاویل کے ساتھ کلمۂ کفر کہے تو کافر نہیں ہوتا، میں نے کہا کہ کس کتاب میں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے، میں سمجھا تھا کہ کسی کتاب کا حوالہ دیں گے تو جواب دوں گا۔

پھر میں نے کہا کہ خیالی درس کی کتاب ہے، اس کے آخری صفحہ پر ہے کہ تاویل ضروریاتِ دین میں غیر معتبر ہے اور ماؤّلِ بھی کافر ہے۔ (پوری تفصیل اکفار الملحدین میں کردی ہے)

(۲۳۲) **اشعری کی تنزیہ اور ابن تیمیہ کی تشبیہ** فرمایا:- اشعری جس قدر تنزیہ کرتا ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا "ان بورک من فی النار" اس لئے کہ کسی کو اشتباہ ہی نہیں ہوسکتا اور مغالطہ کہ شجرہ کو یا آگ ہی کو خدا سمجھ لے اور سمجھ لے گا کہ کوئی امرِ الٰہی ہے اور غیبی ہے۔ اشعری اس کو بھی تنزیہ کے خلاف کہے گا، اور وہ اسناداتِ نحویہ سے بھی خالی کرتا ہے۔ پس میں تنزیہ عقلی کو جو اشعری کرتا ہے اس کو رد نہیں کرتا بلکہ اسنادات جو آگئی ہیں، ان کو درست سمجھتا ہوں اگر مغالطے میں نہ ڈالیں۔

ابن تیمیہ وغیرہ مشبہہ کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ انھوں نے ان اسنادوں کو حقیقت سے جا ملایا ہے

ہم نے ذاتِ باری کو "لیس کمثلہ شیئ" بھی رکھا اور اسنادات کو بھی درست

رکھا، ابن تیمیہ نے "کنز ولی ہذا" سے تشریح کرکے بدعت قائم کردی ہے۔ اور ہم "نبی الامیر المدینہ" کو اہلِ سنت وعرف مستحسن خیال کرتے ہیں اور "افترش الامیر" کو غیر مستحسن، اسی طرح ہم بھی کرتے ہیں۔

(۲۳۳) **برزخی زندگی میں ارواحِ مومنین کا تمتع بالذات** فرمایا:- امام ترمذیؒ نے تو بحالت برزخی صرف ارواح شہداء کے لئے روایت ذکر کی ہے کہ وہ جنت کی لذاتِ حسیہ سے متمتع ہوں گے، اور امام احمدؒ نے مسند میں نسمۃ المومن اور ارواحِ شہداء دونوں کے لئے روایات لی ہیں، لیکن موطا امام مالک (جامع الجنائز) میں نسمۃ المومن کی حدیث ہے جس کے موافق نسائی وابن ماجہ کی بھی روایات ہیں،

لہٰذا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مومنین کو بھی رزقِ جنت ملتا ہے

(۲۳۴) **بدنِ مثالی** یہ بھی فرمایا کہ نسمۃ المؤمن طیر میں پرندہ سے تشبیہ ہے اور تعلیق کے معنی ہیں چُگنا۔ اس میں تصریح ہے کہ بدن مثالی ہے، اور یہی بدن مثالی کچھ کھا پی بھی رہا ہے نعیمِ جنت سے۔

(۲۳۵) **حیاتِ شہداء** احیاء فی قبورہم پر شبہ ہوتا ہے کہ جب ان کا بدنِ مثالی موجود ہے تو وہ تو بدنِ عادی ہی کی طرح ہے، پھر کیا ندرت ہوئی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں، جواب یہ ہے کہ بعض وہ کام بھی جو دنیا میں کرتے تھے وہاں کرسکیں گے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرتؒ کی تائید حافظ ابن کثیرؒ کی رائے سے بھی ہوتی ہے، جنھوں نے جمعِ روایات کا طریقہ پسند کرکے لکھا کہ برزخی زندگی میں مومنین کی ارواح تو خود پرندوں کی شکل میں ہوکر جنت کی سیر کریں گی اور وہاں کے پھل بھی کھائیں گی۔ اور شہداء کی ارواح حواصلِ طیور میں سوار ہوکر جنت کی سیر اور پھلوں سے متمتع ہوں گی۔ (کذا فی الزرقانی)

پوری بحث اور اکابر امت کی آراء اوجز المسالک ص ۵۱۳ ج ۲ الخ میں قابلِ مطالعہ ہے جس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حقیقتِ انسان اور اس کے ساتھ تعلقِ روح کی بحث تو بہت

ہی زیادہ طویل ہے، جس میں تقریباً ایک ہزار اقوال علماء کے ہیں۔)

(۲۳۶) **جنت میں رضاعت بھی ہے** فرمایا:۔ حدیث بخاری (ص۴۶۱) میں ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کے لئے جنت میں دودھ پلانیوالی دی گئی ہے، اس سے بھی روح و نسمہ کے لئے برزخی زندگی میں افعال کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی لئے نماز۔ حج۔ تلاوت قرآن، کھانا پینا و رضاعت پانچوں چیزیں برزخ کے لئے ثابت ہیں۔ اور کھانے پینے کے سلسلہ میں بجائے روح کے نسمہ کہدو معلوم ہوا کہ تربیت بھی بچوں کی ہو سکتی ہے برزخ میں اور وہاں پر روح دودھ پیئے گی حدیث میں سیدنا ابراہیم کے لئے جنت سے مراد برزخی جنت ہے انما القبر روضۃ من ریاض الجنۃ (ترمذی)

(۲۳۷) **علاقہ جنت و جہنم موجود ہے** فرمایا:۔ دونوں کا علاقہ پہلے سے موجود ہے اور درجات بھی اور ہر دو کی تخطیط بھی۔ اور اب اضافہ ہوتا رہتا ہے، علماءِ ظاہر جو عرفاء کی چیزوں سے بالکل واقف نہیں ہیں، یہی کہیں گے کہ یہ قول معتزلہ کا ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے۔

(۲۳۸) **جنت میں دو دو بیویاں** حدیث میں ہے کہ اکثر عورتیں دوزخ میں جائیں گی، اس پر فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے تھے کیونکہ ایک جنتی کو دو بیویاں ملیں گی ابن آدم میں سے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو صحیح ہے کہ دو دو ملیں گی، لیکن بنات آدم کی قید زیر بحث ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ قید نہیں ہے اور بخاری (ص۴۶۱) میں لکل امرأ زوجتان من الحور العین بھی وارد ہے، وہاں حور عین کی قید لگی ہوئی ہے، پھر ان کا استدلال کیوں کر ہوگا؟!

دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اُس وقت جب حضور علیہ السلام نے دیکھا تھا، ایسا ہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۲۳۹) **ذکر صدر شیرازی** فرمایا:- باوجود تغایرِ مذہب کے کہ وہ شیعی ہیں اور میں سُنی ہوں، اُن کے محقق ہونے کا اقرار کرتا ہوں، بلکہ بعض اعتبار سے حضرت شاہ ولی اللہ سے بڑھا تا ہوں، انھوں نے کہا کہ عالمِ آخرت میں جہنمیوں پر مادیت اور جنتیوں پر روحانیت غالب ہوجائے گی، میرے نزدیک یہ بالکل صحیح کہا ہے۔

(۲۴۰) **دنیا میں جنت کے نمونے زیادہ ہیں** فرمایا: میری تحقیق یہ ہے کہ دنیا میں جنت کی مثالیں زیادہ ہوتی ہیں بہ نسبت دوزخ کے کہ اس کے نمونے کم ہیں، چنانچہ انبیاء علیہم السلام اکثر احوالِ جنت پر ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا پسینہ خوشبودار تھا، لوگ معلوم کرلیتے تھے کہ اس گلی سے گذرے ہیں اور ان کے غائط کو زمین نگل لیتی تھی۔ اور اولیاء کے حالات بھی ایسے ہوتے ہیں۔

(جامع عرض کرتا ہے کہ دنیا میں انواع و اقسام کے پھل اور جسمانی لذات و راحتیں بھی نمونے ہیں دنیا میں جنت کے، حتیٰ کہ نیند بھی بڑی راحت و نعمتِ عظیمہ ہے جو آخرت میں کفار و مشرکین کو میسر نہ ہوگی اور جنت میں مومن جو چاہیں گے وہ سب حاصل ہوگا،

(۲۴۱) **جنتی ملوک ہوں گے** فرمایا:- مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جنتی بادشاہ ہوں گے، پس وسعتِ جنت بھی اسی وجہ سے ہوگی کہ دنیوی بادشاہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور ہر مومن کے لئے دس گنا دنیا کا ملے گا، وغیرہ

(۲۴۲) **جنوں کو بھی ثواب و عقاب ہوگا** فرمایا:- بعض کتبِ حنفیہ میں ہے کہ جنوں کو ثواب و عقاب نہ ہوگا اور اس سلسلہ میں امام اعظم اور امام مالک کا مکالمہ و مناظرہ بھی نقل ہوا ہے، میرے نزدیک امام ابوحنیفہ کی مراد یہ ہوگی کہ وہ جنت میں تابع رہیں گے، جیسے دنیا میں بھی بچی کھچی چیزیں کھاتے ہیں اور متنِ آبادی میں ہم رہتے ہیں اور جبال و وہاد میں وہ بسر کرتے ہیں، وہی حال ان کا جنت میں بھی ہوگا، اور امام صاحب کی یہی مراد ہوگی، جس کو نفیِ محض بنا دیا گیا۔

(۲۴۳) **مکھی کا ڈبونا اور رشید رضا مصری وغیرہ** فرمایا:- بخاری ص ۴۶۷ وغیرہ میں حدیث ہے کہ مکھی کسی چیز میں گرے تو اس کو ڈبو دو تاکہ اس کی سمیت جاتی رہے کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں تریاق ہے اور وہ پہلے زہر والا پر ڈالتی ہے۔

علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں لکھا کہ مکھی بائیں پر کو ڈبوتی ہے (اپنا تجربہ نقل کیا ہے) میرے نزدیک گرم میں نہ ڈبوئے مسئلہ یہی ہے اگرچہ عمل نہیں ہے، اور یہ بھی ہے کہ اگر نجاست پر سے اٹھ کر آئی ہو تو اس وقت بھی یہ حکم نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ علامہ رشید رضا مصری نے اس کا مضحکہ اڑایا ہے، اور نہایت سخت اور لغو کلام کیا ہے، ان کی عادت ہے کہ جب مقلدوں کے مقابلے میں آتے ہیں تو حدیث پیش کرتے ہیں اور جب حدیث آتی ہے تو تجربہ و عقل کو پیش کرتے ہیں اور حدیث پسند لوگوں کی داد دیتے ہیں۔ مثلاً ابن قیم وابن تیمیہ وابن حزم کی۔ مگر یہاں ابن قیم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت کی ہے۔

آج کل کا حال ایسا ہے کہ قرآن سے کام نہ چلے تو حدیث پر اور حدیث سے قرآن پر جاتے ہیں، اور پھر وہاں بھی کام نہ چلے تو عقل پر جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرید وجدی کا ذکر کرکے فرمایا کہ وہ تو ۳۰۔ ۳۰ حدیثیں لاکر سب کو رد کر جاتا ہے، ابن خلدون مورخ نے امام مہدی کے آنے کی تمام روایات کا مستقل فصل میں انکار کر دیا، جس سے سرسید نے بھی مہدی کا انکار کیا، پھر مرزا قادیانی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام وحضرت مہدی کو ایک کر دیا۔

(۲۴۴) **توسل قولی کا ثبوت** فرمایا:- استسقٰی بالعباس (بخاری ۱ ص ۵۲۶) میں ہے، جس سے توسل فعلی ثابت ہوا اور توسل قولی کا ثبوت ایک نابینا صحابی کے واقعہ سے ملتا ہے کہ انھوں نے اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ فی

حاجتی ھذہ، اللّٰھم شفعہ فی بجاھہ عندک - تو وہ توسلِ قولی بھی ہے۔

(۲۴۵) **بخاری میں روایت نعیم سے** | بخاری ص۵۴۳ کے حوالہ سے فرمایا کہ یہاں بھی روایت مسانید میں موجود ہے، لہٰذا التقریب وتہذیب وغیرہ کا قول درست نہیں کہ نعیم سے روایت امام بخاری نے اصول یعنی مسانید میں نہیں لی اور صرف تعلیقات میں لی ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹے آدمی سے تعلیقات ہی میں روایت کون سی اچھی ہے۔

پھر فرمایا کہ میں نے اور بھی متعدد جگہ نکالی ہیں جہاں مسانید میں روایت لی ہے اور امام بخاریؒ عقائد میں ان ہی کے متبع تھے۔

(۲۴۶) **کافر کے لئے تخفیفِ عذاب** | فرمایا:- یہ تو قطعی ہے کہ اعمالِ کافر معتبر ہیں سواء عبادات کے، باقی نجات نہ ہوگی۔ یعنی طاعات وقربات کافر کی بھی معتبر ہیں اور عبادات غیر معتبر۔ آیت "فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا" خود دلیل ہے کہ وزن تو نہ ہوگا، وہ تو ایمان ہی کے ساتھ ہوگا اور اسی کی برکت سے۔ باقی کفر مع المعاصی سے ضرور کفر مع البر خفیف ہوگا اور عذاب کی تخفیف کرائے گا۔

دوسرے وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ کفار کی طاعات وقربات تو معتبر ہیں لیکن عبادات غیر معتبر ہیں، اور اول کا اجر عیشِ دنیا اور تخفیف درکاتِ نار وعذابِ جہنم ہے۔

پھر احقر کے سوال پر فرق بتلایا کہ عبادات میں نیت ضروری ہے، جس کی صحت ایمان وعقیدہ کی صحت پر موقوف ہے اور قربات میں معرفتِ متقرب الیہ ضروری ہے طاعات میں یہ دونوں چیزیں ضروری نہیں ہیں، صرف مطاع کی اطاعت چاہیئے، خواہ بغیر نیت ومعرفت ہو کافی ہے، جیسے صدق وصفا، صدقہ، احسان، صلہ رحم وغیرہ لہٰذا عبادات خاص ہیں، ان کے بعد قربات کا درجہ ہے کہ وہ ان سے عام ہیں، اور طاعات سب سے عام ہیں۔

(۲۴۷) **حضور علیہ السلام کا سایہ** | فرمایا:- اس بارے میں کہ حضور علیہ السلام

کا سایہ نہیں تھا، کوئی حدیث میری نظر سے نہیں گذری اور اسی طرح یہ بھی ہے کہ آپ کا نقشِ قدم زمین پر اکھڑ آتا تھا۔

(۲۴۸) **معروف و منکر کیا ہیں** فرمایا:۔ ان دونوں پر شرع نے بیشتر امور کو دائر کیا ہے۔ تسھیلا للناس وتیسیرا لھم (یعنی لوگوں کی سہولت و آسانیوں کے لئے) کیونکہ معروف کے معنی یہ ہیں کہ جو بھلے آدمیوں کے نزدیک جانا پہچانا اور معمول بہا ہو اور منکر یہ کہ بھلے آدمیوں کے نزدیک بھلا اور متعارف یا لائقِ عمل نہ ہو۔

(۲۴۹) **فقہ سب سے زیادہ مشکل فن ہے** فرمایا:۔ علوم اسلامیہ میں سے فقہ سب سے زیادہ مشکل ہے اور میں ہر علم میں اپنی رائے رکھتا ہوں سوا ءِ فقہ کے، کہ اس کے اجتہادی مسائل میں تفقہ کرنا میری استطاعت و قدرت سے باہر ہے، شاہ عبد العزیز صاحب اور علامہ شامی معاصر ہیں، لیکن تفقہ میں شاہ صاحب بڑھے ہوئے ہیں اور جزئیات پر حاوی شامی زیادہ ہیں اور نقل کا سامان بھی ان کے پاس زیادہ ہے۔

(۲۵۰) **مسائلِ وقف میں موافقتِ بخاریؒ** فرمایا:۔ امام بخاریؒ نے اکثر مسائلِ وقف میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، کیونکہ محمد بن المثنی انصاریؒ امام بخاری کے استاذ ہیں جو امام زفر حنفیؒ کے تلمیذ رشید ہیں، آخر عمر تک ان کی خدمت میں رہے ہیں، انھوں نے مسائلِ وقف میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، اور امام بخاری نے اسی سے یہ مسائل لئے ہیں، یہ انصاری اسی لئے کہلائے گئے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی چھٹی پشت میں ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ انصاریؒ وقفِ نقد کو بھی جائز فرماتے ہیں کہ اصل رقم زکوٰۃ کو روک کر اس کی منفعت کو خرچ کیا جائے، چنانچہ وہ خود بھی اس روپے سے تجارت کرتے تھے اور اس کے منافع کو صرفِ خیر کرتے تھے۔

فرمایا، قسطنطنیہ میں اس پر عمل بھی ہوا ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے کہ خلیفہ عبدالحمید خاں کے زمانہ میں یہ وقفِ نقد جاری تھا، اور تین کروڑ روپیہ منافع کا خرچ

کو سالانہ جایا کرتا تھا، پھر یہ روشن خیال ترک پیدا ہوئے۔ (جنھوں نے دین کی ہی مخالفت کی)

(۲۵۱) **وقف نقد صحیح ہے** فرمایا، میں بھی ان جلیل القدر انصاری رح کی علمی عظمتِ شان کی وجہ سے جوازِ وقف نقد کو مانتا ہوں، دوسرے اس پر اعتماد کریں یا نہ کریں۔ (فیض الباری ص۱۲۴/۳ میں بھی یہ تحقیق درج ہوئی ہے مگر پوری بات نہیں ہے)

(۲۵۲) **وصیت مستحب ہے محروم الارث کیلئے** فرمایا:۔ اِرث کی وجہ سے وصیت مضمحل ہو گئی ہے، منسوخ محض نہیں ہوئی، لہٰذا جس کو وراثۃً کچھ نہ مل سکے، اس کے لئے وصیت کر دینا مستحب ہے۔ خصوصًا جبکہ وہ محتاج بھی ہو۔

(۲۵۳) **قاعدہ بابتہ شہادت** فرمایا:۔ سوائے نکاح کے کوئی شرعی معاملہ شہادت پر موقوف نہیں ہے۔

(۲۵۴) **آج کل وقف سے بہتر صدقہ ہے** فرمایا:۔ شریعت نے وقف بڑی ہی مفید چیز رکھی تھی، لیکن اب اس قدر غط بود ہو گئی ہے کہ میرے نزدیک صدقہ ہی کر دے تو وہ بہتر ہے۔ دیوبند میں ایک شخص نے پوچھا کہ بخاری شریف کو وقفِ مدرسہ کردوں یا کسی طالب علم کو دیدوں؟ میں نے کہا کہ طالب علم کو دیدو۔

(۲۵۵) **شہادت باللہ یا بالطلاق** فرمایا:۔ شہادت میں پیش ہونا تو ضروری ہے، مگر صرف اشہدُ سے شہادت دینا کافی ہے، اور حلفِ طلاق کے لئے تو مجبور کیا ہی نہیں جا سکتا، البتہ حلف باللہ کے لئے کہا جائے گا، مگر مجبور اس پر بھی حاکم نہیں کر سکتا ہے۔

(۲۵۶) **حضرت مولانا عبد الحی رح کا ذکر** فرمایا:۔ مولانا موصوف رح نے حواشی و شروح احادیث لکھی ہیں، لیکن سب میں ناقل ہی ہیں، بچھلی تاویلیں ہی نقل کر دیتے ہیں، باقی شفا جس کو کہنا چاہیئے کہ مسائل میں امام صاحب رض کے مذہب کو دوسرے مذاہب کے برابر یا بڑھا دیا جائے انصاف سے، یہ بالکل نابود ہے۔

فائدہ جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ اس ارشاد انوری سے معلوم ہوا کہ حضرت رح صرف

نقول و تاویلات پر اکتفا کو اہم نہ سمجھتے تھے، اسی لئے خود بھی تقریباً ۳۰ سال تک احادیث و رجال کا مطالعہ فرما کر حنفی مذہب کی ترجیح و تقویت کا اتنا سامان اور مواد فراہم کر دیا کہ آپ سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی اور ایسا ہی حال علامہ کوثریؒ کا بھی ہے کیونکہ ان کی نظر استنبول و دمشق و مصر کے نوادر مخطوطات پر بڑی گہری تھی، ان کی بھی تحقیقات کے نمونے ان کی تالیفات مطبوعہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی محققانہ محدثانہ ابحاث العرف الشذی، انوار المحمود، معارف السنن، تعلیقات آثار السنن، فیض الباری انوار الباری اور رسائل مطبوعہ مؤلفہ حضرتؒ میں قابلِ مطالعہ ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔

(۲۵۷) **دیارِ کفر میں سکونت یا ہجرت؟** فرمایا:۔ اس بارے میں متاخرین علماء کا اختلاف ہے کہ دیارِ اسلام کی طرف ہجرت کا حکم کیا ہے۔ قدیم کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ نہیں ہے، (شاید اس لئے کہ اس دور میں ہجرت کی ضرورت پیش نہ آئی تھی) شافعیہ کے یہاں اس کو لیا گیا ہے۔ ہمارے شاہ عبدالعزیزؒ نے بعض رسائل میں اس کو مستحب قرار دیا ہے اور یہی مختار ہے، دوسرے بعض علماء نے واجب بھی کہا ہے اور بعض احادیث سے بھی استحباب ہی معلوم ہوتا ہے۔ جن میں حدیثِ بریدہ ترمذی بھی ہے، بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ اہلِ مکہ پر تو واجب ہی تھی اور بعض احوال میں اب بھی واجب کے درجہ میں ہو جا سکتی ہے۔ (العرف الشذی ص ۴۸۵)

---

(۲۵۸) حضرتؒ نے درسِ بخاری باب زکوۃ الابل، قولہ ویحک ان شأن الھجرۃ شدید کے تحت فرمایا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ہجرت مطلقاً واجب نہیں ہے اگرچہ عزیمت کے درجہ میں ضرور ہے جبکہ وہ دار الاسلام بھی ٹھکانہ کا ہو جس کی طرف ہجرت کریگا، باقی قرآن مجید میں تو برابر تارکِ ہجرت کی مذمت ہی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا طریقہ ہی یہ ہے کہ وہ جس امر کو محبوب و مستحب سمجھتا ہے، اس کی برابر مدح اور تارک کی مذمت

کرتا ہی رہتا ہے۔

البتہ جہاں کچھ گنجائش ہوتی ہے وہاں اس کے لئے اشارہ کر دیتا ہے، جیسے یہ ہجرت ہے کہ اس کی بہیم مذمت کے ساتھ جوازِ ترک کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن الآیہ جس سے مترشح ہوا کہ مؤمن کو دیارِ کفر میں سکونت کا جواز ہے۔ اس طرح اگرچہ مقصد تو ذکر کفار کا تھا، مگر اشارہ جوازِ قیام دار الحرب کا بھی نکل آیا ہے لیکن حدیثِ نبوی کا طریقہ دوسرا ہے کہ اس میں جواز کے درجہ میں آنیوالے احکام کی صراحت بھی ہوتی ہے، اگرچہ وہ مرغوب و مستحسن بھی نہ ہو۔ (فیض الباری ص ۲۹/۳)

اس کے بعد میں اپنی بیاض درس بخاری شریف سے بھی حضرت رح کے چند جملے نقل کرتا ہوں تاکہ اس اہم ترین مسئلہ پر مزید روشنی پڑ جائے۔

قولہ علیہ السلام او جلس فی ارضہ الذی ولد فیھا (بخاری ص ۳۹۱ باب الجہاد)

فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ دار الحرب سے ہجرت کر جانا ضروری نہیں ہے۔

قولہ علیہ السلام ویحک الخ پر فرمایا،۔ اگر دار الاسلام کہیں ٹھکانہ کا ہو تو ہجرت عزیمت تو ہر وقت ہی ہے، لیکن ہجرت فرض و واجب نہیں ہے۔ ہم نے تو کابل کی ہجرت کو بھی پسند نہ کیا تھا۔

قرآن مجید نے ترکِ ہجرت کو مذمت کے بغیر نہیں چھوڑا، کیونکہ جس امر کی قرآن مجید ہجو کرتا ہے۔ اس پر استمرار ہی کرتا ہے، بخلاف حدیث کے کہ اس میں دوسری چیز بھی ملے گی۔

میں نے احادیث اور قولہ تعالیٰ فان کان من قوم عدو لکم سے عدمِ وجوب پر استدلال کیا ہے، پس ہجو کے موقع پر تو ہجو ہی رہے گی، گو لزوم سے کہیں جوازِ ترک بھی نکل آئے، جیسے یہاں بطور لزوم کفارہ کے حکم سے معلوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ حدیث مراتب کو کھولتی ہے۔

فائدہ۔ (۲۵۹) **دیارِ کفر کے احکام** دنیا میں اس وقت دیارِ کفر کی تعداد دو تہائی

سے زائد ہے اور مسلمان وہاں بھی سب جگہ بطور اقلیت کے بستے ہیں، جبکہ دیارِ اسلام کی تعداد ایک تہائی سے بھی کم ہے اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دیارِ اسلام شرعاً وہ ہیں جہاں اسلامی حکومت وشوکت ہے، اور دیارِ کفر وہ جہاں کفر کی حکومت وشوکت ہے۔

(۲۶۰) ہندوستان اسلامی دور کے بعد برٹش راج میں دارالکفر کے حکم میں ہو گیا تھا اور آزادی کے بعد بھی شرعاً اس کا وہی حکم ہے، اگرچہ سیکولر حکومت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جمعیۃ علماءِ ہند کے خطبۂ صدارت پشاور میں متوقع دورِ آزادی کے لئے شرعِ اسلامی کے تحت یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ معاہداتی سیاست کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے، کہ ہم دلوں کی صفائی کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی وسیاسی حقوق کا احترام کریں، جس سے کبھی بھی باہمی جنگ وجدال اور فسادات کی نوبت نہ آئے۔

خاص طور پر حنفی مذہب میں بہت زیادہ توسعات ہیں جن میں معاملات کے لئے دیارِ کفر کے احکام الگ ہیں، جبکہ دوسرے فقہی مذاہب میں سارے احکام یکساں ہیں، اور دیارِ کفر ودیارِ اسلام میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں بھی ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے گرامی واضح کر چکے ہیں۔

(۲۶۱) انوار الباری جلد ۱۶ میں ہم مفصل بحث احکامِ دارالحرب کی لکھ چکے ہیں، اور حضرت تھانویؒ نے بھی آخر میں حضرت امام اعظمؒ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے، خود اپنا عمل بھی اسی کے مطابق کر لیا تھا۔ اور حضرت تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آئندہ جب آزادی کا دور آئے تو یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جنگ وجدال کے بجائے صرف قانونی چارہ جوئی کا طریقہ ہی اختیار کرنا بہتر ہوگا۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ اگرچہ پورا انصاف تو انگریزوں کے دور میں بھی نہیں تھا، مگر آزادی کے بعد اتنے کی بھی توقع نہیں ہے۔

(وقد صدق وللہ درہ)

نزاعی امور میں ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اپنے خطبۂ صدارت میں یہ تک فرمادیا تھا کہ اگر یہاں کے باشندے باہم صدق دل سے معاہداتی سیاست اپنائیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں تو ایسی حالت میں یہاں کے مسلمان یہ بھی پسند نہ کرینگے اور نہ شرعاً اس کا جواز ہوگا کہ کوئی بیرونی اسلامی حکومت آکر یہاں حکومت کرے، چونکہ آئندہ دور جمہوریت، قومیت و وطنیت کا آنیوالا تھا، اس لئے بھی حضرتؒ کا یہ فیصلہ بڑی دوراندیشی پر مبنی تھا۔ واللہ ولی الامور۔

پھر ایسے بڑے اور اہم فیصلے کا حق بھی صرف حضرتؒ ہی کو حاصل تھا جو علم میں بحرلاساحل اور عمل میں نمونۂ سلف تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

۲۶۲ **ضروری تنبیہ** | جیساکہ اوپر ذکر ہوا دیار کفر کے الگ احکام صرف حنفی مذہب میں ہیں اس لئے یہاں دوسرے فقہی مذاہب یا سلفی وغیر مقلدین کے مذاہب کے نقاط نظر شائع کرنا بے محل ہے، جیساکہ حال میں "نقیب" کے اندر شیخ ابن باز کا مضمون شائع ہوا ہے۔

(۲۶۳) فتنوں اور زلزلوں وغیرہ کی کثرت

حضرتؒ نے فرمایا: فتنہ آزمائش وابتلا کو کہتے ہیں، جس سے مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہوجائے، حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے بکثرت آئیں گے، اس سے میں یہ سمجھا کہ پہلی امتوں کا تو معاصی اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور عذاب کے استئصال اور خاتمہ ہوجاتا تھا، لیکن اس امت محمدیہ کا چونکہ بقا مقدر ہوا اور فاجر وفاسق بندوں کو صالح ومطیع بندوں سے ممتاز کرنا بھی تھا، اسی لئے ان میں فتنے مقدر کئے گئے، جن کے ذریعہ سے تمیز ہوتی رہے گی، خاص طور سے قرب قیامت میں کثرت معاصی کی وجہ سے فتنوں کی اور بھی زیادہ کثرت ہوگی۔

ترمذی شریف کے باب اشراط الساعۃ (علامات قیامت) میں بہت سے بڑے معاصی اور ان کی وجہ سے بہت سی بلاؤں میں مبتلا ہونے کا ذکر بھی ہوا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اشراط، جمع شرط کی ہے اور شرط کی جمع شروط آتی ہے۔

(فائدہ) ترمذی شریف کے باب مذکور میں خاص طور سے پندرہ[15] معاصی کا ذکر آیا ہے کہ جب میری امت ان کا ارتکاب کریگی تو اس پر طرح طرح کی بلاؤں کا نزول ہوگا، ۔ وہ یہ ہیں :۔ مال غنیمت[1] کو حلال سمجھیں گے، امانت[2] میں خیانت کرینگے، زکوٰۃ[3] کو بوجھ سمجھیں گے مرد[4] بیویوں کی اطاعت کرینگے۔ اپنی ماؤں[5] کی نافرمانی کرینگے، اپنے[6] دوستوں سے تعلق بڑھائیں گے اور باپ[7] سے گھٹائیں گے۔ مساجد[8] میں شور وشغب کرینگے، فاسق[9] وفاجر لوگ سردار قوم ہوں گے، ان کے شر[10] سے بچنے کے لئے ان کی عزت کی جائیگی، شراب[11] پینے والوں کی کثرت ہوجائیگی، مرد ریشمی[12] کپڑے پہنیں گے، باجوں[13]، گانوں[14] وغیرہ کا رواج زیادہ ہوگا۔ پہلے[15] بزرگوں کی تحقیر وتذلیل کی جائے گی۔ دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ علم دین کو دنیا کے لئے حاصل کیا جائے گا۔

جب ایسے حالات ہوں تو سرخ ہوا (جس کی وجہ سے بلائیں اور بیماریاں ظاہر ہوں گی) اور زلزلے وغیرہ پے درپے آئیں گے۔ (تاکہ لوگ ان معاصی اور برائیوں سے بچیں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ وانابت کے لئے متوجہ ہوں)

(۲۶۴) **مقبور کیلئے عذاب قبر پر اعتراض وجواب** فرمایا :۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم تو قبر کو اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنی ہوتی ہے، اس کا جواب ہمارا خواب ہے کہ ہم اپنے آپ کو عالی شان مکانوں اور محلات کی سیر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، سیر گاہوں میں تفریح کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، حالانکہ ایک ہی جگہ سوتے ہوئے ہوتے ہیں۔

فرمایا :۔ فلسفہ جدیدنے ثابت کیا ہے کہ مقدار (کم متصل) اور وزن کا کوئی حقیقی داصلی وجود نہیں ہے، مقدار کا تو یہ حال ہے کہ خوردبین سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزیں بہت بڑی اور سیکڑوں گنا معلوم ہوتی ہیں، بس آنکھوں کا فرق ہے، ممکن ہے کہ عالم برزخ کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ سکیں جو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ قال تعالیٰ " فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ وغیرہ۔

وزن جسقدر خطِ استواء سے کوئی چیز قریب ہوتی جاتی ہے کم ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ جدید قطب شمالی وجنوبی جو پچاس سال کی تحقیقات میں دریافت ہوئے ہیں، ان میں قوت مقناطیسی بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے اور جو چیز جس قدر اس سے قریب ہوتی ہے اس کا وزن بھاری ہوتا ہے کشش کی وجہ سے۔

اس طرح ہر جگہ کے اوزان میں تفاوت ثابت کیا گیا ہے اور وزن و مقدار کو بلحاظِ مشاہدہ ایک اعتباری چیز قرار دیا گیا ہے۔

(۲۶۵) **تقدیر نہایت بدیہی مسئلہ ہے** فرمایا:- ہم تمام افعال خود اپنے اختیار سے کرتے ہیں مگر اختیار ہم کو بجبر سونپ دیا گیا ہے، پھر بندہ کو افعال کا کاسب اسی لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مباشرِ فعل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو خالقِ افعال اس لئے کہا جاتا ہے کہ اختیار کا استناد اس کی طرف ہے۔

رہا یہ کہ ہم ہی کو اختیار بالاستقلال کیوں نہ عطا فرمایا تو یہ محال ہے کہ ممکن مستقل بالاختیار ہو، پھر اعمال پر ثواب و عقاب کا ترتب تسبب ہے کہ ہمارے یہی اعمال نعیم جنت یا عذابِ دوزخ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جیسے صفراء و سوداء مرض بن جاتا ہے۔ اور غذا فاسد ہو کر بیماری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

(۲۶۶) **"الاسلام یعلو ولا یعلیٰ"** بخاری شریف (ص۱۸۱) کے اس ارشاد کو بہ اعتبارِ تکوین لیا جائے تو اس لئے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک مشرق سے مغرب تک حکومت کی ہے، حالانکہ اس قدر عرصہ تک شروع دنیا سے اب تک کسی نے بھی حکومت نہیں کی ہے۔ اور پھر حکومت بھی ایسی دبدبہ کی کہ تمام حکومتیں اس کے سامنے ہیچ تھیں، انگلستان کا بادشاہ تو بادشاہِ اسلام کو براہِ راست خط نہیں لکھ سکتا تھا جو خط لکھتا تھا وہ وزیر کو لکھا کرتا تھا۔ اور باعتبارِ تشریع کے ظاہر ہے۔

لوگوں نے بجائے اس کے الحق یعلو ولا یُعلیٰ گھڑ لیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور اکثر حق کے مقابلہ میں باطل ہی کامیاب دیکھا ہے، اسی طرح کفر ہمیشہ زیادہ رہا ہے،

اور مسلمانوں کی تعداد بھی بالنسبتہ بہت کم رہی ہے۔

(۲۶۷) **فوٹو اور تصویر میں فرق** احقر نے فوٹو کے متعلق دریافت کیا کہ مصری علماء فوٹو اور تصویر میں فرق کرتے ہیں اور اول کو عندالشرع جائز اور دوم کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو فرمایا کہ یہ ان کا مسئلہ غلط ہے اور فوٹو اور تصویر کا حکم واحد ہے، باقی ضرورت کے مواقع کا استثناء امر آخر ہے۔ (اسی طرح حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح نے بھی فرمایا) ۱۹ اکتوبر ۳۱ء

(۲۶۸) **واجب کا درجہ** فرمایا:۔ فخر الاسلام بزدوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ وَجَبَ کے معنے ایسے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص کام کو جارہا ہو اور دوسرا شخص اس کو اپنا بوجھ دیدے کہ ہمارے گھر پہنچا دینا۔ تو اس وقت کہاجاتا ہے کہ یہ چیز سر پڑ گئی، اسی طرح واجبات ہیں کہ فرض تو تھے ہی یہ بھی حالانکہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں، سر پڑ گئے۔

(۲۶۹) **احتساب و نیت میں فرق** فرمایا:۔ فرق یہ ہے کہ نیت کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اور احتساب میں صرف نیک نیت ہی ہوتی ہے، اور احتساب کے معنی بہ اصطلاح حدیث یہ ہیں کہ ایک فعل کو ہین و حقیر اور سہل تر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تو حدیث میں تاکید ہوتی ہے کہ توجہ کریں یا کوئی فعل بظاہر دشوار سمجھا جاتا ہے اور ہوتا ہے ثواب کا تو ترغیب دی جاتی ہے بہ لفظِ احتساب۔ یا کوئی فعل بطور عادت کیا جا تا ہو تو لفظِ احتساب سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ نیتِ ثواب کرلیا کریں۔ وغیرہ

(۲۷۰) **کفار مخاطب بالفروع ہیں** فرمایا:۔ حنفیہ کے اس میں تین قول ہیں۔ (۱) مخاطب ہیں اداءً لا اعتقاداً۔ (۲) مخاطب ہیں اعتقاداً لا اداءً۔ (۳) مخاطب ہیں اداءً و اعتقاداً۔ کما ذکرہ البحر۔ اور میں بھی اسی کی کو اختیار کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ قول دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق ہے امام شافعی و مالک و احمد کے۔

(۲۷۱) **متشابہات سے مراد کیا ہے؟** فرمایا:۔ حق تعالےٰ کے متعلق جو اعضاءً

انسانی وغیرہ کا ذکر ہے (یعنی متشبہات) وہ بہ اصطلاحِ بخاری رحؒ نعوت کہلاتے ہیں اور نعت کے معنی بیانِ حلیہ کے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ نے ان کا نام حقائقِ الٰہیہ رکھا ہے لیکن سب سے بہتر اور چسپت نام امام بخاری کا ہے، کیونکہ صفاتِ الٰہیہ لاعین ولا غیر اور زائد ہوتی ہیں ذاتِ باری پر (جل ذکرہ) اور نعوت عینِ ذات ہوتی ہیں اور زائد نہیں ہوتیں۔ جیسے حلیہ متعلق ذات ہوتا ہے نہ کہ زائد علی الذات۔

(۲۷۲) **متشابہات قرآن مجید کا اعلیٰ حصّہ ہیں** فرمایا:۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا کہ قرآن مجید میں سے اعلیٰ حصّہ متشابہات ہی ہیں۔ (اور وہ صفات میں ہوتی ہیں نہ کہ احکام میں) شاہ عبدالعزیز رحؒ نے کشفِ ساق میں جس قدر لکھا ہے وہ تمام متشبہات کے لئے کافی ووافی ہے

(۲۷۳) **داڑھی کی مقدار؟** احقر نے داڑھی کی تحدید یکمشت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضؓ کے اثر سے ثابت ہے اور امام مالک کے نزدیک تحدید نہیں ہے بلکہ عرف پر ہے

پھر ۲۷ اکتوبر ۳۱ءکو احقر نے بموجودگی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ یہ دریافت کیا کہ یکمشت سے داڑھی کم رکھنے یعنی کٹوانے میں اور منڈوانے میں گناہ برابر ہے یا تشکیک ہے؟ فرمایا کہ منڈانے میں کترانے سے زیادہ گناہ ہے، البتہ اگر جڑ سے کتروائے تو منڈانے کے ہی برابر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ مالکی حج کرنے آتے ہیں جن کی داڑھیاں خس خسی یا منڈی ہوئی ہوتی ہیں، اسی طرح مغرب کے شافعی حجاج آتے ہیں جن کی داڑھیاں منڈی ہوتی ہیں۔ اس قدر عمل شریعت ودین پر رہ گیا ہے حنفیہ حجاج کے عموماً داڑھیاں ہوتی ہیں۔

فائدہ احقر بحیثیت طبیب کے عرض کرتا ہے کہ داڑھی منڈانا طبی نقطۂ نظر سے رجولیت (مردانہ قوت) کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ جبکہ موئے زار کے لئے استرے کا استعمال نہایت درجہ مفید ہے۔ (بجنوری)

(۲۷۴) **مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حقوق ہیں** فرمایا:- وہ حقوق منتشر ہیں، منضبط نہیں، اور ایسے زائد صدقات کا لینا بعض کا ترغیباً اور بعض کا تاکیداً زمانۂ صحابہ میں بھی ثابت ہے۔

(۲۷۵) **حضرت شاہ صاحبؒ کے ذاتی حالات خود انکی زبانی** فرمایا:- میں بارادۂ ہجرت وطن (کشمیر) چھوڑ کر آیا تھا، اور (دیوبند) ۱۸ سال رہا، جن میں سے ۶ سال دارالعلوم سے کوئی وظیفہ بھی نہیں لیا، پھر نکاح ہوا۔ صرف اپنے بزرگوں کے اتباع میں علم پڑھا تھا، نہ دنیا پیشِ نظر تھی اور نہ دین ہی کے لئے خاص نیت تھی۔

ایک روز فرمایا کہ میں صرف حرمین میں رہا ہوں، مصر وغیرہ نہیں گیا، عربی لینے میں مجھ سے وہاں کے سارے لوگ ہیٹے تھے، الا بغداد کے ایک عالم جو جہاز میں میرے ہمراہ تھے، مگر وہ بھی تکلف کرتے تھے، اور صاحب رسالہ حمیدیہ کہ وہ میرے ہمراہ ایک ماہ رہے اور سوچ سوچ کر تکلفاً میری باتوں کا تھوڑا بہت جواب دیتے تھے۔

ایک دفعہ اس بارے میں یوں فرمایا کہ میں عرب گیا تو مجھ سے کوئی صاف اور بے تکلف عربی بولنے والا نہ ملا، صاحب رسالہ حمیدیہ البتہ مجھ سے اچھی طرح عربی بول لیتے تھے۔ لیکن میرے استفسار پر انھوں نے فرمایا کہ مجھے بھی تکلف کرنا پڑتا ہے تم سے بولنے میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس کی وجہ حضرتؒ کے مقابلہ میں دوسرے علماء عصر کے علم کی کمی تھی، کیونکہ حضرتؒ بحر العلوم تھے، یہی حال ہم نے بزمانۂ قیام مصر علامہ کوثریؒ کا بھی دیکھا کہ وہ علماءِ ازہر کے مقابلہ میں بڑی روانی کے ساتھ اور عمدہ فصیح وبلیغ عربی میں بے تکان بولتے تھے، اور وہ لوگ کمیٔ علم کی وجہ سے قاصر رہتے تھے۔ اور ہم دونوں کا علم تو اِن دونوں اکابر کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا، مگر علمی مطالعہ کی وجہ سے علماءِ حرمین ومصر کے ساتھ بے تکلف علمی مذاکرات کیا کرتے تھے، اسی لئے ہمارا خیال ہے کہ صرف ادبی عربی زبان کی مہارت اور تقریر وتحریر بغیر وسعت مطالعہ

کے بے سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فرمایا میں نے دیوبند میں صرف چار کتابیں پڑھی ہیں، ہدایہ اخیرین (تا کتاب الکفالۃ) بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف۔ اور مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ سے مسلم شریف، ابن ماجہ موطأ امام مالکؒ کشمیر میں پڑھی ہیں۔

(۲۷۶) **تائیدِ مذہبِ حنفی کے لئے سعی مشکور** فرمایا: میں نے حنفیہ کے لئے اس قدر سامان جمع کیا ہے کہ آج تک مجموعی طور سے بھی تمام سلف علماءِ احناف سے نہیں ہو سکا ہے، لیکن افسوس ہے کہ میری یادداشتوں کو صاف اور منقح کرنے کے لئے کوئی صاحب سواد نہیں ملا اور نہ امید ہے۔

(آخر میں حضرتؒ کچھ احقر سے مطمئن ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ "یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو ہم بڑا کام کر لیتے" افسوس ہے کہ دیوبند کے بعد احقر کے تین سال کرنال میں ضائع ہو گئے، ورنہ ممکن تھا کہ اتنی مدت اور حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں رہ کر آپ کی مزید خوشنودی حاصل کر کے اس کو ذخیرۂ آخرت بنا سکتا۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد)

(۲۷۷) **فقہِ حنفی اور حدیث** فرمایا: حنفیہ کی اکثر جزئیات احادیث کے ماتحت نکلیں گی، بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں۔ پس حنفیہ کا مذہب زیادہ اسفر و روشن ہے۔

(۲۷۸) **علم کی خامی و پختگی** فرمایا: جس کا علم کچا ہوتا ہے، اسی کو قواعد بازی کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ جس عالم کے سامنے خصوصی ذخیرہ اور جزئیات کا ڈھیر ہوتا ہے، وہ قواعد کی حقیقت کچھ نہیں سمجھتا۔

(۲۷۹) **حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر اور وسعتِ مطالعہ** فرمایا:۔ میرا مطالعہ و نظر بہت سے شراحِ حدیث سے زیادہ ہے اور حافظ ابن حجر سے بھی تتبع طرق و اسانید میں تو کم لیکن معانیِ حدیث میں زیادہ ہی کلام کر سکتا ہوں، پس جن کو

کلام کرتا ہوں ان سے زیادہ جانتا ہوں۔

(۲۸۰) پھر فرمایا کہ حافظ سے بھی حوالے وغیرہ بہت غلط ہوئے ہیں، میرے کم غلط ہوں گے۔ اور حافظ کو بعض قیودِ حدیث بھی محفوظ نہیں رہیں اور میں اُن ہی قیود سے جوابدہی کرتا ہوں۔

معنئے حدیث ان کا موضوع بھی نہیں ہے، اس لئے ہر جگہ ان سے بڑھ جاؤنگا یوں ہی دعوے نہیں ہیں، اور حقائق و معارف میں شیخ اکبر کے سوا سب سے زیادہ واضح کرسکتا ہوں، اُن سے بھی کہہ دیتا مگر دل میں نہیں ہے، وہ نصوص سے نہیں ثابت کرتے اور میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔

(۲۸۱) **رواۃ بخاری کی غلطیاں** فرمایا:۔ میں بھی اگر چاہتا تو بخاری کے رواۃ کی غلطیاں سو کے قریب جمع کر دیتا، مگر افسوس ہے کہ اس پر میں نے کوئی یادداشت جمع نہ کی۔ اور صرف یہی جمع ہو جاتا کہ ایک راوی کئی کئی جگہ باہم متعارض و متخالف روایات کرتا ہے اور درس میں اس کو بتلا بھی دیتا ہوں اور یہ بھی کہ نئی چیز کہاں نکلی اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

(۲۸۲) **مساجدِ رسول اللہ بطور یادگار** فرمایا:۔ کتبِ سیر سے یہ ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے جہاں چند روز قیام فرمایا غزوات وغیرہ میں، جیسے احزاب میں قریب پندرہ روز کے محاصرہ میں مقیم رہے تو ایک جگہ پتھروں کی چہار دیواری بنا دیتے تھے اور اندر فرش ہموار کر دیتے تھے، جس میں نماز ہوتی تھی، اور اس کو مسجدِ نبی کہتے تھے۔

سیر والوں نے بھی ان کو مسجدِ رسول اللہ کہا ہے تا کہ بعد والے یادگار سمجھیں یہ نہیں کہ وہ فقہی مساجد ہو گئیں تاکہ ان کے احکام مرتب ہوں۔

(۲۸۳) **صلوٰۃ علےٰ غیر النبی کا جواز** فرمایا:۔ اس کا جواز کتاب اللہ و حدیث سے ثابت ہے قولہ تعالےٰ وصل علیہم پس عدمِ جواز محض اس لئے ہے کہ عرفاً انبیاء علیہم السلام

کے لئے مخصوص بولا جانے لگا ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے عدمِ جواز کی۔ اور مذاہب اربعہ سب ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق کراچی سے ایک شخص نے دیوبند استفتاء بھیجا تھا کہ ان پر ان کے مرید درود بھیجتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ تو میں نے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اسی وقت سے انھوں نے ہم پر فتوےٰ تکفیر کا دیا ہے۔

(۲۸۴) **اظہارِ لاعلمی** فرمایا:- میں جس چیز میں تشفی نہیں پاتا یا کسی بات کو نہیں جانتا تو ہزاروں میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ میں اس کو نہیں جانتا، لیکن آج کل عموماً اس کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

(۲۸۵) **وقف وارصاد میں فرق** ارصاد وہ ہے کہ سلاطین جو چیزیں رفاہِ عام کے لئے رکھتے ہیں (اس کا ذکر مبسوطات میں ہے، متون میں نہیں ہے) اور حنفیہ کے نزدیک منقولات کا وقف بھی جائز ہے بشرطیکہ متعارف ہو۔

(۲۸۶) **سامانِ جہاد تیار کرنا** فرمایا:- جنگِ بدر میں صرف تین گھوڑے ساتھ تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہدِ مبارک میں مدینہ سے تین منزل پر تیس ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی تھی بھیجے جاتے تھے۔ آج ہم یورپ کے جنگی ساز و سامان پر حیرت کرتے ہیں، مگر مسلمانوں کے اس قسم کے گذشتہ انتظامات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور آج کل بھی گو زمانہ پلٹ گیا ہے لیکن عرب کا گھوڑا دنیا کا بہترین گھوڑا مانا جاتا ہے اور عربی اصیل گھوڑا انتیس ۳۰ تیس ۴۰ ہزار میں بکتا ہے۔

حضرت عمرؓ جہاد کے گھوڑوں پر "الوقف للہ" کا ٹھپہ لگوا دیا کرتے تھے۔

(۲۸۷) **زیادہ اور کم خوراکی** ایک شخص کا واقعہ سنایا جو ۲ نان اور ۲½ سیر گوشت کھا لیا کرتا تھا، اور بظاہر جسم و جثہ سے اوروں کی طرح تھا، اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ میں نے صرف تین شخصوں کو دیکھا ہے جو لذائذِ دنیوی سے بے نیاز ہو کر گذر کرتے تھے، بقیہ کو تو عیش و راحت اور لذیذ کھانوں پر ہی مائل دیکھا۔

۱۔ حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کے سوا، یا ڈیڑھ چپاتی کھاتے تھے اور بہت زیادہ سادہ و بے مزہ سالن کھاتے تھے اور مہمانوں کے لئے جب کچھ تکلف ہوتا اس وقت بھی مکلف کھانا دکھلانے کو کچھ کھا لیتے تھے، مگر قطعاً رغبت نہ فرماتے تھے

۲۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ، صبح کے وقت چاء پیا کرتے تھے، میں صبح غلس ہی میں پڑھنے جایا کرتا تھا، لیکن مجھے چائے کے لئے کبھی نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ مجھے بھی نصف پیالی دیدی جو بغیر دودھ کے بالکل کڑوی سبز اور نمکین تھی، میں نے اس کو بدمزہ ہونے کی وجہ سے مشکل سے پی۔

۳۔ مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری رحمہ اللہ، جیسا بھی کھانا سامنے آجاتا کھا لیتے تھے، کبھی نہ کوئی عیب نکالتے تھے اور نہ لذیذ کھانوں کی فرمائش کرتے تھے۔

درحقیقت جیسی بھی عادت بچپن سے پڑجاتی ہے، ویسی ہی آخر تک رہتی ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات میں آیا تھا کہ وزیر ایران، وزیر جاپان کے پاس گیا اور لوٹا تو کھانا پسند نہ آنے کی شکایت کی، میں نے کہا کہ وزیر تو ہو گیا، مگر اتنی بات نہ سمجھا کہ کھانوں کا اچھا برا ہونا اپنی عادت کے موافق ہوتا ہے۔

(۲۸۸) **اداءِ زکوۃ کی قیود** مولانا کفایت اللہ صاحب نے مجھ سے دو مرتبہ اس بارے میں گفتگو کی کہ زکوٰۃ کے مسئلہ میں جو قیود عند الحنفیہ ہیں وہ بربناء مصالح اٹھادینی چاہئیں، تاکہ مدارس و مساجد وغیرہ میں صرف کی جاسکے، میں نے کہا کہ یہی کرنا ہے تو بخاری رحمہ اللہ کا مذہب لے لو۔

نیز تفریق بین الزوجین کے مسئلہ میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ زوج نفقہ نہ دے سکے تو تفریق کردی جائے، پھر مأخذ پوچھا تو میں نے کہا کہ فلاں آیت سے امام مالک عام مراد لیتے ہیں اور دوسرے ائمہ خاص۔

(۲۸۹) **امام اعظم سے روایتِ مرجوحہ** فرمایا: اگر امام صاحب رحمہ اللہ کی کوئی روایت مجھ کو مل جاتی ہے خواہ وہ مرجوح ہی ہو تو میں اس کو لے کر حدیث کا جواب دیدیتا

کرتا ہوں۔

(۲۹۰) **سنن بیہقی قلمی زیادہ صحیح ہے** | فتح الباری میں ایک مقام پر حافظؒ بیہقی کے حوالے دئے ہیں، جو حنفیہ کے لئے مضر ہیں، میں نے تقریبًا ۲۱ سال ہوتے ہیں کہ مولانا گنگوہیؒ کے یہاں قلمی بیہقی دیکھی تھی (جواب بھی موجود ہے) اس میں حنفیہ کے موافق پایا اور اب طبع بھی ہوگئی ہے، لیکن اس میں حافظ کے موافق درج ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ نسخہ بھی غلط ہی ہوگا، جو حافظ کے پیش نظر تھا، اس لئے حافظ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اب ۲۱ سال کے بعد اس کے قرائن بھی لکھنے شروع کئے ہیں کہ قلمی صحیح ہے۔

(۲۹۱) **عورت کا کشف وجہ وغیرہ** | درس بخاری شریف، قصۂ فضل بن عباسؓ (قصہ ۲۵) کے تحت احقر کے استفسار پر فرمایا:۔ عورت کا اجنبی مرد کے سامنے کشفِ وجہ و کفین و قدم جائز ہے، بشرطیکہ امن ہو، اور اسی طرح اگر امن ہو تو عورت کو بھی اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔

(۲۹۲) **حجۃ الوداع میں تعداد صحابہؓ** | فرمایا:۔ حجۃ الوداع میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بروایتے ستر ہزار اور بروایت ابی ذرعہ (امام حدیث) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ شریک ہوئے تھے اور جس قدر بھی مسلمان ہو چکے تھے، سب ہی شریک ہوئے ہیں۔

(۲۹۳) **اناج پر بیٹھنا جائز ہے** | فرمایا:۔ فتح الباری میں ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اسی اونٹ پر سوار ہوئے تھے، جس پر زاد تھا، لہٰذا میں نے مسئلہ نکالا کہ اناج پر بیٹھنا جائز ہے

(۲۹۴) **واجب کا درجہ سب کے یہاں ہے** | فرمایا:۔ مالکیہ۔ حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں واجب نہیں ہے، لیکن فقہ مالکی میں ہے کہ جماعت فرض عین ہے مگر شرطِ صحت نہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ تو حنفیہ کا واجب ہی ہوا، اور حنفیہ میں بھی تصریح ہے

کہ واجب عملاً فرض ہے گو اعتقاداً فرض جیسا نہیں ہے۔

(۲۹۵) **بعض الناس سے مراد** فرمایا:- بخاری شریف میں لفظ بعض الناس ۲۲ جگہ آیا ہے، اکثر امام اعظمؒ مراد ہوتے ہیں اور کہیں کہیں امام شافعیؒ اور ایک دو جگہ امام محمدؒ اور ایک جگہ امام زفرؒ اور کہیں بعض الناس سے مقصد رد اور کبھی قبول بھی، اور کسی جگہ توقف، اور بعض جگہ محض نقل مذہب ہوتا ہے۔

(۲۹۶) **حضور علیہ السلام نے قران کیا ہے** فرمایا:- امام مالک و شافعی نے مان لیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم قارن تھے اور حنابلہ نے کہا کہ متمتع تھے، کیونکہ حدیث میں ولم یحل من اجل بدنتہ وارد ہوا ہے (بخاری ص۲۰۹) حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ عدم حلت عن الاحرام بوجہ قران وسوق ہدی ہر دو ہوگا نیز بخاری ص۲۱ میں تصریح ہے "وسمعتھم یصرخون بھما جمیعا" یہ بھی قران پر دال ہے۔

دوسرے وقت فرمایا:- حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں قران کیا ہے اس کے لئے میری ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ ہدی میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے، اور وہ قارن تھے۔

ہدی کے ۱۰۰ اونٹ تھے جن میں سے (احادیث صحیحہ سے میرا استنباط ہے کہ) ۶۳ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ذبح فرمائے، گویا آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابلہ میں ایک اونٹ تھا اور حضرت علیؓ کی عمر ۳۲ سال تھی لہٰذا ۳۲ انھوں نے ذبح فرمائے، اور باقی پانچ کو دوسرے وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ذبح فرمایا ہے اور اسی لئے حدیث بخاری وغیرہ میں لفظ بدنات آیا ہے جو کہ جمع قلت ہے اور اس کا محل میرے نزدیک یہی پانچ اونٹ ہیں۔

(۲۹۷) **تلبیہ وطواف کی اہمیت** فرمایا:- حج میں اصل وظیفہ حاجی کا تلبیہ ہی ہے باقی صلوۃ علی النبی و دیگر اذکار بھی ممنوع نہیں ہیں، اور افضل عبادات حج

کے زمانہ میں طواف کعبہ ہے، کما صرح بہ الفقہاء۔

(۲۹۸) **بہائم اور عظمت انبیاء علیہم السلام** | فرمایا:- بہائم انبیاء کی کس قدر عظمت کرتے ہیں اور کس قدر پہچانتے ہیں، اس کا اندازہ اُس سے ہو سکتا ہے کہ حجۃ الوداع میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب اونٹوں کو ذبح فرمانے لگے تو وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے کہ پہلے ہمیں ذبح فرمائیں۔

(۲۹۹) **موت کے لئے پیر کا دن افضل ہے** | فرمایا:- یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا ارشاد ہے کہ موت کے لئے پیر کا دن جمعہ سے افضل ہے اور پیر کے روز ہی ۶۳ سال کی عمر میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی ہے۔

(۳۰۰) **قبور روضہ نبویہ** | فرمایا:- قبلہ مدینہ منورہ میں جنوب کی طرف ہے اور قبریں اس طرح ہیں:- (جنوب) (مشرق) (شمال) (مغرب)، اول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے، پھر حضرت ابوبکرؓ کا اور پھر حضرت عمرؓ کا۔

(۳۰۱) **ذکر علامہ ابن تیمیہؒ کا** | فرمایا:- میرا خیال ہے کہ ابن تیمیہ گو پہاڑ ہیں علم کے مگر کتاب سیبویہ کو نہیں سمجھ سکے ہوں گے کیونکہ عربیت اونچی نہیں ہے، فلسفہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ کم اتنا جاننے والے ہوں گے مگر ناقل ہیں، حاذق نہیں ہیں۔

معقولات کا حاضر رکھنے والا بھی ان جیسا کم ہوا ہے اور مطالعہ بھی بہت زیادہ ہے مگر باوجود اس کے کچی بات کو اختیار کر لیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاذق نہ تھے، سیبویہ کی سترہ غلطیاں نکالی ہیں اور میرا خیال ہے کہ خود ہی غلط سمجھے ہونگے

(۳۰۲) **عام خاص سے راجح ہے** | فرمایا:- عام کا عموم اگر سلف میں زیر عمل رہ چکا ہو تو وہ خاص سے راجح ہے ورنہ خاص راجح ہے۔ اور عام کو خاص پر حمل کرینگے (ابوبکر جصاص) لہٰذا معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں حمل عام علی الخاص مدام دہمیشہ نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

(۳۰۳) **سیّد کے لئے زکوٰۃ** فرمایا: میرے نزدیک سیّد کو زکوٰۃ کا مال لینا سوال کرنے سے بہتر ہے، امام رازی و طحاوی بروایت امام ابی حنیفہ قائل جواز ہوئے ہیں، اور امام رازی کو نقہ فی النفس حاصل ہے، اس لئے میں جواز کا فتویٰ دیدیتا ہوں۔

(۳۰۴) **رجوع فی الھبہ کی تحقیق** فرمایا:- رجوع فی الھبہ اگر موانع سبعہ موجود نہ ہوں، تب بھی بغیر قضاءِ قاضی یا بغیر رضاءِ موہوب لہ کے صحیح نہیں ہے اور بصورت عدمِ موانع سبعہ و تحقق قضاءِ قاضی یا تراضی بھی قضاءً صحیح ہوتا ہے مگر دیانۃً پھر بھی عند بعض الحنفیہ مکروہ تحریمی ہے، جس کو حنفیہ ناجائز کہتے ہیں اور بعض حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ (درمختار مع شامی جلد ۴)

پھر فرمایا کہ یہ شرائط تحقق قضاء و تراضی شامی وغیرہ میں نہیں ملتیں، بلکہ متنِ کنز میں ہیں، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے دیوبند میں ایک بار اسی مسئلہ رجوع فی الھبہ میں جواز کا فتوے دیا اور میرے پاس تصدیق کے لئے آیا تو میں نے عرض کیا کہ مسئلہ غلط ہے، کیونکہ قضاءِ قاضی یا تراضی کا بھی ہونا ضروری ہے، علاوہ موانع سبعہ کے ارتفاع کے۔ حضرت مفتی صاحب نے فتوے واپس لے لیا، لیکن اگلے روز کہلا کر بھیجا کہ تمام شامی دیکھی گئی کہیں ان شروط کا ذکر نہیں ہے تو میں نے متن کنز کا حوالہ دیا اور اس کو مفتی صاحب نے قبول فرمایا۔

اسی طرح کنز کتاب الحج میں ایک باب ہے جو شامی وغیرہ بڑی کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ دوسرے وقت تبلایا کہ وہ باب الفوات ہے کہ حج فوت ہوجانے کی صورت میں افعال عمرہ کر کے احرام سے نکلے گا اور اس عمرہ کو عمرۂ فوات کہتے ہیں۔ (بخاری عن ابن عمرؓ ۲۴۳/۱ باب الاحصار)

(۳۰۵) **قیام میلاد کے بارے میں تحقیق** فرمایا:- حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی نے اس کو مستحب کہا ہے اور حضرت سعدؓ کے لئے حضور علیہ السلام کے فرمان "قوموا لسیدکم" کو حجت بنایا ہے، (سیرۃ حلبی) یہ حالت ہے علم حدیث کے

اجلِ فاضلین کی کہ امرِ متیقن و مشاہد پر ایک امرِ موہوم وغیر مشاہد کو قیاس کرتے ہیں تفقہ نہ ہونے کے باعث۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا تشریف لانا امرِ موہوم ہے، عنایت ہو جائے تو آجائیں ورنہ نہیں، حافظ ابن حجر حدیث کے پہاڑ ہیں کہ اگر کسی پر گریں تو ڈھادیں اور فقہ میں درک نہیں ہے۔

(۳۰۶) **تفقہ کا فقدان** فرمایا:۔ صاحبِ درمختار اور شامی وغیرہ محض ناقل ہیں اور فقہ سے (جو کہ صفتِ نفس ہوتی ہے) مناسبت بھی نہیں ہے، محض حضرت گنگوہی رحمہ کو دیکھا کہ ان کو کچھ مناسبت تھی اور گمان یہ ہے کہ تین صدی سے تفقہ مفقود ہے۔

(۳۰۷) **زود نویسی کے شاہ کار** فرمایا:۔ علامہ عینیؒ نہایت زود قلم تھے اور انھوں نے خود لکھا ہے کہ قدوری ایک دن میں لکھدی تھی۔ اس پر مزید دو[۲] قصے بھی حضرتؒ نے سُنائے۔

۱۔ میں اور والد صاحب اور ایک صاحب علاقہ دار (عبد اللہ) ایک مرتبہ ساتھ جا رہے تھے اور وہ شخص والد صاحب سے باتیں کرتا جاتا تھا اور بہت تیز لکھتا بھی جاتا تھا اور اس کی غلطیاں بھی نہیں دیکھیں۔

۲۔ ایک شخص نے گلستاں ایک دن میں لکھدی تھی۔

(۳۰۸) **رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کے ساتھ رفع یدین** فرمایا:۔ اس پر میرا ایک اعتراض ہے جو عرصہ سے لکھا ہے اور شافعیہ میں سے اس کا جواب کسی سے بھی نقل نہیں ہوا، وہ یہ کہ حج کے احکام میں وارد ہے کہ اونچائی پر چڑھتے ہوئے تکبیر اور نچائی پر اترتے ہوئے تسبیح کہے۔ لہٰذا جس طرح حج میں اترتے ہوئے تکبیر نہیں ہے نماز میں بھی رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر مع رفع یدین نہ ہونی چاہیئے، باقی یہ کہ رکوع میں جاتے ہوئے بغیر رفع یدین کے حنفیہ کے یہاں بھی تکبیر ہے، تو اس کا جواب سب ہی پر ہے، اور ہم تو شارع سے نقل پیش کر دینگے، اور وہ کافی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے ثابت ہے کہ سفر میں اترتے ہوئے تکبیر نہیں پڑھتے تھے۔

(حضرتؒ کا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ رکوع میں جاتے ہوئے قولی تکبیر تو امر تعبدی کے تحت ہوئی، لیکن اس کو ہم فعلی تکبیر (رفع یدین) سے موکد نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اترائی میں سرے سے تکبیر ہے ہی نہیں، اسی لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔)

(۳۰۹) **روضۂ اطہر عرش سے افضل ہے** فرمایا اکثر علماء اسی کے قائل ہیں کہ روضۂ مقدسہ نبویہ عرش سے بھی افضل ہے، صرف ابن تیمیہ توقف کرتے نظر آتے ہیں، مجاہد سے مرسل صحیح مروی ہے کہ بروز قیامت، جب حق تعالٰے کی تجلی ہوگی عرش پر تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرش پر داہنی طرف ہوں گے، گویا اس روز بھی حضور علیہ السلام کو یہ عظیم منقبت حاصل ہوگی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالٰے کی تجلی خاص طور سے اپنی سب سے بڑی مخلوق عرش پر ہوگی۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی عرش پر بیٹھا ہوگا، یا کسی خاص جہت میں ہوگا وغیرہ)

پھر فرمایا کہ مدفن مبارک کے علاوہ باقی مدینہ منورہ مفضول ہے بیت اللہ سے، احد کے پیچھے پہاڑ ہے عیرؔ اور مغربی جانب میں ہے عایرؔ، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میں حرم مدینہ ہے۔

(۳۱۰) حدیث بخاری شریف (ص۲۵۱) باب حرم المدینۃ میں جو لعنت اللہ والملائکہ کی وعید آئی ہے، وہ قولہ تعالٰے ومن یرد فیہ بالحاد نذقہ من عذاب الیم سے ماخوذ ہے یہ بھی فرمایا کہ میرا دعوے ہے کہ تمام احادیث قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔

(۳۱۱) **بچوں کی نمازوں کا حکم** فرمایا:۔ بچوں کے متعلق یہ کہنا چاہیئے کہ پڑھ تو رہے ہیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء فجر ہی لیکن وہ واقع ہو رہی ہیں نفل۔ یہ کہنا غلط ہے کہ وہ نفل پڑھ رہے ہیں اور اس امر کی بھی نقل نہیں ہے کہ بچوں کی عبادت کا ثواب والدین کو ملتا ہے۔

(۳۱۲) **نذر مشی الی بیت اللہ کا حکم** فرمایا:۔ حنفیہ کے نزدیک یہ نذر صحیح

وجائز ہے اور مشی لازم ہے، البتہ معذور ہوجائے تو رکوب جائز ہے، لیکن جزاء آئیگی اس کے علاوہ کسی زیارت یا مسجد وغیرہ کے لئے چل کر جانیکی نذر کرے تو مشی لازم نہ ہوگی امام طحاوی رح کے نزدیک علاوہ جزاء کے کفارۂ یمین بھی ہے، لیکن میرا گمان ہے کہ عام حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

(۳۱۳) **خیر القرون سے مراد** حدیث بخاری شریف (ص۳۶۲) خیر القرون قرنی الخ کے بارے میں فرمایا:۔ اکثر علماء نے اس کو صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے زمانوں پر محمول کیا ہے، اور بعض مصنفین نے لکھا کہ تدریجاً تنزل ہوتا جائے گا قیامت تک اور حضرت شاہ ولی اللہ رح نے جمہور کے خلاف یہ شرح کی ہے کہ فقط تیس سال تک خیر القرون کا زمانہ رہا، اول آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، دوسرا حضرت ابوبکر و عمر رض کا زمانہ تیسرا حضرت عثمان و علی رض کا زمانہ۔

(۳۱۴) **فضیلت و قرابت کا فیصلہ** بخاری ص۵۱۶ باب فضل ابی بکر رض پر فرمایا یہ تو حضرت ابن عمر رض ہی صحابہ کرام کا فیصلہ بتلا رہے ہیں کہ ہم لوگ حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی میں حضرت ابوبکر رض کو حضرت عمر رض پر فضیلت دیا کرتے تھے، اور پھر حضرت عمر رض کو حضرت عثمان رض پر، اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رض کی فضیلت امام اشعری کے نزدیک قطعی ہے اور علامہ باقلانی اس کو ظنی کہتے ہیں، میری رائے میں امام اشعری کا فیصلہ راجح و صواب ہے، کیونکہ اس کے لئے احادیث اتنی زیادہ وارد ہوئیں کہ ان سے تواتر سے بھی اوپر کا درجہ ثابت ہو سکتا ہے، پھر اسی طرح حضور علیہ السلام کے دونوں دامادوں حضرت عثمان و علی رض کا بھی حال ہے، لیکن آگے جو ترتیب (۳۱۵) نفضیلت (وخلافت) کی سامنے آئی اس میں قرابت کے لحاظ سے برعکس صورت بن گئی، کہ جو قرابت و نسب کے اعتبار سے حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب تھے، ان کی یہ فضیلت آخر میں ظاہر ہوئی، یعنی حضرت علی، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت عمر رض کیونکہ حضرت علی رض نسب میں بھی اقرب تھے، پھر داماد بھی ہوئے، حضرت عثمان ذوالنورین ہوئے

اور حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کی وجہ سے حضور سے قریب ہوئے۔

معلوم ہوا کہ قرابت و وراثت کا درجہ ذاتی فضائل و مناقب کے مقابلہ میں مرجوح ہے جس کی وجہ سے خلافت میں معاملہ برعکس ہو گیا کہ حضرت ابو بکر کے بعد پہلے حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی خلیفہ ہوئے۔

آگے بخاری ص۵۹ میں حضرت معاویہؓ کا قول ذکر ہوا کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ابن عمر اور ان کے باپ کے۔

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قرابت نبویہ کا معاملہ ترتیب خلافت سے برعکس ہے، چنانچہ حضرت علیؓ جو حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب تھے وہ حضرت ابو بکرؓ سے برعکس ہوتے اور حضرت معاویہؓ بہ نسبت حضرت عمرؓ کے حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ قربت والے تھے اسی لئے حضرت معاویہؓ نے اوپر والی بات کہی ہے۔

حضرتؒ کا یہی ارشاد فیض الباری ص۱۰۱/۴ میں بھی ہے اور حاشیہ بخاری میں فتح الباری سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمر کی رائے حضرت معاویہؓ سے مختلف تھی۔

آخر میں حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت مہدی علیہ السلام سے بھی یقیناً افضل ہیں۔

(نوٹ) حضرتؒ کے ارشاد مذکور سے واضح ہوا کہ قرابت نبوی کا درجہ کتنا ہی زیادہ بھی ہو تو وہ ذاتی فضیلت و منقبت کے وہ مدارج حاصل نہیں کر سکتا، جو خلافت نبوی کے لئے ضروری و اہم تر ہیں۔ اسی لئے حضرت علی و عثمانؓ کی خلافت مؤخر ہو گئی، اور اسی سے ہمیشہ کے لئے امارت ایسی اہم ترین ذمہ داری کے واسطے بہ نسبت وراثت و قرابت کے ذاتی فضائل و مناقب کو ہی ترجیح حاصل ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اوپر کی تفصیل سے یہ زریں اصول امت محمدیہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے قائم ہو گیا کہ کسی بھی اہم ذمہ داری کے منصب و عہدہ کے لئے نسب، وراثت و قرابت کی بجائے، اس عہدہ کے واسطے ذاتی کمالات و فضائل اور اہلیت و صلاحیت ہی کو ترجیح دینی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام العصر شاہ صاحبؒ کے ملفوظات گرامی مدت ہوئی "نطقِ انور" حصہ اول کے نام سے شائع ہوئے تھے، اب نئی کوشش سے باقی دوسرے ملفوظات بھی جمع کئے گئے ہیں اور ان سب کا یہ مجموعہ عزیزم عالی قدر مولانا محمد انظر شاہ صاحب سلمہ عمدہ اہتمام سے شائع کر رہے ہیں۔

ایک مجموعہ حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری انوری قادریؒ نے بھی جنوری ۱۹۶۸ء میں "انوارِ انوری" کے نام سے شائع کیا تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانۂ دیوبند کے تلمیذِ حدیث تھے ان کو بھی حضرتؒ کے علوم سے بڑا شغف تھا اور حضرتؒ کی معیتِ سفر و حضر کا بھی بڑا شرف حاصل فرمایا تھا، آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ اُن کے جمع کردہ ملفوظات کو بھی یہاں شامل کیا جارہا ہے جو ص سے ص تک ہیں)

اس میں حضرت شاہ صاحبؒ اور دوسرے اکابر کے حالات و سوانح کے علاوہ دوسرے بھی بے شمار علمی افادات ہیں، جن کو ہم یہاں نہیں لے سکے

حضرت مؤلف انوارِ انوریؒ نے فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۳۱۶) یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ ایک قطرہ ہے بحرِ محیطِ کمالاتِ انوریؒ میں سے۔ اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، ہمارے جیسے ہیچمدانوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا۔ اس کتاب کو آپ

حضرات بغور مطالعہ کر کے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم انوری اتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب ایناس کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر ردِ عیسائیت میں لگائی ہے، اسی طریقے سے سبھی کتابیں ہیں ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ کے حسب ذیل ارشادات نقل کئے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حامداً و مصلیا- روض الریاحین مصنفہ مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم مفتی مدرسہ امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں. مولانا کفایت اللہ صاحب کا نہایت بلیغ قصیدہ ہے، جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سولہ[۱] صفحے پر ختم ہوا - پہلا شعر ہے ؎

عرفت اللہ ربی من بعید فکم بین الالٰہ والعبید

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۲۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا، پھر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھپوایا گیا

وَنَخْتِمُ ذَا الْكَلَامَ بِذِكْرِ حِبْرٍ	فَقِيْدِ الْمِثْلِ عَلَّامٍ فَرِيْدِ
اب ہم ایک بڑے عالم کے ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں	وہ بے نظیر علامہ یکتائے زمانہ ہیں
مُرِيْغِ الْعِلْمِ مُقْتَنِصِ الْفُنُوْنِ	لَهٗ كُلُّ الْمَزَايَا كَالْمَصِيْدِ
علم کو ڈھونڈ نکالنے والے فنون کو شکار کرنیوالے	تمام فضیلتیں ان کے فتراک کا شکار ہیں
نَبِيْهٌ فَائِقُ الْأَقْرَانِ يُدْعٰى	بِأَنْوَرْ شَاهْ مَوْمُوْقِ الْحَسُوْدِ
بزرگ مرتبہ ہمسروں پر فائق جن کو	انور شاہ کہہ کر پکارا جاتا ہے حاسد کے محبوب

۱؎ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو۔

فَهٰذَا الحِبْرُ غَارِسُ ذِی النَّخِیْلِ | وَاَوَّلُ مُوْقِظِ الْقَوْمِ الرُّقُوْدِ
کیونکہ یہ علامہ اِس درخت کے لگانیوالے ہیں | اور سوتی قوم کو اول اول جگانیوالے ہیں

حاشیہ صفحہ ؎ علامہ فہامہ جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں، ذہن وذکا۔ ورع وتقویٰ میں فردِ کامل مدرسہ ہذا میں مدرس اول تھے بلکہ جیسا آئندہ شعروں میں بیان کیا گیا ہے اس شجرِ علم کے لگانے والے آپؒ ہیں۔ کیونکہ مولوی محمد امین الدین صاحبؒ دہلی تشریف لائے تو مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا نہ روپیہ، آپ نے محض متوکلاً علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔

اور مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب آپ کے شریک تھے، دونوں صاحبوں نے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، فاقے کئے مگر استقلال کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آہستہ آہستہ اہلِ دہلی کو خبر ہوئی اور لوگ متوجہ ہونے لگے، یہاں تک کہ مدرسہ امینیہ اس حد تک پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے، غرض کہ ابتدائی زمانہ کی کس مپرسی کی حالت میں مولوی محمد انور شاہ صاحب اس مدرسہ کے اعلیٰ واول محسن ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہلِ مدرسہ کا فرض ہے، مولانا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلباء کو مستفید فرمایا، پھر والدین سلمہما اللہ تعالےٰ کے تقاضے اور اصرار سے وطن تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۹ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر دہلی میں دو۲ ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں، خدا تعالےٰ مولانا کو تادیر سلامت رکھے۔ اور ان کے بے نظیر علمی کمال سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین ۱۲ منہ

یہاں تک تو حضرت مولانا کفایت اللہؒ کا کلام تھا۔ آگے حضرت شاہ صاحبؒ خود فرماتے ہیں:۔

خود فرماتے تھے کہ جب میں نے شروع شروع میں مدرسہ امینیہ میں پڑھانا شروع کیا ۱۳۱۵ھ تھا۔ شروع شروع میں مدرسہ میں کوئی آمدنی نہ تھی، محض توکل پر گذارا تھا، پھر دو سال کے بعد اہلِ دہلی کو توجہ ہوئی اور مدرسہ میں روپیہ آنے لگا تو مہتمم صاحب نے میری تنخواہ پانچ روپے کر دی

(حاشیہ) میں وہی پانچ روپے مدرسہ میں ماہوار چندہ دے دیتا تھا۔ پھر آئندہ سال میری تنخواہ دس روپے ہوگئی، پانچ روپے ماہوار تو میں مدرسے کو چندہ دے دیتا اور پانچ روپے مہتمم صاحب کی ملک کر دیتا کہ آپ مجھے اللہ کے واسطے کھانا دے دیا کرو۔" رمضان گذارنے کے لئے گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے، کبھی دیوبند جاتے تھے۔

حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش صاحب گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں۔ میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے، میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا" مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں، حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں یہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فرمایا تھا۔ بھاولپور کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے۔ سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے تو فرمایا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ۱۳۱۹ھ میں حضرتؒ نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی، ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے۔ اور مجھے حضرت مولانا محمد معظم شاہ (والد صاحب) سے بھی اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے اور بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام جاری کیا۔ غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے۔ خود فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن صاحب شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی مدینہ منورہ مسجد نبوی میں۔ تب معلوم ہوا کہ حضرت نیموی کا وصال ہوگیا، یہ بہت بڑے محدث ہو گذرے ہیں صاحب تصنیف ہیں۔ آثار السنن ان ہی کی ہے اور جامع الآثار لامع الانوار

(حاشیہ) وغیرہ ان کے مصنفات ہیں، یہ بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحبِ ورع اور صاحبِ تقویٰ اتقیا تھے۔ اپنی کتاب، کتاب آثار السنن جب تصنیف کرچکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ (یہ بات مجھے مفتی فقیر اللہ صاحب نے بھی سنائی تھی)

مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب نے) درسِ حدیث دیا ہے، اہلِ مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے، اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسائل کی شکل میں دیا، جو علماء دیوبند ان دنوں وہاں رہتے تھے انھوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔

پھر حج سے[1] واپسی پر دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اور دیگر علماء سے ملے۔ پھر شیخ الہند اور مولانا حبیب الرحمٰن مولانا حافظ محمد احمد۔ مولانا احمد حسن امروہوی کے باہمی مشورہ سے طے پایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو تار دیا جائے کہ کشمیر سے دیوبند استاد ہو کر تشریف لائیں۔ جب سے ڈابھیل تشریف لے جانے تک دیوبند ہی رہے۔

(ف) یہ واقعہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ۱۳۳۹ھ میں سنایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال پر نودرہ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ حضرت کے استاذِ حدیث مولانا محدث محمد اسحٰق بھی ہیں جو مولانا خیر الدین آلوسی بغدادی کے تلمیذ ہیں۔ وہ اپنے والد صاحب مولانا سید محمود آلوسی صاحبِ روح المعانی کے شاگرد ہیں۔ ایک استاد مولینا حسین جسر طرابلسی ہیں جو کہ اپنے والد کے شاگرد ہیں، ان کا سلسلہ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے حدیث کے استاد ہیں۔

اب آگے حضرت کے کچھ علمی مضامین درج کئے جاتے ہیں:۔

---

[1] (یہ واقعہ ہمارے استاد مولانا فقیر اللہ صاحب نے ذکر کیا جو کہ ان دنوں میں دیوبند پڑھتے تھے)

(۳۱۷) مربعِ نعتیہ فارسی

(از حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ)

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہدِ ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر واماندہ آخر طالبِ منزل شدم
کز تگا پو سو بسو شامِ غریباں در رسید

دشت و گلگشت و بہارستاں و خارستاں بہم
فکر و وہم ہمدم نفس اندر قفس زادِ رہم
پیش و پس بانگِ جرس از کارواں در ہر قدم
دیدۂ عبرت کشودم مخلصے نامد پدید

تا سروشِ غیب از الطافِ قدسم یاد کرد
رحمتِ حق ہیچو من درماندہ را امداد کرد
مامنِ خیر الوریٰ بہرِ نجات ارشاد کرد
مقصدِ ہر طالبِ حق آں مرادِ ہر مرید

قبلۂ ارض و سما مرآتِ نورِ کبریا
سیّد و صدرِ علےٰ شمسِ ضحےٰ بدرِ دجےٰ
شافعِ روزِ جزا وانگہ خطیبِ انبیاء
صاحبِ حوض و لواء ظلِّ خدا روزِ عتید

صاحبِ خلقِ عظیم و مظہرِ جودِ عمیم
آیتِ رحمت کہ شانِ او رؤف ست و رحیم

رحمۃً للعالمین خواندش خداوندِ کریم
خُلق وخُلق وقول وفعل وہدي وسمتِ اوحمید

دستِ او بیضا ضیا اجود تراز بادِ صبا
حبّذا وقتِ عطا ابر سخا آب بقا
وقفِ امرِ عالمے بر ضحکِ آں رحمت لقا
عامِ اشہب از جمالِ طلعتش عیدِ سعید

داغ مہرِ او چراغِ سینۂ اہلِ کمال
شورِ عشقش در سرِ عمّار و سلمان و بلال
ثبت بر ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال
دالِ آثار وے معروف شبلی با یزید

از حدیثِ وے سمر در حیطۂ اہل اثر
مسلم و مثلِ بخاری وقف بر وصلِ سیر
سنتِ بیضائے وے نورِ دلِ ہر با بصر
اتقیا را اُسوۂ اقدامِ وے تقلیدِ جید

سیّدِ عالم رسول وعبدِ ربّ العالمین
آں زماں بودہ نبی کآدم بُد اندر ما و طین
صادق و مصدوق وحیِ غیب مامون و امین
در ہر آں چیزے کہ آورد ست از وعد و وعید

منبر او سدرہ و معراجِ او سبع قباب
در مقام قربِ حق بر مقدم او فتح باب
کاندر انجا نورِ حق بود و نبد دیگر حجاب

دید و لشنید آنچه جز وے کس نہ بشنید و ندید

مدحِ حالش رفعِ ذکر و شرحِ وصفش شرحِ صدر
اُو امامِ انبیاء صاحب شفاعت روزِ حشر
ہمگناں زیرِ لوائش یوم عرض و نیست فخر
سیّدِ مخلوق و عبدِ خاصِ خلاقِ مجید

آخیر و خیر الورٰے خیر الرسل خیر العباد
قدوۂ اہلِ ہدایت اسوۂ اہلِ رشاد
نغمۂ از ہمتِ او خلق را زادِ معاد
عالم از رشحاتِ انفاسِ کریمش مستفید

انتخابِ دفترِ تکوینِ عالم ذاتِ او
برتر از آیاتِ جملہ انبیا آیاتِ او
مشرقِ صبحِ وجودِ ماسوا مشکوٰۃِ او
مستنیر از طلعتِ او ہر قریب و ہر بعید

دینِ او دینِ خدا تلقینِ او اصلِ ہدیٰ
نطقِ او وحیِ سما حقا نجومِ اہتدا
صاحبِ اسرار او ناموسِ اکبر بر ملا
علمِ او از اولین و آخریں اندر مزید

مولدش ام القرائے ملکش بشام آمد قریب
خاکِ راہِ طیبہ از آثارِ روے بہتر ز طیب
شرق و غرب از نشرِ دینِ مستطابش مستطیب
اُمتش خیر الامم بر اُمتاں بودہ شہید

خاص کردش حق با عجازِ کتابِ مستطاب
حجت و فرقان و معجز محکم و فصلِ خطاب
نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہر رشید

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبیٰ
خاتمِ دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل زجملہ انبیاء نزدِ خدا
نعتِ اوصافِ کمالِ او فزوں تر از عدید

تا صبا گلگشتِ گیہاں کردہ میباشد مدام
بوئے گل بر دوش وے گردد بعالم صبح و شام
باد بر وے از خدائے وے درود و ہم سلام
نیز بر اصحاب و آلِ و جملہ اخیارِ عَبید

وز جناب وے رضا بر احقرانِ مستہام
خاصہ آں احقر کہ افقر ہست از جملہ انام
مستغیث ست الغیاث اے سرورِ عالی مقام
در صلہ از بارگاہ ہست در نشیدِ ایں قصید

---

(۳۱۸) ۲،۳،۴ دسمبر ۱۹۲۷ء کے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاسِ پشاور میں صدارت کے خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرتِ کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر و تبدل پر رکھی ہے اور اسکی تمام تر فضا انقلابات و حوادث سے معمور ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے

ع کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالحِ کلیہ کے مناسب ایک منظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے۔
اور جملہ مسببات عالم کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا، قدرتِ کاملہ نے یہ لوٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گوناگوں تغیرات و انقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدانِ مسابقت میں اس طرح نبرد آزمانہ ہوتا تو کوئی شخص یدِ قدرت کا جو بالا و پست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کارفرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعتِ اصلیہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس بہترین نظام میں کوئی اور قوت کارفرما ہے۔

خیال فرمائیے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع و صعود، زوال و غروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی و تنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی او نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمۂ خورشید کی مرہونِ منت ہے۔ بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ طبیعتِ عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے۔ بقول قائل۔ ع

تا بود زمانہ ایں چنیں بود

عارف جامی قدس اللہ سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

ظہور جملہ اشیاء بضد است ولے حق را نہ ضد است و نہ ند است

اگر خورشید بر یک حال بودے شعاع او بیک منوال بودے

ندانستے کسے کیں پرتو اوست نہ بودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

الحاصل:- فطرتِ الٰہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر و تبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ انقلاب و تحول اہلِ بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہو جائے کہ اسکے

تمام تر مظاہر وشیون میں دستِ قدرت کار فرما ہے۔ اور سطحِ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری قوت کا دست نگر اور کسی قوتِ قاہرہ کا تابعِ فرمان ہے۔ عُقلاء حکماء نے عالم کی اس منقادانہ حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے، خاکسار نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے

ے جہاں چو نقش و نگارے است از یدِ قدرت
کہ بہرِ خویش چو بنود نمود بے بود است
سماتِ عجز و تسخیر ہر یکے پیدا
بقیدِ سخت دریں قید خانہ مسدود است
نہ خود بخویش کہ بر آمدہ زدستِ دگر
چناں کہ نقش کہ حیران و دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستیِ عالم جو بہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین نقش و نگار ہے جبکہ خود اپنے لئے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ ہے اس لئے کہ کارخانۂ عالم کی تمام اشیاء یدِ قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی قیدِ سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں، ان کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتمِ عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے بشکلِ حیران اپنے مصور و نقاش کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہاں بہترین نظم کے ساتھ منتظم نہ ہوتا اور اشیاءِ عالم کے درمیان ارتباط و رشتۂ اتحاد قائم نہ کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے، اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہو سکتا۔

(۳۱۹) حضرات!

مجموعۂ عالم جس کو عالمِ کبیر یا شخصِ اکبر سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی ترتیب و تنظیم کو عالمِ صغیر یا شخصِ اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہیئے۔ پس جس طرح شخص اصغر یعنی وجودِ انسانی کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ تمام ملکات و اخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف و علوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال و افعال کے مظاہر ترک و اختیار کی تمام حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح بادشاہ کی جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں ......، پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے اس کے بعد اعضاء جوارح انسانی اس کے امتثال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں گویا یوں کہنا چاہیئے کہ قلب ایک بادشاہ ہے، دماغ اس کا وزیر۔ اور اعضاء اس کے خدم و حشم ہیں، اس لئے تمام امور انسانیہ کے اصلاح و فساد کا مدار قلب پر ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله۔ یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب تک وہ صحیح رہتا ہے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آجاتا ہے تو کل جسم فاسد ہو جاتا ہے۔

اور دماغ بجائے مشیر خیر یا شر کے ہے اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد۔ ٹھیک اسی طرح شخصِ اکبر (مجموعۂ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اِس شخصِ اکبر کا قلب تو وہی ہے۔ جس کو اصطلاحِ شریعت میں اولی الامر یا اصحاب حل و عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکما و علماءِ شریعت غراء ہیں اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

..... (۳۲۰) **فریضۂ تبلیغ** مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغ اسلام اور پیغامِ توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقائے دینِ متین کسی طرح متصور نہیں

اسلامی نقطۂ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصّہ ہونا چاہیئے، اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے اس کے دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادیٔ برحق نے اپنی امت کے لئے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو، آپ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگنے اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنیکے وقت، اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانیکے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گذرتے ہیں،

(۳۲۱) خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالتِ نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امرِ قبیح کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار ہے ؎

راہِ تو باہر روش کہ پویند نکوست
ذکرِ تو بہر زباں کہ گویند خوش است

اب آپ ہی فرمائیے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے مسئلہ تثلیث کی جس کا یہ حال ہے کہ آجتک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

ع   او خویشتن گم است کرا رہبری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایانِ فرنگ نے جو بالطبع نفعِ عاجل اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہش مند ہیں، جب یہ دیکھا کہ بغیر داموں مفت تین خدا ملتے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا اور بغیر کسی پس و پیش کے بمصداق "داشتہ آید بکار" اس کے خریدار بن گئے ورنہ انھوں نے جو تفننِ طبع اور جولانی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا اور بے مغز اور غیر وقیع باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ ع   شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

(۳۲۲) اور اگر کسی نے کتاب (العقائد الوثنیہ فی الدیانۃ النصرانیہ) کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوف واقف ہے کہ عقائدِ نصرانیت کے اکثر اصول وثنیوں اور بت پرستوں سے مستفاد ہیں، بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امر بداہت کے درجے میں ثابت ہے اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسب تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے اور کیا ان سے مذہب و ملت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح گذرے اور فلاں گروہ کے درمیان اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا۔ ان چناں اور چنیں کی طفل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے۔ یا اس کا کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے؟

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالاتِ طیبات شمار کیا گیا ہے تو آپ خود بخود کہہ اٹھیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحیِ الٰہی اور حدیثِ نبوی میں ہونی چاہیے قطعاً

موجود نہیں ہے۔ اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوت سے نکلے ہوئے نہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے بجز کوہ کندن وکاہ برآوردن کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے۔ اس کو مذہب وملت سے تو کجا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا' بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق وتدقیق سے کام لیں تو ہستیِ باری تعالیٰ کا وجود بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ ہستیِ باری تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی تو وہ یہی ہے کہ یہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے، غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے۔ جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج نہ ہو۔

(۲۲۳) اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی۔ جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دینگے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں۔ اور ضرورتِ نظامِ عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہو تاکہ وہ ان سے کام لے تو یہ خدشہ کم علمی اور نقصان فہم پر مبنی ہے، اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا کہ جو شئے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی ہو کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کوئی شئے وجود میں جو کہ تمام صفات میں اعلیٰ اور اعظم صفت ہے تو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ خود ہی اپنی ذات سے موجود ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دوسری صفات میں ناقص رہ جائے اور ان میں کامل نہ ہو سکے اور کسی دوسری قدیم بالذات کی محتاج رہے۔ کیا دنیا میں کوئی شئے بھی اپنے کو بحالت خود مختاری ناقص رکھنا گوارہ کر سکتی ہے۔ اور اگر وہ ان صفات کے ناقص رکھنے میں مجبور ہے تو سب سے اعلیٰ واکمل صفت وجود میں وہ کس طرح دوسرے کی احتیاج سے مستغنی ہو گی۔ واقعہ یہ ہے کہ روح اور مادہ کو ان کی

صفات میں ناقص مان کر کبھی ان کو قدیم بالذات نہیں مانا جاسکتا اور اگر ان کو ذات و صفات میں مکمل مانا جائے تو پھر واجب الوجود عزّ اسمہ کے ماننے کی کوئی حاجت نہیں رہتی اور اگر یہ کہا جائے کہ قدیم بالذات اور قدیم بالغیر دونوں امکانی قسمیں تھیں تو ضرورت تھی کہ بلحاظ استیفائے اقسام یہ دونوں وقوع پذیر ہوں، اس لئے دونوں احتمال کو مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا استیفاء کو مفید ہوگا تو یہ نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان بلکہ ایک خوش کن خطابت ہے اس کی کیا دلیل کہ احتمالات ممکنہ سب متحقق ہو جائیں۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ عالم کی اکثر اشیاء میں تمام احتمالات ممکنہ کا استیفاء اور تحقق نہیں ہوتا۔ پھر عالم غیب کی باتوں پر اٹکل کے تیر لگانا کہاں تک درست ہے، علاوہ ازیں مادہ میں جو نقائص ہیں کہ تمام اشیاء سے زیادہ ارذل اور بے شعور شمار ہوتا ہے۔ نیز روح پر جو آلام وہموم کے بیش از بیش حوادث گذرتے ہیں جن کو دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ان کو دیکھتے ہوئے کون عقل مند کہے گا کہ یہ قدیم بالذات ہیں۔

غور تو فرمائیے کہ قدیم بالذات کو ان ذلیل ترین نقائص کیا سروکار۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی تمام اشیاء مختلف صورتوں اور نوعیتوں پر قائم ہیں جس کو علمی اصطلاح میں صورِ نوعیہ کہا جاتا ہے۔ پس اگر ان سب میں ذرات مادہ متشابہ الوجود اور یکساں ہیں تو یہ صورتوں کا اختلاف جو رنگا رنگی عالم میں موجود ہے کس طرح پیدا ہو گیا دنیا میں آپ کوئی ایسی نظیر دکھا سکتے ہیں جو متشابہ الوجود اور ایک رنگ ہونے کے باوجود مختلف الوجود اور مختلف الانواع کا موجب ہو۔ لہٰذا ماننا پڑیگا کہ صور کا یہ تنوع اور اختلاف بھی قدیم بالذات ہے۔ تو پھر تھوڑی سی سخاوت اور بھی فرمائیے اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ نظامِ عالم اور اس کی ہر شئے بھی جو تغیرات و حوادث پر ہے قدیم بالذات ہے تاکہ ہستی باری تعالےٰ واجب الوجود کے انکار میں کوئی شے حائل نہ ہو، اور اس اہم ترین

بار سے سبکدوشی حاصل ہو جائے۔ تعالی اللہ عن ذلک۔

(۳۲۵) البتہ آپ شبہ کر سکتے ہیں کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو پھر عدم سے وجود کیسے بنا لیکن یہ مغالطہ دشوار اور امر لاینحل نہیں، اس لئے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

انسان وحیوان کو دیکھئے کہ وہ کبھی حرکت کرتے اور کبھی ساکن رہتے ہیں، اور یہ حرکت وسکون ان کا فعل ہے، جس میں وہ کسی مادہ کے جو کہ ان کی اس حرکت یا سکون کا محل بن سکے محتاج نہیں۔

ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کر لیتا ہے، اور کبھی خاموش کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر لوہے کا محتاج نہیں ہے کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو پورا نہ کر سکے۔ ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جبکہ وہ تخت کو بنائیگا چار چیزیں موجود ہوں گی۔ ایک بڑھئی دوسری نجارت یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے، تیسری لکڑی، چوتھی تخت کی وہ صورت وہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تو بڑھئی اپنے اس فعل وعمل میں جس کو ہم اس موقع پر نجر یا گھڑنے سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے۔ لکڑی ہو یا نہ ہو، البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے، اور نہ نجار اس کا فاعل بلکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے، اس کا مفعول جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔ الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ فاعل

حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہو سکتی، ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا، اس لئے چوتھی چیز پہلے تیسری کا ہونا ضروری ہے، جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ یہ سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے۔ اور جس طرح انسان اپنی حرکت و سکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتمِ عدم سے نکال کر موجود کر دیا۔ اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعل حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شئے کی کوئی احتیاج نہ رہی (۳۶) نیز جب کہ ہر مذہب و ملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت حدودِ زمانے سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود و محصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں ہی کیا حرج ہے کہ اسی طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ کبھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ آیا ہے۔ احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے

آنکس کہ بابداعِ زماں رفتہ فہید ۔۔۔ کز عمر حق ایں حصہ بمخلوق بخشید

چوں واحد حق است بہر مرتبہ باید ۔۔۔ نے مرتبۂ ذہن کہ یک گفت بتجدید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا، اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صفتِ قدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا جبکہ خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے، ورنہ ذہنی مرتبہ میں اس کو واحد کہنا اور پھر زمانہ کو اس کی صفات میں شریک بنانا گنتی میں ایک کہنا۔ نہ کہ حقیقت میں اور شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اول کہلائی جا سکتی ہے۔ قدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلےٰ صفت ہے اس میں کسی کو شریک ماننا عقل و انصاف دونوں سے بعید ہے اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو قدیم نہ مانیں تو

خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہوجانا لازم آتا ہے تو یہ بھی سوءِ فہم اور عقل کی نا رسائی ہے۔ اس وقت صفاتِ ربانیہ میں وحدتِ مطلقہ کا ظہور حق تعالےٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم الشان امر ہے۔ عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

(۳۲۷) علمائے محققین نے اسی ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا ہے، چنانچہ عارف جامی جو صوفیائے وجودیہ میں بہت جلیل القدر مرتبہ پر ہیں فرماتے ہیں ؎

مجموعۂ کون را بقانونِ سبق   کردیم تصفح ورقاً بعد ورق

حقا کہ ندیدیم و نخواندیم درو   جز ذاتِ حق و شئونِ ذاتیۂ حق

ہم نے کائنات کی کتاب کو ایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح پڑھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے ذاتِ حق اور کل یوم ہوفی شان کے مظاہرے کے سوا نہ کچھ اس میں دیکھا نہ پڑھا۔

اور مجدد سرہندی کہ صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

درعرصۂ کائنات با دقتِ فہم   بسیار گوشتیم بسرعت چوں سہم

گشتیم ہمہ چشم و ندیدیم درو   جز ظلِ صفات آمدہ ثابت در وہم

میدانِ کائنات میں ہم عقل و فہم اور دقت نظری کے ساتھ بہت دوڑے اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گذرے کہ سرتاپا چشمِ حقیقت بن گئے لیکن بجز صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی حاصل نہ کرسکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہوسکی۔

اس خاکسار نے بھی اپنی بیچدانی کے باوجود بقدرِ ہمت اس پر کچھ لکھا ہے ؎

مجموعۂ کون بود در کتمِ عدم!
از حرفِ کن آورد بایں دیر قدم
نخلے است کہ بے مادہ یدِ قدرت راد کرد
کز ضربِ وجودی بعدم نیست قدم

(۳۲۸) یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردۂ عدم میں تھا، اس کے بعد کن کے اشارے سے یہ وجود موجود ہوا۔ یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دستِ قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے اس لئے کہ اگر وجود کو عدم میں ضرب دیں تو حاصلِ ضرب قدیم نہیں ہو سکتا، بلکہ حادث ہی نکلے گا، یا یوں کہیئے کہ عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں۔ یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصلِ ضرب یا نتیجۂ تعلق حدوثِ زمانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر گذارش کرنا ہے کہ جن مذاہب و ملل کا یہ حال ہو کہ نہ ان میں توحید کا پتہ اور نہ اُن کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہو سکتا ہے،

تو پھر وہ کیا تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ حق اگر ہے تو فقط مذہبِ اسلام ہی کو ہے، خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں اور اپنی عام سعی کو اس کام کے لئے وقف کریں۔

حضرات!

حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اوّلین خدمت علماءِ کرام کا حق ہے اور یہ کام انہی کے سپرد ہونا چاہیئے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور اس عظیم الشان مقصد کے لئے برامے یا درمے یا قدمے یا قلمے ہر طرح امداد کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا

(۳۲۹) **اصول تبلیغ** حضرات! جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ پیغام دینِ متین اور نشر و ابلاغِ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاقِ حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ اور خلوصِ نیت اور فراخ حوصلگی اور

راست بازی، شیریں کلامی وسعتِ صدر ایثار، جاں فشانی اور جفاکشی کے اوصافِ حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص وطمع غرض نفسانی ریاکاری شوقِ حصول دنیا نہ آنے پائے ورنہ جو شخص ان امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کلام کا سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الحاصل! مبلغ کو چاہیئے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی اس پر کاربند ہو۔ اگر ایسا نہ کریگا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں میں دروغ بیانی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ وقیع نہ ہوگی۔ خدائے قدوس پیغمبر برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل فرماتا ہے۔

وما ارید ان اخالفکم الیٰ ما انھاکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے لگوں، میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہوگا (اصلاح کروں گا) اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے:۔ اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔

 ہمارے علماءِ احناف

رحمہم اللہ نے اس معاہدۂ متبرکہ کو سامنے رکھ کر دار الحرب اور دار الامان کے بہت سے احکام ومسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحمہم اللہ نے دار الحرب میں عقودِ فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے۔ عقودِ فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیتِ کریمہ ہے۔ فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ۔

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ سے کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دار الحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیّت۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام سے اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے۔ مگر عصمت کی ۲ دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمتِ مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمتِ مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفسِ معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم۔ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمدًا قتل کر دے گا اس کی جزا جہنم ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں جزائے اُخروی مراد ہے جو عصمتِ مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے اور اس قاتل پر اُس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیّت بھی واجب ہوتی ہے۔ جو مقتول کی جان کی عصمتِ مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتی ہے۔ پس اگر مقتول مسلمان دار الاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمتِ مؤثمہ اور عصمتِ مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے، اور دنیوی جزا قصاص یا دیت ہے۔

لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دار الحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں (۳۳۱) اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت موثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دار الاسلام اور حکومت و شوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔ (۳۳۲) اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے (۳۳۳) اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں۔

(۳۳۴) آپ کا حافظہ یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیتے تھے، عموماً یہ دیکھا گیا کہ حسبنا اللہ فرمایا اور کتاب کھول دی وہی صفحہ نکل آتا تھا اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی۔ جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی تھی ناظرین حیران ہو جاتے تھے۔ بہاولپور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی ہوتا تھا۔

(۳۳۵) ایک دفعہ بہاولپور ہی میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا۔ کتاب ہمارے پاس نہ تھی، قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی، حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھیئے ان حضرات نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے، اس کو کہو عبارت پڑھے جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسبنا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا۔ وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ابی کی عبارت ہے :-

" وفی العتبیۃ قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامۃ الصلوٰۃ نتغشاھم غمامۃ ناذا عیسیٰ قد نزل الخ ۲۶۶ ج ا شرح مسلم للابی (مصری)، اکمال اکمال المعلم

(۳۳۷) مولانا عبدالواحد صاحب خطیب جامع مسجد گجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے کہ جب میں ڈابھیل میں دورۂ حدیث میں شامل تھا، میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ صاحب نبراس الساری فی اطراف البخاری کا خط میرے نام آیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کرلو کہ حضرت ہمیں ایک حدیث کی ضرورت ہے "الاحکام التی تفارق المرأة الرجل" فرمایا کل کو آنا۔ اس وقت میں مصروف ہوں، میں دوسرے دن حاضر ہوا تو مراسیل ابوداؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

" ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مر علے امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الارض "

اور سنن کبریٰ بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا۔

" اذا سجدت المرأة لصقت بطنها بفخذها کاستر ما یکون لها "

(۳۳۸) وہیں بہاولپور ہی کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے .... کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے"۔ آپ کو چاہیئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحرالعلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے" ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جج صاحب لکھیئے کہ میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے"؛ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔

مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب (جو اس مجلس میں موجود تھے۔ حیران تھے کہ کیا جواب دینگے۔ سُن کر حیرت میں رہ گئے۔

(۳۳۹) ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا، اس کو کہو کہ عبارت پڑھے وہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی بعینہ وہی عبارت پڑھی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی۔ جج خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے، حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ کا چہرۂ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت۔ حضرت مولٰنا عبید اللہ صاحب کے مربی تھے۔ اور مولانا احمد علے صاحبؒ لاہوری کے بھی پیر تھے۔)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں۔ میں انشاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

( ) حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے ایک اجتماع کیا تھا، وہاں حضرت مولانا شیخ الہندؒ۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اکابر دیوبند و سہارنپور مدعو تھے۔ ہزاراں ہزار علماء مجتمع تھے، قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظرین عربی زبان میں تقریر کریں گے حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے ان حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو طیار کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کرینگے۔ فی البدیہہ بولنا ہوگا۔ اور نہ کاغذ یا کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوریؒ کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب میاں چنوں والوں نے بھی سُنایا تھا، مولانا ابراہیم صاحب اس وقت بھاگلپور میں مدرس تھے مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بھی تھے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں سُنایا تھا، پھر فرمایا جاہلین تم نے کیا سمجھا میں انشاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے یہ بھی سنایا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

(۳۴۰) احقر نے ریل گاڑی میں عرض کیا (جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے) کہ شجرۂ چشتیہ میں آپ کے نام (یہ سفر بہاولپور ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے

حضرت شاہ صاحبؒ کا سلسلہ بیعت

کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہیئے، فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہؒ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

(۳۴۱) جب ۱۳۲۸ھ ۱۳۲۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے۔ ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے۔ فوراً فرمایا "ہیر بڈھی ہوئی تداں رانجھا آیا"۔ پنجابی میں فرمایا اور مسکرائے، پھر نشانات فرما دیئے کہ اس قسم کا مکان تھا۔ جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے، سیڑھیوں سے چل کر جانا ہوتا تھا۔ وہ بزرگ حیران رہ گئے کہ مدت کی بات ہے۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

(۳۴۲) مالیر کوٹلہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے مولانا بدر عالم مہاجر مدنی بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا خیر الدین صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث جو مولانا عبد العلی صاحبؒ کی خدمت میں دہلی رہے تھے۔ مولانا عبد الجبار ابوہری مرحوم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب و مولانا محمد صدیق صاحب حصاردی وغیرہم تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف شہباز کی باتیں ہونے لگیں حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد صاحب کے وصال کو اسی سال ہو گئے، مولانا محمد صدیق صاحب نے حساب لگایا تو اسی سال ہوئے تھے نہ کم نہ زیادہ مولانا نور محمد صاحب کی باتیں خوب یاد تھیں۔

(۳۴۳) فرمایا کہ میں ڈیڑھ سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن دیکھا کہ دو اَن پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے، ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا۔ دوسرا منکر تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے۔ لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا۔ نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھالے اور لنگڑا پھل توڑے

اتنے میں اگر باغبان آگیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا اور سزا کا مستحق قرار دیگا۔ میں نے یہ بات سُن لی۔ پھر ایک زمانہ دراز گذرا میں "تذکرۃ القرطبی" دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور تھی۔ میں اس کو پڑھ کر اس ان پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیسا صحیح جواب دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ لدھیانہ میں مارچ ۱۹۲۷ء کو بستان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا۔ لوگ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریکیاں یاد رکھی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(۲۴۴) حضرت مولانا محمد امین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ صاحب سے پڑھتے تھے حضرت مولانا تھانوی تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا درسِ حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب، حضرت تھانوی کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لائے۔ نکاحِ شغار کے متعلق حدیث کا درس ہو رہا تھا وقت چونکہ ختم ہو گیا تھا لہٰذا حضرتؒ نے کتاب بند کر دی۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت تھانوی صاحبؒ تشریف لائے ہوئے ہیں جناب کا درس سننا چاہتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے پھر کتاب کھول لی۔ ڈیڑھ گھنٹہ درس دیا۔ اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا شاہ صاحب یہ علوم وہبیہ ہیں کسبیہ نہیں۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

(۲۴۵) حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد صاحبؒ زیارت کے لئے لائلپور سے دیوبند آئے ہوئے تھے اور حضرت شیخ الہند کے کئی روز

(۳۴۶)

مہمان رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرماکر حضرت شاہ صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا احمد صاحب پانی پتی بھی حاضر تھے اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت ادب سے بیٹھ کر مسئلہ سنایا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا۔ احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے، درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ وہ جاں بازی جو حضرت شیخ الہند نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا ہاں حق ضرور واضح کر دینا چاہیئے۔

(۳۴۷) مولانا ادریس سیکروڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں ضلع مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا۔ مولانا محمد ادریس فرماتے تھے کہ شاہ صاحب اکثر یہ جملے فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہو گیا ہے۔ اب حق میں حجاب نہیں چاہیئے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے

؎ اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

(۳۴۸) ان ہی ایام میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کا نکاح تھا، حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت بوسیدہ کے) صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا۔ نکاح کی مجلس تھی۔ حضرت شیخ الہند تشریف فرما تھے۔ میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھتے تھے کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں، حالانکہ آپ کے سیکڑوں شاگرد آگے بیٹھے تھے۔ تاکہ شیخ الہند کے قریب ہو جائیں، حضرت والد صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کا غایت ادب دیکھ کر حیران رہ گئے۔

(۳۴۹) ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈہ پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں ایک طالب ہوں۔ اس نے کہا کہ

آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے، پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دئے دس قرآن سے۔ دس تورات۔ دس انجیل سے۔ دس عقلی، وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علوم میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں، فرمایا جب آپ کو حق معلوم کر کے بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آتے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں۔ محض تنخواہ کا لالچ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

(۳۵۰) مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ صاحب اس زمانہ میں بے نظیر عالم ہیں۔ مولانا غلام رسول انی والے استاد رحمہ اللہ نے جب پہلی بار قادیان میں حضرت شاہ کی تقریر سنی تو فرمایا۔ علم ہو تو حضرت شاہ صاحب والا ہو۔ ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیان ہی میں کہ مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسہ میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں، ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد تھیں۔ لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانے کا کتب خانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔

(۳۵۱) علامہ محمد زاہد کوثری حضرت شاہ صاحبؒ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے، عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ دیکھنا چاہیئے، علامہ محمد زاہد

کوثریؒ عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی "عقیدۃ الاسلام" اور "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحب کمال حافظ حدیث والفقہ قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے پھر مصطفےٰ کمال پاشا سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے۔ بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

"تانیب الخطیب" میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی "نیل الفرقدین" کی بڑی تعریف کی ہے، آپ کو علامہ البحر الجبر کے الفاظ سے یاد کیا ہے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی سے سلسلہ طریقت ملتا تھا۔

علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا تاثر (۲۳۲) دین و دانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا یعنی مولانا محمد انور شاہ صاحب جانشین حضرت شیخ الہندؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

"دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف و نقاہت بعمر ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی، مرحوم کا وطن کشمیر تھا، مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی، پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دارالعلوم کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی، جس کو شیخ الہند کے زمانۂ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۷ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے لیکر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سیکڑوں تشنگان علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے، جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔

علومِ حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس۔ علوم ادب میں بلند پایہ معقولات میں ماہر۔ شعر و سخن سے بہرور، زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے، مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا تھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی سرزمین عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلبہ اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا۔ جس میں انھوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہی یا خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

۱۹۲۷ء میں جب وہ پشاور کے اجلاس جمعیۃ العلماء کے صدر تھے۔ میں بھی حاضر تھا۔ حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے، اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شبہ کی اصل منشا کو سمجھ جاتا ہے۔ اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔

مرحوم! معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعتِ علمی کی نادر مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔ میری تصنیفات میں سے "ارض القرآن" ان تک پہنچی تھی، اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے" (معارف)

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اعظم گڈھ

(۳۵۳) فرمایا قبہ محمودیہ (مدینہ منورہ) کا کتب خانہ میں نے تمام دیکھا۔ بعض نایاب کتب سے حوالے بھی لکھے، بہت یادداشتیں مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے جمع کیں۔ مغنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا۔ اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رح کی "السیر الکبیر" مدینہ منورہ میں دیکھی۔ قلمی نسخہ تھا، نہایت عمدہ کتابت، اس کا مطالعہ کیا یادداشتیں لیں، پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے۔ اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے نسخہ تلاش کیا۔ نہ پایا۔ یہ کتاب قبہ محمودیہ میں تھی۔

( ) حضرت شاہ صاحب کا قیام جب دارالعلوم دیوبند ہی تھا مظفر گڑھ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا ظفر علی خاں اور دیگر زعماءِ قوم بھی مدعو تھے، غالباً ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی تھے۔ حضرت کی زیارت کے لئے ہزاروں ہزار خلق اللہ جمع تھی۔ علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں۔ حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہٗ نے نامِ حق کا ایک شعر پڑھا ؎

غمِ دین خور کہ غم غمِ دین است
ہمہ غمہا فرو ترا زاین است

اور اس پر بڑی رقت آمیز و پر تاثیر تقریر فرمائی۔ خود روئے اور حاضرین کو رُلایا ؎

غمِ دنیا مخور کہ بے ہودا ست
ہیچکس در جہاں نیا سودا ست

علامہ سید سلیمان ندوی رح پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا۔ کئی علمی سوالات کئے اور جوابات سن کر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے "مولانا محمد انور شاہ صاحب علم کا بحر مواج ہیں۔ حافظ کے بادشاہ ہیں"

ظفر علی خاں تو حضرت کے چہرے کے عاشق تھے۔ کہا کرتے تھے "جی چاہتا ہے کہ

شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں۔"

اگست ۱۹۳۲ء میں زمیندار کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب وکمالات پر لکھا لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا انور شاہ صاحب مدظلہ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔"

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت تشریف فرما تھے۔ خدام کا ارد گرد مجمع تھا۔ ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زار وقطار رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت کرلی۔ کہتے تھے کہ "ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچّا دین ہے۔"

(۳۵۴) حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "ولیغفر ما دون ذلک لمن یشآء" یہ آیت اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے، علامہ زمخشری کو تاویل کرنا پڑی۔

(۳۵۵) فرمایا شرک کے معنی کفر مع عبادت غیر اللہ ہیں۔ لہٰذا وہ تمام انواعِ کفر سے اقبح ہے اور کفر اس سے عام ہے لیکن آیت مذکورہ بالا میں شرک سے مراد کفر ہی ہے، کیونکہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ کی نہیں کرتا مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے۔ یا آپ کو خاتم الانبیاء بمعنی آخری نبی نہیں مانتا وہ بلا شک و بلا خلاف کافر ہے اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔ گو وہ شرک نہ ہو، لہٰذا اس آیتِ مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

(۳۵۶) کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری اذا التقی المسلمان بسیفھما فالقاتل

والمقتول فی النار وقلت یارسول اللہ ھذا المقاتل فما بال المقتول قال انه کان حریصاً علیٰ قتل صاحبه

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ارشاد ہے "السیف محاء الذنوب" یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے، یہی صورت ہابیل اور قابیل کے قصہ میں پیش آئی۔ اور ہابیل نے قابیل کو سُنایا "انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار" اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے، یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل کی وجہ سے جہنمی بنے اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو ہو جائیں کہ تلوار محاء الذنوب ہے۔ کیونکہ جب اس کے گناہ قابیل کی تلوار سے محو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لیجانیوالا ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہابیل کے گناہ قابیل پر ڈال دیئے گئے کیونکہ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" کے خلاف ہے، پھر اس عنوان کو اختیار کرنیکی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنیکی غیر معمولی قباحت خوب واضح کر دی جائے۔ تاکہ جو اس کی بُرائی کو سمجھ لے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

(۳۵۷) روافض کے اکفار میں اختلاف ہے۔ (علامہ شامی) ابن عابدین رض عدم تکفیر کی طرف ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح اکفار کرتے ہیں، ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اصل میں جو ابتلاء حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح کو پیش آیا وہ علامہ شامی کو پیش نہیں آیا، مسئلہ کا اختلاف نہیں ابتلاء کا ہے ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت گنگوہی رح کو بھی ہم نے شامی سے فقیہ النفس پایا۔

(۳۵۸) ایک دفعہ فرمایا یہ جو حدیث میں آیا ہے "من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه" (بخاری)

اس کی شرح کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے۔ "من هم بحسنة كتب له عشر حسنات اذا اشعر به قلبه وحرص به"۔ یہ اشعارِ قلب، اور حرصِ ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے، جو نفسِ نیت پر ایک امر زائد ہے۔ نیت پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اور احتساب پر ثواب مضاعف ہو جاتا ہے۔ گویا احتساب نیت کا استحضار ہے۔ فرمایا۔ "او کسبت فی ایمانها خیرا" میں او بمعنی واؤ ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں یہی لکھا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں تو واؤ ہی آیا ہے۔

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے "لا ينفع ايمانها لم تكن امنت من قبل او آمنت ولم تكن فی ایمانها خیرًا"۔ تاکہ مقابلہ صحیح ہو سکے اس کا جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا۔ ابن حاجب نے بھی جواب دیا ہے۔ اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی اور ناصر الدین نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں اَو دو چیزوں میں منافات کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مقصد ایمان اور کسبِ خیر دونوں کی نفی ہے۔

(۳۵۹) فرمایا حضرت حکیم بن حزامؓ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی ہیں ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا۔؟ تو آپ نے فرمایا "اسلمت على ما اسلفت من خير" تم اپنے سابق عمل خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے ہو یعنی اسلام کی برکت سے تمھارے وہ اعمالِ خیر بھی قائم رہے اور اُس وقت کی طاعات بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ کفار کی طاعات و قربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفتِ خداوندی ضروری نہیں۔

طاعات و قربات سے مراد صلہ رحمی، تحمل، بردباری، غلام آزاد کرنا۔ صدقہ، رحم و کرم جواں مردی، بخش دینا۔ عدل و انصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کفار کے اعمالِ خیر بغیر اسلام کے نجاتِ اخروی کا سبب نہیں بن سکتے، نہ وہاں کے ثواب و نعمت کا مستحق بنائیں گے۔

البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیفِ عذاب کا سبب بن سکیں گے۔ اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی چنانچہ ابو طالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صراحتاً احادیث میں مذکور ہے۔

(۳۶۰) فرمایا یہ جو حدیث ہے۔ "قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا احسن احد کم اسلامہ فکل حسنۃ یعملہا تکتب لہ بعشر امثالہا الی سبعمائۃ ضعف وکل سیئۃ یعملہا تکتب لہ بمثلہا" (بخاری)

میرے نزدیک احسانِ اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے اور زمانہ کفر کے تمام بُرے اعمال سے توبہ کرے۔ اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم مصمم کرے ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءۃ اسلام یہ ہے کہ اسلام لائے، مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے، ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہو گیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا، پس جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو۔ (من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ)

(۳۶۱) فرمایا کہ میرے دل میں مضامین اُبلتے اور جوش مارتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ بذریعہ تحریر ان کو ظاہر کردوں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں، میں چاہتا ہوں کہ دوسرا آدمی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے، جب وہ مضامین جوش ماریں تو میں لکھوا دیا کروں۔ افسوس ہے کہ ایسا آدمی نہیں ملتا، جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا، اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں نکالتا۔

(۳۶۲) حضرت مولانا خیر محمدؒ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان نے فرمایا کہ میں نے ایک عبارت مغنی ابن قدامہ کی پوچھی حضرت شاہ صاحب نے فرمایا وہ ابن قدامہ کی مغنی جو کہ مطبوعہ ہے وہ غلط ہے۔

صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے۔ میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا، اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی، چنانچہ باوجود ضعف کے اٹھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی، میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جالندھر کے کتب خانہ میں رہ گئی)

میں اس وقت اپنا رسالہ "خیر الکلام فی ترک الفاتحہ خلف الامام" لکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس کے اٹھائیس صفحے تیار ہوئے تھے میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدست اسرارہم کو سنائے حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دئے یعنی اس رسالے کے دو چار ورق سنے تھے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے بھی پسند فرمائے۔ تو میں نے سوال کیا کہ آپ نے غیر مقلد کا رسالہ "الکتاب المستطاب" (۳۶۳) دیکھا ہے یا نہیں؟ — فرمایا کہ میں جہلاء حمقاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا، میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اور اس میں بعض باتیں قابلِ استفسار ہوتی ہیں (یہ کتاب پنجاب کے ایک غیر مقلد نے حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ فصل الخطاب کے رد میں لکھی تھی)

فرمایا جو بات قابلِ استفسار ہوا کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں۔ میں جواب دوں گا۔ اگر کسی شخص کی طرف نسبت ہوئی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

(۳۶۴) پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سندِ حدیث دیجئے اور اطرافِ کتب حدیث سن لیجئے، فرمایا کہ میں آپ کو بلا سنے سند دیتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں، میرا آپ پر اعتماد ہے، اگر

سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا، جب میں ڈابھیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

(۳۶۵) ۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام فلپائن دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا حضرت شیخ الہند نے شرکت فرمائی، حضرت شاہ صاحبؒ نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دار العلوم دیوبند کی زبانی سنیئے۔ آپ "القاسم" ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ اور محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں۔

(۳۶۶) اس کے بعد جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب مدرس دار العلوم نے نہایت فصیح بلیغ عربی زبان میں برجستہ تقریر فرمائی۔ مولانا موصوف کے فضل و کمال علمی اور فصاحت و بلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں۔ مولانا کی تقریر ایک جانب اگر باعتبار زبان دانی اور فصاحت و روانی کے بے مثل تھی تو دوسری جانب ایسے مضامین اور حقائقِ اصول دین و نکاتِ علم کلام و حدیث پر حاوی تھی جو کم کسی نے سنی ہوگی۔ حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر و مضامین پر محو حیرت تھے۔ نہایت غور کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ تھے اور استحسان و تسلیم کے ساتھ گردن ہلاتے تھے، مولانا نے جو مضامین بیان فرمائے وہ حقیقت میں ایسے تھے کہ دوسرا شخص گو کتنا ہی وسیع النظر اور قادر علی الکلام ہو متعدد مجالس میں بھی ادا نہ کر سکتا تھا، مگر آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ اُن ہی مضامین دقیقہ کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر اس طرح بیان کر دیا کہ نہ فہم مضامین میں کوئی خلل واقع ہوا اور نہ کوئی ضروری بات فروگذاشت ہوئی، نہ بے ضرورت زائد از حاجت ایک جملہ زبان سے نکلا۔ اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ اگر ہفتوں سوچ کر اور عبارت کو مہذب منقح بنا کر کوئی شخص لکھتا اور یاد کر کے سناتا تو ایسی سلاست و روانی کے ساتھ نہ پڑھتا اور ایسی واضح و برجستہ تقریر نہ کر سکتا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

(شیخ الاسلام فلپائن نے جوابی تقریر میں یہ بھی فرمایا) اور ابھی مجھ کو استاذِ جلیل

(مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) نے اس مدرسہ کے مؤسس اور بانی کے اصول دربارۂ اشاعتِ علوم تائید دین سمجھائے ہیں۔ تو مجھ کو معلوم ہوگیا کہ اس جگہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہی طریقہ میرے نزدیک اہل سنت وجماعت کا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے متبع ہیں، اور طریقہ سنت کی تائید اور مبتدعین کا رد بھی عینِ سنت اور فرائضِ علماء میں داخل ہے"۔

اور آخر میں قسم کھا کر فرمایا" آج استاذِ جلیل (مولانا محمد انور شاہ صاحب) کے ذریعے سے حقائق اور معارف علوم دین کے ایسے بے بہا موتی میرے کان میں پڑے جو آج تک کبھی نہ سُنے تھے۔ اور یہ مجھ ہمیشہ یاد رہے گی"

(۳۶۷) ایک دفعہ لاہور استریلیا مسجد حوض کی چھت پر چارپائی پر تشریف فرما تھے احقر نے دریافت کیا کہ کیا لما ظرفیہ کا صلہ فاء بھی آتا ہے۔ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اشمونی نے لکھا ہے کہ جائز ہے۔ اور استدلال میں آیت پیش کی:" فلمّا نجّٰھم الی البر فمنھم مقتصد الآیہ"

اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے۔ پھر احقر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی ص۴۲ ثم لما وفقت بعون اللہ وتائیدہ للاتمام الخ نجاء بحمد اللہ کما یروی النواظر نیز تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نفیس کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

(۳۶۸) احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے" مثل ابی ھریرۃ رض و ابن عمر رض و ذویھما" ص۲۳۔ مسلم میں آخر سطر میں نے جستجو کی تو بہت سی کتابوں میں یہ مل گیا۔ مختصر المعانی ص۱ مطبوعہ مجتبائی دھلی" لسلم من الفصل بین الحا وذیھا بالاجنبی وجادلتم خاصمتم عنھم عن طعمۃ وذویہ" جلالین ص۸۶ مطبوعہ نور محمد کراچی

مقامات حریری ص۱۰۱ میں ہے :- فجاءت بابن یُسر ذویہ دو غیرہا من الکتاب)

(۳۶۹) ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا ناجائز لکھا ہے اور درۃ الخواص

کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے۔ اور صحاح جوہری میں ہے "جامعہ

علیٰ کذا اے اجتمع معہ"

مسلم شریف میں بھی ص۵۲ پر فرماتے ہیں۔ ولم یذکر قدوم ابن المسعود و

اجتماع ابن عمرؓ معہ"

اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص۱۸ میں ہے :- ان لیقع ظرفاً لما اجتمع معہ"

شرح ملا جامی ص۵۶ "لا یجتمع مع اللام والاضافۃ" تذکرۃ الحفاظ ص۱۸۴ ج۳ "رایت

یوماً اجتمع مع الدار قطنی"۔

تفسیر ابن کثیر ج ا ص۴۲۹ " اجتمع معہ" وص۴۰۸ "ان یجتمعا مع الاولاد الی

غیر ذلک من العبارات۔

فرمایا کہ ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی حیرت کا اظہار کیا،

پھر روح ہی کی تحقیق پر حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ

بھی اور تحقیقی بھی ہے۔ فرمایا کہ شاہ صاحب جب روحانی آدمی تھے اس میں عَلَم کو مضاف

استعمال کیا ہے۔

(۳۷۰) اس پر اعتراض ہوا کہ عَلَم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ محاورۂ عرب کے

خلاف ہے۔ پھر یہ معاملہ صاحب نفحۃ الیمن تک پہنچا تو اس نے کہا عَلَم کو مضاف وہی استعمال

کر سکتا ہے جو لغاتِ عرب پر عبور تام رکھتا ہو۔ یہ کوئی بڑا ادیب ہے۔ جس کا یہ کلام ہے

تو اعتراض کرنیوالوں کو تسلی ہوئی۔

( ) احقر مارچ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند حاضر ہوا، اس وقت حضرت

شاہ صاحب کی خدمت میں مولانا محمد ادریس سیکروڈوی بھی حاضر تھے، میں نے ان سے

پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے ؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے اذکار و اوراد سے فارغ ہو کر ہمیں اندر بلا لیا۔ میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔

(۱۷۱) فرمایا فلا تفعلوا الا بام القرآن میں کلمہ استثنا کے بعد تعیینِ فاتحہ کرنا شارع کو منظور ہے یہ نہیں کہ تعمیم فاعل بیان کرنا مقصود ہے۔ پس لا تفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن میں ناظرین پر ملتبس ہو گیا کہ الا ان تفعلوا جو کلمہ ام القرآن سے قبل مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر جو واؤ ہے اس کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ حالانکہ مقصود ام القرآن کی تعیین ہے گویا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی سے بطور لزوم پڑھانا مقصود نہیں، اگر کوئی پڑھے تو اباحتِ مرجوحہ موجود ہے۔

فصل الخطاب صـ۱۰۸ کی اصل عبارت یہ ہے :۔

ویحتمل ان یکون لفظ محمد بن اسحق من اوله الی اخرہ مسئلة وجوب الفاتحه فی الصلوة قصداً امع الاباحة للمقتدی تبعاً ولیس التعلیل لعموم الفاعل وهو الضمیر فی الا ان تفعلوا المقدر بل لتعیین المفعول به ایاها وهو قوله الا بام القرآن وهما امران فالمطلوب ذات الفاتحة و وجودها علیٰ شاکلة فرض الکفایة لا عمل کل واحد لزوماً فان فعل من شاء منهم فهو فی حد الاباحة المرجوحة والتبس علی الناظرین تعیین المفعول به بتعمیم الفاعل لزوماً

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کا تو شرحِ صدر ہو گیا اور بات سمجھ میں آگئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا وہ جلدی میں یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ شاہ صاحب لفظ ان تفعلوا جو الا کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں۔ تقدیر عبارت

یوں ہے، لا تفعلوا الا ان تفعلوا بام القرآن فانہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بھا"
چنانچہ حدیث مرفوع میں اسی طرح ارشاد ہے۔" قال لا تفعلوا الا ان یقرأ
احد کم بفاتحۃ الکتٰب فی نفسہ"
یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحبؒ کو یہ معلوم نہیں کہ لا تفعلوا میں
ضمیر مقدر ہے یا بارز۔
دیکھئے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا، کسی نے خوب کہا ہے ؎

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔
" وھو الضمیر فی لا تفعلوا البارز" حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں۔
" ھو الضمیر فی الا ان تفعلوا المقدر"۔
اول تو جناب نے لفظ ہی بدل دیا۔ الا ان تفعلوا کی جگہ لا تفعلوا نہی کا صیغہ
لکھ مارا۔ پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا بلکہ
یہ فرمایا کہ ان تفعلوا جو کہ مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر واؤ کی تعمیم مقصود نہیں۔ چنانچہ
اس سے صریح عبارت فصل الخطاب ص۶۸ میں دیا ہے۔
" اے ان قولہ فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بھا لیس تعلیلاً لعموم
الفاعل فی الا ان تفعلوا بل لتعیین المقروءان کان فھو الفاتحۃ لا غیرھا
وھو المناسب انتھٰی"
اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ معترض کو عبارت سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔ نعوذ باللہ
من شرور انفسنا"
اسی طرح اور بھی کچھ اعتراضات کئے جس کے تحقیقی جوابات ہم نے دوسری جگہ

دے ہیں۔

(۳،۲) فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبریؒ درسِ حدیث دے رہے تھے، کوئی رئیس آیا اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر جانے لگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تھیلی کو اٹھا کر پھینک دیا، تھیلی پھٹ کر دینار اِدھر اُدھر بکھر گئے اور رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا اور جمع کرنے لگا، حضرت ابن جریرؒ فرمانے لگے جب تم نے یہ اشرفیاں مجھے دے دی تھیں تو اب تم کس لئے جمع کرتے ہو۔ اب تو یہ تمہاری ملک رہی نہیں۔ سچ ہے دنیا کی حرص بُری چیز ہے۔

(۳،۳) انما الاعمال بالنّیات وانما لامرءٍ مانوی فمن کانت هجرته الی اللہ ورسوله فهجرته الی اللہ ورسوله ومن کانت هجرته الیٰ دنیا یصیبها او امرأة ینکحها فهجرته الیٰ ما هاجر الیه" بخاری وغیرہ فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں۔ عمل، نیت، غایت۔ پہلی کی طرف اشارہ فرمادیا کہ "فمن کانت هجرته" عمل کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور ثانی کی طرف اشارہ فرمادیا "الی اللہ ورسوله" پس الی اللہ یہ نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرمادیا "فهجرته الی اللہ ورسوله" پس وہ غایت ہے ایسا ہی جملہ ثانیہ ہے۔

(۳،۴) فرمایا لفظ مسیح ماشیح کا معرب ہے۔ اس کے معنیٰ عبرانی زبان میں مبارک اور لفظ عیسیٰ الیشوع سے لیا گیا ہے۔ اس کے معنی مخلص اور فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفٰے خاتم الانبیاء ہیں، جب مراد اس سے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق عملی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی منتظر باقی نہیں ہے کیونکہ ان کے واپس تشریف لانے سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء کی تعداد چونکہ ختم ہو گئی اس لئے پہلے انبیاء میں سے لایا گیا، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبیِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت ہے، اس لئے

ان ہی کا انتخاب ہوا۔ جس نبی نے صراحتاً بشارت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی دی وہی اگر تصدیق بھی فرمائیں گے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہونگے۔

(۳۷۵) لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے، حضرت مولانا مدنی بھی تشریف فرما تھے مولانا سید محمد طلحہ صاحب بھی تھے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان عالمگیرؒ نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے، اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیرؒ جو کہتے تھے وہی مسئلہ پاس ہوکر تحریر ہوتا تھا۔ یہ اس کے وفورِ علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

(۳۷۶) **عالم کی بقاء یادِ الٰہی پر منحصر ہے** حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہٗ کا وعظ سادہ ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے جو پوری طرح ذہن نشین ہوجائیں ارشاد فرماتے تھے۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا۔ غالباً ۱۳۴۳ھ ہجری تھا۔ تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے، جب تک اللہ تعالےٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا، جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آگیا۔

حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا تقوم الساعۃ حتیٰ لا یقال فی الارض اللہ اللہ" قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک متنفس بھی اللہ اللہ کرنیوالا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنیوالا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجائیگی کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں اسے گرادیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مقصود اصلی ذکرِ الٰہی ہے، اور یہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکر کے لئے

موت نہیں اور غافل کے لئے حیات نہیں کیونکہ اصلی زندگی یادِ الٰہی ہے، اعمالِ صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے :-

"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (ترجمہ) انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں۔ ان کی قبور والی زندگی بھی اعمالِ صالحہ سے معطل نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے صحیح فرمایا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے ؎

از یکے گو دز ہمہ یک سوئے باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

سب سے یک سو ہو کر فقط اس ایک کا ہو جا۔ تیری ظاہری و باطنی توجہ اس ایک ہی کی طرف رہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہ گوید

حضرات! اللہ تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو۔ ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں اور سارے دیوان میں یہی ایک شعر ہے جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے ؎

من نمے گویم زیاں کن یا بہ بندِ سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لے۔ موت کو یاد رکھنا چاہیئے۔ وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا بلکہ تیزی سے نکلا جا رہا ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

رنگلے چنریا گندا لے ری میں تو کیا کیا کرے گی اری دن کچے دن

نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
کھڑی منہ تکے گی اری دل کے دن

معلوم نہیں کہ اُدھر سے بلاوا کس وقت آجائے۔ کفِ افسوس ملتی رہ جائیگی۔ (یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی کہ ریشِ مبارک تر ہوجاتی تھی اور سامعین وقفِ گریہ و بکا ہوجاتے تھے۔)

(۲۷) بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ اخلاص سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلہ آخرت کی ترازو کا بھر جاتا ہے، آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے۔ صدقِ من قلبہٖ تو نصف پلہ باقی بھی بھر جاتا ہے۔ "سبحان اللہ نصف المیزان والحمد للہ تملأ المیزان" اور جب یہ کہتا ہے "ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" تو اس کی سمائی زمین و آسمان میں نہیں ہوتی چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے، اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جنت کے خزانوں میں سے ایک مخفی خزانہ ہے۔ اس کا ثواب آخرت میں کھلے گا۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے۔ کلمتان خفیفتان علے اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ط

ترجمہ: دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں، آسانی سے ادا ہوجاتے ہیں۔ آخرت کی ترازو میں

ے قولہ علیہ السلام التسبیح نصف المیزان والحمد للہ یملأہ ولا الٰہ الا اللہ لیس لہا حجاب دون اللہ حتی تخلص الیہ (ترمذی [illegible]) مشکوٰۃ ص۲۰۲

الطہور شطر الایمان، والحمد للہ تملأ المیزان وسبحان اللہ والحمد للہ تملأن او تملأ ما بین السموات والارض (مسلم مشکوٰۃ ص۳۸)

بڑے وزنی ہیں۔ رحمٰن کو بہت محبوب ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ۵
خیال فرمائیں جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کسقدر ثواب اسکو ملے گا۔
پہلے جو حدیث "لا تقوم الساعۃ حتیٰ لا یقال فی الارض اللہ اللہ" ذکر کی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ مجرد اللہ اللہ بھی ذکر ہے۔ (خلافاً للحافظ ابن تیمیہ)
یوں بھی روایت ہے:۔ سبحان اللہ والحمد للہ تملأن المیزان یعنی سبحان اللہ والحمد للہ دونوں مل کر ترازو کا پلڑا بھر دیتے ہیں۔

(۳۷۸) **ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق** | غالباً ۱۹۵۹ء ماہ نومبر میں لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا علی میاں صاحب ندوی لکھنوی بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ۔ میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت سی ہیں " ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیماط
اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی۔ اب میں ایک اور تقریر سناتا ہوں

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

" واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین ط "
نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں رکھدیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں۔ پھر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریّت میں منحصر کر دیا۔ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب الآیہ پھر اسکی دو شاخیں کر دیں۔ ایک بنی اسرائیل۔ چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسماعیل، ان میں خاتم النبیین علی الاطلاق حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم قرار پائے اور سلسلہ نبوت آپ پر اختتام فرما دیا اور بنی آدم کی سیادت آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی۔

" انا یوم القیامۃ سید ولد آدم ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر۔ وقد اخذ اللہ میثاق النبیین ای منھم بنصرتہ ان ادرکوا زمانہ وقد ادرکوہ فی المسجد الاقصی ویدرکونہ یوم العرض الاکبر"۔

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے، اور سب نے آپ کا مسجد اقصٰی میں زمانہ پا لیا اور آئندہ بھی پالیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی جیسا کہ امام اکبر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کمالِ شئ کے رتبے میں ظاہر ہوئے اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ " بدی بی الخلق وکنت اٰخرھم فی البعث " میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی۔ اور ابتداء مجھ سے ظاہر ہوئی، اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ " کنت اول النبیین فی الخلق واٰخرھم فی البعث (کمافی روح المعانی جلد ۷) " میں خلق میں سب سے اوّل ہوں اور بعث میں سب سے آخر "۔ یہ حدیثیں درمنثور کنز العمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ سے مرفوعاً ثابت ہے، اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے

دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق کیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور یہ بھی کہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی۔ "ان لا نبی بعدی"۔ کو تفسیر درمنثور، مسند احمد۔ ابن جریر اور حاکم اور بیہقی رح نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے:-

"انا عند اللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین و آدم لمنجدل فی طینتہ" الحدیث

اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے۔

"واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب" (الآیہ) "واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور" واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا" (الآیہ) واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسٰی وعیسے ابن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا" (الآیہ)

حاصل یہ کہ اخذ میثاق نبیین سے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا ہے میری ایک نظم نعتیہ ہے اس میں ایک شعر ہے۔

آیتِ میثاق در وے ثم ہست
ایں ہمہ از مقتضائے ختم ہست

آیتِ میثاق میں جو ثم آیا ہے یعنی "ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم" الآیہ یہ سب کچھ بہ مقتضائے ختمِ نبوت ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف رکھا گیا اور تمام انبیاء کو ایک طرف رکھا گیا، معلوم ہوا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے اس امت کے نبی ہیں۔ نبی الانبیاء بھی آپ ہی ہیں۔ ثم جاءکم اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد آئے گا۔ سورۃ صافات میں ہے بل جاء بالحق

وصدق المرسلین" وہ رسول حق لے کر آگیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر دی اگر غور سے دیکھو گے تو اس آیت "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" میں لام استغراق کے لئے ہے اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہو گا۔ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں آتا ہے۔ حکماً عدلاً وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہو گا۔ پیغمبر تو آپ ہوں گے، لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ پیغمبر تو تھے لیکن بحیثیت پیغمبر کے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ شریعت یوسفی پر عامل تھے، جیسا کہ "لوکان موسیٰ حیاً لما وسعہ الا اتباعی" میں ہے۔

الحاصل یہ نکھر گیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے میثاق لیا گیا۔ قرآن عزیز میں ہے "ولما جاءھم من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون ط"

(ہدایۃ الحیاری) میں ہے۔ "لو لم یظھر محمد بن عبد اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لبطلت نبوۃ سائر الانبیاء"

اگر محمد بن عبد اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو جاتی، سو حضرت محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق فعلی ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے "بل جاء بالحق وصدق المرسلین" یہ تفسیر حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے ہیں۔ محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا، یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائیگی۔ عدد انبیاء کا ختم ہو گیا ہے۔ اور حسب حاجت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا۔ تاکہ دلیل ہو جائے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ تشریف لا کر بھی حضور کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تاکہ سب پر ثابت

ہو جائے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں۔ توراۃ میں ہے "نابی میا نیخ مقربخ یا خیم لخ الاوخ الاد تشماعون"۔ یعنی نبیّ من قربک من اخیک کاخیل یقیم لک الھک الیہ تسمعون ۔ "میں تیرے قریبی بھائی بندوں میں سے ایک نبی معبوث کرونگا۔ تم اسی کی سُنیو"۔

بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسماعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق معبوث ہوئے، ان ہی کی اتباع کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ وہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نکاح بھی کرینگے اور اولاد بھی ہوگی۔ اور حج وعمرہ بھی کرینگے اور چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ پھر روضۂ پاک میں دفن ہوں گے، جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

(۱۷۹) حضرت موسٰی علیہ السلام نے حج کیا ہے

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ایک وادی سے گذرے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "ای واد ھذا" معلوم ہوا کہ "وادی ازرق ہے" تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کانی انظر الی موسٰی"، کہ میں موسٰی علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں۔ اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تلبیہ کہتے جا رہے ہیں۔

پھر یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ "وادی ہرشیٰ سے گذر رہے ہیں۔ یہ مسلم شریف میں بھی ہے۔ شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا۔ مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام حج اور عمرہ کرینگے اور فج روحا سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقیؒ نے حیات انبیاء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مسلم شریف میں ہے۔ "مررت بموسٰی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ"۔

اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں۔ دین انکا واحد ہے
"انا اولی الناس بعیسی بن مریم لانہ لیس بینی وبینہ نبیٌ وانہ خلیفتی علےٰ امتی وانہ نازل فاذا رائیتموہ فاعرفوہ" (الحدیث)

(۲۸۰) اور مستدرک حاکم میں ہے" ولیاتین علی قبری حتی یسلم علیّ ولاُردنَّ علیہ
اور فتح الباری میں بھی ہے اور ایک ٹکڑا مسلم شریف میں بھی ہے اور واضح رہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا تمام دائرہ از اول تا آخر طے فرمایا ہے، لہٰذا اول اور آخر میں ظہور فرمایا اور تمام دورۂ نبوت پر حاوی ہو گئے۔ اس تقدیر پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگرچہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کے طور پر ہی ہو اس میں صریح منقصت ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی۔

بس اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رح نے فرمایا اس کو قلم بند کرو اور سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رح بھی میرے پاس بیٹھے تھے اور بڑے غور سے سن رہے تھے۔ بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کرو۔ ورنہ میں آپ کے دوائے پر بیٹھ جاؤں گا۔ علی میاں بھی فرماتے تھے کہ بھاولپور کے حضرت شاہ صاحب کشمیری رح کے بیان کو بھی ضرور قلم بند کر دینا چاہیئے۔

(۲۸۱) رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے کہ جبتک رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کرلیں گی، اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ (انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرا دیا جائے گا۔

(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے، چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ

کی رفتار سے سیر کرتے ہیں، ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہو گا، وہ بہت حیرت انگیز ہو گا، کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے طے کرلیں گے۔ جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

گارڈن کوپر کا زمین کے اردگرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جسے آئن سٹائن نے اپنے نظریئے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا یہ خلائی سفر گارڈن کوپر نے ۹۰ منٹ میں طے کرلیا، اور گارڈن کوپر کی عمر اس خلائی سفر میں کم ہو گئی۔[۳۸] اب تو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے۔

وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون کی تفسیر تجربہ میں آگئی۔ ایک فلاسفر نے لکھا ہے کہ ”خلائی کشتی کے ذریعے ایک سے دوسرے کہکشاں تک آنا جانا ممکن الوقوع ہے اور وہاں کے حساب سے پچپن سال اور زمین کے حساب سے تین لاکھ سال گذر چکے ہوں گے“۔

یہ اس نے بڑے تھکانے والے تجربے کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ کئی بار فرمایا تھا ”لیس عند ربک صباح ولامسأ

ھنا موطن فوق الزمان ثباتہ
علےٰ حالۃ لیست بہ غیرٌ تتریٰ

وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانے اور تغیر وتبدل کا گذر نہیں ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے

قال ابن مسعودؓ کلاما قد حکاہ الدارمی عنہ بلا نکرانِ
ما عندہ لیل ولا نہار قلت تحت الفلک یوجد ذان

نور السموات العلیٰ من نورہ
والارض کیف النجم والقمران

من نور وجه الرب جل جلالہ
وکذا حکاہ الحافظ الطبرانی

یہی مراد ہے اس حدیث کی۔
"ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض القسط ویرفعہ و
یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار وعمل النھار قبل عمل اللیل حجابہ النور
فھذہ حضرۃ فوق اللیل والنھار" کما فی روح المعانی۔
(۳۸۳) روح المعانی میں واشرقت الارض بنور ربھا دیکھنا چاہیئے" وان جھنم
لمحیطۃ بالکفرین" میرے نزدیک یہ محقق ہوگیا کہ معانی آخرت میں متجسد ہوجائینگے
شیخ اکبر کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے اور دوانی نے اپنے رسالہ "الزوراء"
میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی ہے۔ یعنی اب بھی جہنم محیط ہے۔ لیکن آنکھوں سے
مستور ہے اور حشر میں یہ سب کچھ منکشف ہوجائے گا۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک
الیوم حدید"۔

(۳۸۴) **بندوق کا شکار** درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض
احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟
میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا۔ حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے
زخم نہیں کرتی۔ تو یہ وقیذ کے مشابہ ہوا۔ گو مالکیہ کے ہاں جائز ہے، بہرحال اگر بندوق کا شکار
زندہ مل جائے تو ذبح کرنا چاہیئے اگر مرجائے تو کھانا ناجائز ہے۔

(۳۸۵) **نماز کے لئے رغبت** حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ فرماتے
تھے۔ کہ مولانا سید انور شاہ صاحبؒ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے۔ اور حضرت گنگوہیؒ
سے عرض کیا۔" حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے"۔ حضرت گنگوہیؒ نے
فرمایا:" اور رہ ہی کیا گیا"۔ سبحان اللہ نماز ہی کی فکر رہی۔

(۳۸۶) **اختلاف میں اتحاد** ارشاد ہوا۔ دو شریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گذار سکتے ہیں۔

(   ) فرمایا:۔ "قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض"۔

ابو عبداللہ رازی کہتے ہیں جو مذاہب کہ مفضی الی الشرک ہیں وہ چار ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور زمینیات کو ان کے حکم میں کر دیا اور ہم زمینیات میں سے ہیں۔ اس لئے ہم کواکب اور ملائکہ کو پوجتے ہیں۔ جو کہ آسمانی ہیں اور وہ ہمارے الٰہ ہیں، اور اللہ ان کا معبود ہے۔ لہٰذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کر دیا۔

"لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموات" کما اعترفتم "ولا فی الارض" کما زعمتم۔

(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مستقل اور زمینوں اور زمینیات کا خالق ہے بواسطہ کواکب۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے عناصر پیدا کئے اور جو ترکیبات ان میں ہیں اتصال اور حرکات اور طوالع۔ اس لئے انھوں نے شریک قرار دے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں۔ اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالےٰ کے غیر کی قرار دیا اللہ تعالےٰ نے فرمادیا۔

۔ ما لھم فیھما من شرک ای الارض کالسماء للہ لا لغیرہ فیھما من نصیب۔

(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے سپرد کر دیا ستاروں کے اور حوادثات کا انتساب اذن دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے۔ نہ کہ ماذون کی طرف اور فقط آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالےٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالےٰ نے اسے باطل قرار دیا، اس کلام سے "وما لہ منھم

من ظہیر۔"

(۴) بعض کہتے ہیں ہم اصنام کو پوجتے ہیں جو ملائکہ کی تصویریں ہیں تاکہ ہماری شفاعت کریں۔ پس اللہ تعالےٰ نے باطل قرار دیا۔ "لا تنفع الشفاعة" جملہ الشفاعة میں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے، اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے، بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے، یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہرتے ہیں۔

فرمایا "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء"

جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں بار بار ذکر فرمائی گئی ہے اچنانچہ آل عمران میں ہے۔ "ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدیٰ بہ اولئک لھم عذاب الیم وما لھم من نصرین" (الایہ)

اور اس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے، نیز سورہ نسأ میں فرمایا گیا ہے۔ ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما وغیرھا من الآیات)، لہٰذا اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا، کیونکہ دو چیزیں ہیں اگرچہ شرعاً حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے کیونکہ ان دونوں میں تغایر نہیں ہے کیونکہ شرک اقرار الوہیۃ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے اور کفر کبھی توجود باری تعالےٰ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا۔ اس لئے یہاں پر عنوان شرک کا رکھا اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی اہم ہے۔

فرمایا اشراک باللہ کی کئی اقسام ہیں۔ "اشراک فی العبادۃ" "اشراک فی الصفات

"اشراک فی الطاعۃ"۔

"اشراک فی العبادۃ" کہ عبادت غیر اللہ کی کرے۔ لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے، جیسے مشرکین عرب کہتے تھے "مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی"۔

"اشراک فی الطاعۃ"۔ یہ ہے کہ تحلیل الحرام میں اور تحریم حلال میں غیر اللہ کا کہنا مان لے، جیسا کہ حضرت عبد القادر دہلوی رحؒ نے متنبہ کیا ہے۔ کہ نصاریٰ "اربابًا من دون اللہ" مانتے تھے، یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے، حضرت شاہ عبد القادر رحؒ نے اس کو اشراک فی الطاعۃ فرمایا ہے۔

(۳۸۷) **وحدت دعوت انبیاءؑ** فرمایا ابن رشد رحؒ نے "تہافتہ الفلاسفہ" میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت توراۃ سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو ثابت ہے اور ادیان سماویہ کی اور شرائع انبیاء کی اساس ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ شرائع اگرچہ بدلتی رہی ہیں، لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔

تفاسیر میں ہے کہ حرمت خنزیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، ہاں ان نقول کے انتقاد کی ضرورت ہے، تو قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

(۳۸۸) **تعظیم مفرط پر نکیر** جس روز بہاولپور تشریف فرما ہوئے۔ ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد صاحب سے فرمانے لگے، یہ اتنا مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہیئے۔ ہم تو عام آدمی ہیں۔ خیر بیٹھیئے۔ میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سُنانا چاہتا ہوں۔ پھر اس پر وعظ فرمایا، قرآن و حدیث پیش فرماتے گئے اور شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا کہ نماز میں جوارکان شریعت نے رکھے ہیں ان

میں قیام تو مشترک ہے، ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں۔ تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور سجدۂ تحیہ اور تعظیمی یہ حرام ہے فقط مصافحہ سنت ہے۔

(۳۸۹) ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدۂ تحیہ کا جواز لکھ کر میرے پاس داخل بھیجا، میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں۔ اٹھا کر ایک دو جگہ سے دیکھا، انھوں نے لکھا کہ سجدۂ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں، حالانکہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ پہلے وقت سجدہ تعظیم تھی آپس کی۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، اس وقت اللہ تعالٰی نے وہ رواج موقوف کیا اور فرمایا۔

"وان المساجد للہ"۔ اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے کہ آدم علیہ السلام کے وقت ہوا۔ (سورۂ یوسف کی تفسیر میں "وخروا لہ سجدا" کے تحت شاہ صاحبؒ نے یہ ذکر فرمایا ہے) اور سورۂ جن میں وان المساجد للہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:۔ "سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے"

غرض سجدۂ تحیہ کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ فقہائے نے لکھا ہے کہ ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے، مثلاً اپنے استاد کو یا کوئی اور واجب الاحترام آدمی ہو (در مختار)

(۳۹۰) **لفظ قدر کی تحقیق** فرمایا "فظن ان لن نقدر علیہ" پس گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے (ف) "کمافی فقدر علیہ رزقہ" پس اس پر رزق تنگ کردیا "کما بینہ الطحاوی فی مشکلہ"

(۳۹۱) **رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے** "والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن" شجر ملعونہ کے ذکر کو معراج سے اس لئے ملادیا کہ یہ بھی کفار کا ایک طعنہ تھا جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا۔ چنانچہ "عمدۃ القاری" میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے راتوں رات

بیت المقدس تک ہو آئے۔ اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ " درخت آگ میں کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آگ کا کام تو جلانا ہے "۔ خدا کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

(۳۹۲) فرمایا کہ عالم غیب کی چیزیں حالتِ یقظہ میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے۔ میں نے تورات میں اکثر دیکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہوئے۔ یہاں یہ لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے۔ تورات ہی میں ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام ایک ندی کے پاس سے گذرے تو انھوں نے ایک رؤیا دیکھا۔ حالانکہ یہ عالم بیداری میں رؤیا تھا۔ فوراً مجھے تنبّہ ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء علیہم السلام کے عالمِ یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیا کے ہاں، لغت میں تو کشف کے معنی وضوح کے ہیں۔ کبھی باصرہ کے ساتھ عالمِ یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا ہے۔

(۳۹۳) فرمایا کہ قادیانی نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو شبِ معراج میں حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکا ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ میں واقعہ ملاقات ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے، اس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ) صہ ۳۰۹ باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ علیہ السلام)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں " لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ فتذاکروا الساعۃ فبدؤا بابراھیم فسألوہ عنھا فلم یکن عندہ منھا علم ثم سألوا موسیٰ فلم یکن عندہ منھا علم فردوا الحدیث الی ابن مریم فقال قد عھد الی دون وجبتھا اما وجبتھا فلا یعلمھا الا اللہ فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتلہ (الحدیث)

(۳۹۴) **ایّام قیام قبا کی تحقیق** فرمایا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چودہ روز قیام پذیر رہے، چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶۔ جلد ایک میں تصریح ہے اور جو سیر محمد بن اسحاق میں ہے کہ قباء کا قیام چار دن رہا۔ پس وہ سہو ہے، اس کا منشا یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم قباء میں داخل ہوئے منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کرلیا گیا۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیونکہ منگل منگل آٹھ روز۔ بدھ جمعرات جمعہ تین دن ملکر گیارہ دن ہو گئے تو بخاری شریف میں مذکور چودہ دن تو پورے نہ ہوئے جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا۔ بلکہ جمعہ کی نماز ادا کرکے واپس آجانا مقصود تھا، پھر ہفتہ، اتوار، پیر قبا میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے، یہ پندرہ یا چودہ روز ہو گئے۔

(۳۹۵) **فضیلت حضرت ابوبکر قطعی ہے!** ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت امام اشعریؒ کے نزدیک قطعی ہے اور امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے، میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے کیونکہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں، جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے، بلکہ تواتر سے بھی فوق ایسے ہی افضلیتِ شیخین بھی ثابت ہے، پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے، پس جو اقرب ہے نسباً وہ آخر ہے۔ افضلیت میں اس طرح کہ علیؓ۔ عثمانؓ۔ عمرؓ۔ ابوبکرؓ نیز افضلیت میں صدیق اکبرؓ اقدم ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمانؓ، پھر علی کرم اللہ وجہہ،

(۳۹۶) **امتناع قرأۃ خلف الامام** بخاری جلد اول صـ۵۲۳ میں ہے کہ فاروقِ اعظمؓ پہلی رکعت فجر کی نماز میں سورۃ یوسف یا نحل پڑھتے تھے۔ حتی کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ پھر رکوع کرتے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ پس مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہوا، پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی۔ حدیث

کے الفاظ یہ ہیں "حتی یجتمع النّاس"

(۳۹۷) **توسل فعلی وقولی** بخاری میں قولِ عمر آیا ہے "اللھم انا نتوسل الیکؐ بعم نبینا فاسقنا" یہ توسل فعلی ہے، رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے۔ اعمٰی کی حدیث میں ہے "اللھم انی اتوجہ الیکؐ بنبیک محمد نبی الرحمۃ الیٰ قولہ فشفعہٗ فی"

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے اور تصحیح فرمائی ہے بمستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تصویب کی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۴ ص۲۸۲ میں مفصل تخریج ہے)

(۳۹۸) **فقہاءِ سبعہ مدینہ** فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں ؎

الا کل من لا یقتدی بائمۃ
فقسمتہ ضیزی عن الحق خارجہ
فخذھم عبید اللہ عروۃ قاسم
سعید ابوبکر سلیمان خارجہ

پس وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود۔ عروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضؓ سعید بن المسیب رضؓ ابوبکر بن عبد الرحمٰن۔ سلیمان بن لیسار مدنی مولیٰ میمونہ رضؓ خارجہ بن زید بن ثابت الانصاری) اگر کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھ کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

(۳۹۹) **لفظِ دون کی ادبی تحقیق** فرمایا "واذکر ربک فی نفسکؐ تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال" اس میں دون الجھر معطوف واقع ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے۔ اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم۔ فقہا کا جہر مراد نہیں بلکہ "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول

کے قبیل سے ہے مثلاً " ولا تجھروا لہ بالقول " یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو، جیسے اعراب بولتے تھے۔ جیسے " ویغفر ما دون ذلک " یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دیگا۔

" ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر " یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

" ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما " یعنی پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہا کے جہر کو کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے

سنن ابی داؤد صـ ۲۶۳ میں ہے " فان افتانا بفتیا دون الرجم قبلناھا " پس اگر انھوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کریں گے (اسد الغابہ صفحہ ۱۶۸) وغیرہ۔ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے۔ مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔ فرمایا " انہ من الاواھین " اور خود حضرت عمرو بن عبسہؓ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے۔ کتب سیرت میں مصرح ہے (صـ ۱۲۱ اسد الغابہ) (محمد عفا اللہ عنہ)

فرمایا بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔ مختصر المعانی میں ہے صـ ۸۵

" ومعنی دون فی الاصل ادنی من الشئ یقال دون ذالک اذا کان احطمنہ قلیلاً (ترجمہ) " دون اصل میں کسی شئ کا کم درجہ کا ہونا " ھذا دون ذاک وہاں بولتے ہیں جب وہ شئ دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو؟

لاہور میں ایک شخص کو تلقین کرتے وقت زور سے ضرب لا الہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی، دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا۔ جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

(۴۰۰) **اعجاز قرآنی** ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید وحکیم کا اعجاز مفردات اور ترکیب وترتیب کلمات اور مقاصد وحقائق کی جملہ وجوہ سے ہے مفردات میں ہے کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے "اوفیٰ بالحقیقۃ واوفی بالمقام" سارے انس وجن بھی نہیں لا سکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لئے "توفی" کا لفظ درست نہ تھا کیونکہ ان کے عقیدے میں نہ بقاءِ جسد تھی نہ بقاءِ روح۔

"توفی" وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا۔ اور تبلایا کہ موت سے وصولیابی ہوتی ہے، نہ فناءِ محض اس حقیقت کو کلمہ توفی سے کشف کر دیا اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

"وجعلوا للہ شرکاء الجن" ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی "وجعلوا الجن شرکاء للہ" لیکن مراد یہ ہے کہ انھوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے۔ کوئی معمولی جرم نہیں کیا۔ خدا کو جن کا شریک قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور کبریائی کو جن کا ہم رتبہ قرار دے دیا۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے

(۴۰۱) **مقصد قرآنی کی تشریح** مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا لیتا ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے اسماء حسنیٰ کے شرح میں لکھا ہے۔ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہییں جن سے مبدأ اور معاش اور معاد اور فلاح ونجاح دنیا کی آخرت وابستہ ہو۔

(۴۰۲) **قرآنی حقائق** اس سے میری مراد امور غامضہ ہیں۔ جن سے عقول وافہام قاصر رہے اور تجاذب وتجاذب اور نزاع عقلا باقی رہا جیسا کہ "مسئلہ خلق افعال عباد"

کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربط قدرت ازلیہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید ایسے مقام میں وہ تعبیر اختیار فرمائے گا جس سے "اوفی بالحقیقۃ" تعبیر بشری طاقت سے باہر ہے۔

(۴۳) ریل گاڑی میں بہاولپور سے براستہ راجپورہ واپسی دیوبند کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے لیتے ہیں اور حاکم دارقطنی سے لیتے ہیں۔ ......

احقر نے عرض کیا کہ سنن کبریٰ بیہقی پر علامہ ماردینی بیہقی کے لفظی اغلاط پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا "ان کی نظر چوکتی نہیں"

(۴۴) فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الزمن مولینا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کرلیا تھا اور فتح الباری کا مطالعہ درسِ بخاری کے سال میں کیا تھا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیز ہوتی تھی کہ دو دو سو (۲۰۰) ورق مطالعہ کرلیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحٰق کشمیری رحؒ سے میں نے صحیح مسلم، سنن، نسائی ابن ماجہ پڑھی ہیں۔ وہ تلمیذ مولانا خیر الدین آلوسی رحؒ کے ہیں وہ اپنے والد سید محمود آلوسی صاحبِ روح المعانی کے ہیں۔ "الجواب الفسیح لما لفّق عبد المسیح اور بلوغ الارب وجلاء العینین فی المحاکمۃ بین الاحمدینؒ اور بھی بڑی نفیس کتب کے مؤلف ہیں۔ الجواب الفسیح تو احقر کے پاس بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے ایک دفعہ امرت سر اور لاہور کے درمیان عرض کیا کہ علامہ خیر الدین آلوسی کی ایک کتاب ردِّ علیسائیت میں ہے۔

لاہور شاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خرید کی تھی۔ فوراً فرمایا۔ الجواب الفسیح ہے؟ میں حیران رہ گیا۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب کشمیریؒ کا

انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوا۔ فرماتے تھے ایک میرے استاد تھے۔ اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ و شنگ ہو، میں تو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے کبھی بولتا نہ تھا۔ چپ سنتا رہتا تھا۔

( ) فرمایا حضرت شیخ الہندؒ سے ہدایہ کے آخری دو جز بھی میں نے پڑھے تھے۔

(۴۰۵) فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسیؒ بھی ہیں۔ ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ طحطاوی سے ملتا ہے۔ رسالہ حمیدیہ ان ہی کی تصنیف ہے۔ ان کا زہد و اتقاء بڑا کامل تھا، فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی پڑھا ہے۔ جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہ حاضر ہوا تھا۔ یہ مدرسہ امینیہ کی واپسی پر ہوا تھا۔

(۴۰۶) **مولانا نیمویؒ** فرمایا ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو جامع الآثار مؤلفہ مولانا نیمویؒ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں۔ میں نے جامع الآثار کی حمایت میں بھی مولانا نیموی کو لکھا تھا، مولانا نیموی کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

(۴۰۷) **تقویٰ کے معانی** ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے۔ "والزمہم کلمۃ التقویٰ" توبہ پر بھی اطلاق ہوا ہے" ولوان اھل القری امنوا واتقوا" طاعت کے معنیٰ پر بھی بولا گیا ہے۔

" ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون" ترک گناہ پر بولا گیا ہے" واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللّٰہ" کبھی اخلاص کے معنیٰ بھی دیتا ہے" فانہا من تقوی القلوب" حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس پر خوب لکھا ہے۔

(۴۰۸) **قرآن کریم میں تنسیخ آیات** فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے۔ ایسا ہی مطلق کی تقیید اور تقیید کا اطلاق اور استثنٰی اور ترک استثناء بھی نسخ ہے۔ ایسے ہی

حکم کا انتہا اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے۔ متاخرین کی سعی یہی رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے۔ حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز الکبیر)

میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی محل ہی نہ نکل سکے۔ بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔

فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر ہم باری تعالےٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ زمانہ، مکان، اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ دوا گرم مزاج بارد اور موسم بارد میں مفید ہوتی ہے اور مزاجِ گرم اور موسمِ گرما میں مضر ہوتی ہے اور چونکہ زمانہ ازل سے ابد تک واقعات جزئیہ پر منقسم (موزّع) ہے۔ ظہور و خفا سابق اور لاحق اعدام ایجاد وغیرہ یہ سب کچھ ہمارے اعتبار سے ہے یعنی بہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے ہے لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پر واقع ہے بغیر تغیر و تبدل کے۔

حاصل یہ ہے کہ علمِ ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے۔ لیکن مکلفین اس غایت اور انتہا کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے احوال کے قرائن سے گمان کر لیتے ہیں کہ یہ حکم دائمی ہے۔ جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم اس کا ناسخ ہے۔

مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں۔ یہ تقدم اور تاخّر اور یہ تجدید و تغیر ان کے اعتبار سے ہے۔ لیکن باری تعالےٰ کے اعتبار سے یہ سب اپنے وقتِ مقررہ پر ہے کچھ تغیّر و تبدّل۔ تقدم و تاخّر نہیں اور یہ معاملہ صرف احکامِ شرعیہ ہی میں نہیں بلکہ ہر شئی میں جاری و ساری ہے اور جو کوئی اس نسخہ وجود کا (کہ بے انتہا حوادثِ متعاقبہ پر مشتمل ہے) بنظرِ غائر مطالعہ

کرے گا سمجھ لے گا کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھکر جا رہا ہے اور کلمہ بعد کلمہ اس کی زبان سے گزر رہا ہے، جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور کلمات سامنے آجاتے ہیں، جو منتفی ہو گیا۔ وہ وجودِ لفظی سے محو ہو گیا۔ جو کلمات بعد میں آئیں گے وہ وجودِ لفظی کی لوح پر ثابت ہو جاتے ہیں۔ یہ محو و اثبات ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس کو "کتاب المحود الاثبات" کہتے ہیں اور اگر اس مجموعہ کو بہیأتِ اجتماعی (کہ علیم و حکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا ہے) ملاحظہ کرے گا۔ یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے سے اس کو "ام الکتاب" کہتے ہیں۔ یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی کھل گئے۔" یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب"۔ بعض محققین اس مجموعہ دفعی کو "مرتبہ قضاءً" نام رکھتے ہیں اور ظہورِ تدریجی کو "مرتبہ قدرہ" کہتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں لامشاحۃ فی الاصطلاح)

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسی سے بدا لازم آتا ہے۔ اور ہماری تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے اور نسخ اور چیز۔ کیونکہ نسخ تو حسبِ اوقات مختلفہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے۔ بدا یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہو گئی۔ بدا میں تو غیر ظاہر مصلحت کا ظہور ہے۔ پس فرق ظاہر ہو گیا۔ نسخ بدا کو تو تب مستلزم ہوتا جب اتحادِ فعل، اتحادِ وجہ، اتحادِ مکلف، اتحادِ وقت ہوتا اس قسم کا نسخ تو محال ہے کہ ان چار شرائط کے ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے، مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہو گیا اور نماز عید کی واجب ہو گئی۔ یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے۔ مثلاً پہلے صوم یوم عاشورہ واجب تھا۔ پھر منسوخ ہو کر مستحب ہو گیا' یا مثلاً وقت مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً استقبالِ بیت المقدس ایک زمانہ میں تھا اور استقبال کعبہ شریف دوسرے زمانہ میں تا ابد ہو گیا۔" فول وجھک شطر المسجد الحرام " خود ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلفین بدل جاتے ہیں۔ مثلاً مالِ زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں کہ جس کو معنی کی تصویر میں دخل نہ ہو، بھاولپور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے ایک نعتیہ کلام میں مستدرکِ حاکم کی ایک حدیث ہی بعینہ رکھدی ہے ؎

اے آنکہ ہمہ رحمتِ مہداۃ قدیری

باراں صفت وبحر سمت ابرِ مطیری

" انا رحمۃ مھداۃ " حدیث شریف ہے۔ مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔ (اور مشکوٰۃ میں بھی ہے) پھر کچھ اشعار سنائے ؎

معراجِ تو کرسی شدہ وسبع سمٰوات (۴۰۹) فرش قدمت عرشِ بریں سدرہ سریری

برسر فرقِ جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت ہم صدرِ کبیری وہمہ بدرِ منیری

ختمِ رسل و نجم سبل صبحِ ہدایت حقا کہ نذیری تو والحق کہ بشیری

آدم بصفِ محشر و ذریت آدم درظلِ لوایت کہ امامی وامیری

یکتا کہ بود مرکزِ ہر دائرہ یکتا تا مرکزِ عالم توئی بے مثل ونظیری

ادراک بختم است کمال است بخاتم عبرت بخواتم کہ دردَورِ اخیری

اُمّی لقب و ماہِ عرب مرکزِ ایماں ہر علم وعمل را تو مداری ومدیری

عالم ہمہ یک شخصِ کبیر است کہ اجمال تفصیل نمودند دریں دیر سدیری

ترتیب کہ رتبی ست جدا کردہ نمودند در عرصۂ اسراء تو خطیبی وسفیری

حق است وحقے است چو ممتاز زباطل آں دینِ نبی است اگر پاک ضمیری

آیاتِ رسل بودہ ہمہ بہتر وبرتر آیاتِ تو قرآں ہمہ دانی ہمہ گیری

آں عقدۂ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل حرفِ تو کشودہ کہ خبیری وبصیری

اے ختمِ رسل امتِ تو خیرِ امم بود چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصلِ اخیری

کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور

باروئے سیاہ آمدہ وموئے زریری

اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے کہ تقریر دلپذیر حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اور اکفار الملحدین اور عقیدۃ الاسلام حضرت شاہ صاحبؒ کے اور صدع النقاب عن جساسۃ الفنجاب اور ضرب الخاتم، کو داخل درس کریں کہ بغیر ان کے طلبہ پر مسائل اور عقائد کی حقیقت نہیں کھل سکتی، علمی رنگ میں حل مسائل کا جب ہی ہوگا

(۴۱۰) ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ایک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ڈاکٹر اقبال کو تحریر کئے۔ بعض خطوط تو تیس تیس صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ علمی ذخیرہ کہاں کھو گیا۔ خود فرماتے تھے جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب علوم قرآن وحدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور مولانا امیر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

(۴۱۱) حضرت کا قصیدہ صدع النقاب جب حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا پہلا جلسہ ۱۹۲۳ء میں ہوا اور تمام علماءِ دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سیکروڈوی خادمِ حضرت شاہ صاحب، حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لائے۔ یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا۔ لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا وہ یہ ہے۔

(۴۱۱) **قصیدہ صدعِ النقاب مع ترجمہ حضرت مولانا محمد انوریؒ** (چند اشعار بطور نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ، ۱۶۱ اشعار پر مشتمل ہے:۔

الا یا عباد اللہ قوموا و قوموا   خطوبًا المت ما بهن یدان

اے اللہ کے بندو! اٹھو اور ناقابلِ برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو!

یُسَبُّ رسول من اولی العزم فیکم   تکاد السماء والارض تنفطران

ایک اولو العزم پیغمبر کو تمہارے اندر بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔ جس سے قریب ہے آسمان

اور زمین پھٹ پڑیں۔

وحارب قوم ربھم و نبیھم　　فقوموا لنصر اللہ اذھو دان

اور ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی۔ تم اللہ کی مدد کے لئے کھڑے ہوجاؤ جو کہ نزدیک ہے

وقد عیل صبری فی انتھاک حدودہ　　فھل ثم داع او مجیب اذان

اور خدا کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہوگیا پس ہے کوئی اس جگہ بلانیوالا یا میری آواز کا جواب دینے والا۔

واذ عز خطب جئت مستنصرا بکم　　فھل ثم غوث یا لقوم یدان

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا۔ پس اے میری قوم ہے کوئی فریادرس جو میرے قریب ہو

لعمری لقد نبھت من کان نائما　　واسمعت من کانت لہ اذنان

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو سنایا۔

وناديت قوما فی فریضۃ ربھم　　فھل من نصیرلی من اھل زمان

اور قوم کو اس کے خدا کے فریضہ کی طرف بلایا پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے

دعوا کل امر وا ستقیموا لما دھی　　وقد عاد فرض العین عند عیان

سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کے لئے تیار ہوجاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہوگیا ہے

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے ہیں۔ یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

( ) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعمش نے ایک

صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا ؎

انا نعزیک لا انّا علی ثقۃ — من البقاء ولکن سنۃ الدین

فلا المعزی بباق بعد میتہ — ولا المعزی وان عاشا الی حین

(ترجمہ) ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن یہ سنت ہے دین کی پس نہ تو معزّی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا اگرچہ ایک زمانے تک جیتے رہیں۔ (آخر سب کو موت ہے) ع

"جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن" (محمد عفرلہٗ)

(۴۱۲) فرمایا حافظ ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزار ہا گھر جل گئے۔ اور قرآن بھی جلے۔ لیکن یہ آیات نہ جلیں۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم (۱) وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ط (۲) ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون (۳) وان تعدّ وا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۴)۔ وقضی ربک ان لا تعبد وا الا ایاہ (۵) تنزیلا (۶) ممن خلق الارض والسموات العلی۔ الرحمٰن علی العرش استوی (۷)۔ لہ ما (۸) فی السموات وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثری۔ یوم لا ینفع مال (۹) ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ ائتیا طوعًا اوکرھا قالتا اتینا (۱۰) طائعین۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۱۱)۔ ما ارید منھم (۱۲) من رزق وما ارید ان یطعمون۔ ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین (۱۳) وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ فورب السماء والارض انہ لحق مثل (۱۴) ما انکم تنطقون ط

(۴۱۳) **آیات خاصہ** فرمایا یہ تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دکان گھر یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرّب ہے۔

(۴۱۴) **عمل شفا** فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت

پڑھ کر پانی پر دم کریں تو لاعلاج مرض کے لئے مفید ہے۔ یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔ یل

(۴۱۵) فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو بعض بعض علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ مثلاً ابوالدرداءؓ کو شام کی طرف تعلیم کی خاطر بھیجا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کا بیت المال سپرد کیا۔ اور حضرت عمارؓ کو امامت کے لئے بھیجا تھا۔ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک قرقیسیہ میں چھ سو صحابہؓ آباد تھے۔

الحاصل صحابہ کرامؓ مختلف بلاد میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم و کلمۂ اسلام کو پھیلانے کے لئے نکل گئے تھے۔

سو اگر مالکیہ کو فخر ہے اس بات پر کہ ان کا امام "دار الہجرۃ" کا رہنے والا تھا تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالکؒ امام دار الہجرۃ تھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہؓ عراق میں بس گئے تھے، اور وہیں علم نحو مدون ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہوئی۔ آپؓ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت "ان اللہ بری من المشرکین۔ ورسولہ" میں رسولہ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا۔ تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے ابو اسود دولی کو فرمایا کہ ایک قانون ایسا بناؤ کہ خطا لفظی سے لوگ محفوظ رہیں۔ پھر خود آپ نے ان کو ایک اصول بتایا "کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب و کل مضاف الیہ مجرور۔"

(۴۱۶) پھر فرمایا "انح نحوہ" پھر اسود دولی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی۔ حضرت علیؓ نے تصویب فرمائی۔ پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے مگر ولکن چھوڑ گئے۔ حضرت علیؓ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا۔ غرض حنفیہ کو بھی فضیلت حاصل ہے۔

(۴۱۷) فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے "انی اراکم من وراء ظہری" یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا، ایسا ہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور فلسفۂ جدیدہ نے

ثابت کر دیا ہے کہ قوۃِ باصرہ تمام اعضاءِ انسانی میں ہے۔

(۴۱۸) ارکعوا اور اقیموا الرکوع میں فرق ہے۔ ثانی ابلغ ہے، اس لئے کہ یہ لفظ وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں لولاہ لاَنعُدَم الشئی مراد ہوتا ہے لہٰذا ترجمہ قول یقیمون الصلوۃ کا یہ کرینگے برپا رکھتے ہیں نماز کو حتیٰ کہ اگر برپا نہ رکھتے تو اسکی ہستی جاتی رہتی

(۴۱۹) ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ سبحانک اللہم وبحمدک بعد تکبیر کے پڑھے، اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کو جہراً پڑھا ہے یہ محض تعلیماً تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مختار اللّٰھم باعد الخ ہے، یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے اور جو ہمارا اختیار ہے وہ قوۃِ تعامل کے اعتبار سے قوی ہے اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا۔

(۴۲۰) **تعاملِ سلف** یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قوۃِ سند پر اعتراء اور تعاملِ سلف سے اغماض بہت دفعہ مضر ثابت ہوا ہے کہ اسناد تو دین کی صیانت کے لئے تھی۔ پس لوگوں نے اسی کو پکڑا۔ حتیٰ کہ تعامل سے اغماض ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہو سکتا ہے۔

(۴۲۱) فرمایا کہ سورۂ مزمل میں نصفہ بدل واقع ہو رہا ہے۔ اللیل سے اس لئے کہ ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی کی گئی تو ثلث رہ گیا اور اگر نصف میں زیادتی کی تو ثلثین قیام لیل کے لئے رہ گیا اور منہ اور علیہ کی ضمیریں نصف کی طرف عود کرتی ہیں۔ بہرحال محور نصفِ لیل ہے۔ یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ مادون الثلث قلیل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "الثلث کثیر" گویا عبارت یوں ہے:۔

قم اللیل الا قلیلاً نصفہ او انقص منہ قلیلاً او زد علیہ اے ادقم

القیام فی ھذا الوقت المعلوم علیٰ ھذہ الصور۔

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلثِ لیل عشا کے لئے لے لیا۔ چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی۔ کما فی الاحادیث۔ باقی حکم اس کے ماسوا کی طرف پھیر اگیا اور اس کا محور نصف لیل رکھا گیا اور اس پر کم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا سو مصلی کو اختیار دیتے ہیں ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک میں بھی کل لیل کا احیا مطلوب نہیں۔

(۴۴۳) وتر ا فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر ن الصدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وتر کی روایت کی کہ "آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے۔ یہ روایت دارقطنی میں مختصر آئی ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔

شیخ نیمویؒ نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس میں تیرہ رکعات صلوۃ اللیل ذکر کی ہیں۔ ان دونوں کی ایک ہی سند ہے۔ ایک ہی متن ہے۔ یہ راوی کا تفنن ہے۔ جب جمیع طرقِ حدیث جمع نہ کئے جائیں تو ایسا ہی مغالطہ لگ جاتا ہے۔

(۴۴۴) فرمایا یا ایھا المزمل (الآیۃ) میں رات کے تین حصے کر دیئے ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا اگر اس میں عشا ادا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا اور اگر نوافل ادا کئے تو دو ثلثِ لیل ہو گئے۔ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو چاہیئے کہ نصف مدنظر رکھیئے۔ تاکہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلوۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے حضرت شاہ صاحبؒ اکثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو غالباً مفتی عتیق الرحمٰن فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے۔ ان کے سوال پر تقریر فرمائی۔ اور (یاایہا المزمل کی تفسیر فرمائی) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت بس مسئلہ خوب ذہن نشین ہو گیا۔ مجھے بڑا اخلجان رہتا تھا۔ اب صاف ہو گیا۔

(۴۲۴) مفتی عتیق الرحمٰن نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر آخرت فرمانے سے چند یوم قبل درِ دولت پر حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میں نے کبھی پیش گوئی نہیں کی۔ اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں، عرض کر ہی دیتا ہوں "ایک یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی"۔ "دوم ہندوستان ضرور آزاد ہوگا"۔ اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔ یہ جب کی بات ہے جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال کا تار آیا اور ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا۔ یہ واقعہ رائیکوٹ ۱۹۳۳ء کا ہے۔

(۴۲۵) وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب بعد مغرب تابوت حضرت شیخ الہند کا دہلی سے دیوبند کے اسٹیشن پر آیا۔ غالباً ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تھا۔ تمام اکابر ساتھ تھے، حضرت شاہ صاحب کے آنسو نہیں تھمتے تھے، طلباء و اہلِ دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار کرنا مشکل تھا۔ جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ نہایت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا۔ اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ تابوت اٹھائے ہوئے تھے اور روتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت کی طرف آرہے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لا رہے تھے، خود فرماتے ہیں "ولم ار مثل الیوم کم کان باکیا" یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

(۴۲۶) پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی۔ سبھی اکابر نے مرثیے پڑھے، حضرت شاہ صاحب کھڑے ہوئے آنسو جاری تھے، دو قصیدے ایک عربی مرثیہ جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے پہلے وہ پڑھا ؎

قفابك من ذكرى مزار فند معا　　مصيفا ومشتا ثم مرائ ومسمعا
قد احتفه الالطاف عطفا وعطفة　　ودورك فيه مربعا ثم مربعا

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا سب حاضرین وقفِ گریہ و بکا تھے ؎

بگذر از یادِ گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست　　در زمین و آسماں جز نامِ حق آباد نیست
بر روانِ رہرواں ہا رحمتے بفرستہ باش　　حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست
شرحِ حالِ خود نمودن شکوۂ تقدیر نیست　　نالہ بر سنت نمودن نوحہ و فریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن و ملال کا اظہار کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ اس لئے آنسو بہانا یا غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ نے فرمایا تھا "انا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون" اور آنسو جاری تھے۔ طویل قصیدہ ہے بڑا دردناک رقت انگیز

(۴۲۷) ۱۹۲۹ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علے صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا، اس میں حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب بھی تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے ولولہ انگیز تقریر کی اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیئے تو حضرت شاہ صاحب کشمیری اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مظفر گڈھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقتِ شب میرے پاس آئے اور کہا کہ "مجھے کچھ ذکر اذکار

تلقین کیجئے"۔ ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا۔

پھر میں نے کہا کہ کچھ ردِ قادیانیت کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے۔ لہٰذا میں آپ صاحبان کے سامنے ان کو امیرِ شریعت مقرر کرتا ہوں۔ آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ سیّد عطاء اللہ صاحب کھڑے رو رہے تھے، اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بھی آنسو جاری تھے، بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا۔ ہمارے حضرت رائپوری بھی فرمار ہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ردِ قادیانیت پر لگایا تھا۔

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب خود حضرت رائپوری کی خدمت میں سُنا رہے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوگیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانوی نہایت شفقت سے ملے اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سہ دری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں۔ ہمارے سرپرست تو رخصت ہو گئے تو حضرت تھانوی فرمانے لگے "جی شاہ صاحب کے کیا کہنے۔ میں تو انور شاہ صاحب کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں، جیسا کہ امام غزالیؒ کے متعلق لکھا ہے۔

(۴۲۸) قولہ تعالیٰ:۔ بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولٓئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون ط

اس کے ذیل میں وجہ۔ یہود کے قول "لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ" بیان کی اور فرمایا کہ انکارِ متواتراتِ دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقادِ فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں، ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملتِ حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو، ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو، مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے، ایسا ہی زنا، چوری

واطت بھی حرام ہے، یہ کبائر ہیں، لیکن طبعی حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے، اس مرتبہ کا نام فسق و فجور عصیاں ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دی ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائے گا۔ بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائیگا۔ یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس الامر (حقیقت) میں ثابت ہے۔ خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو۔ خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو، یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کو جحود اور کفر زندقہ اور الحاد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں " الفاسق لا یخلد فی النار" چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہودی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔ اس فرقہ نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہہ دیا " لن تمسنا النار الا ایاماً معدودات " حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس طرح رد کر دیا کہ " کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے " اتخذتم عند اللہ عھداً ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون " کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیقی بیان سے ان کے اس شبہے کو حل فرما دیا کہ " بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ " الایہ کہ فساد علم وعمل اور خرابی عقیدہ و اعمال اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے موجب " خلود فی النار " کا ہے

جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو کلمہ گو ہی ہو اور دعوے بھی دین داری کا رکھتا ہو، یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے گا۔ زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتماد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ دھمکی دی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ "مراجعت کرد فتح العزیز" کی حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴۲۹) "واتبعوا ماتتلو الشیاطین" یعنی انھوں نے اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین۔ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک۔

"وما کفر سلیمان" یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مثل کفر کے ہے، "وما انزل علی الملکین الخ" اس کا عطف "ماتتلو" پر ہے۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت ماروت پر اترا تھا وہ سحر ہی تھا، بلکہ عطف تو مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔ محض لفظوں میں قرآن کے باعث یہ گمان ہوتا ہے بلکہ وہ ایسے عزائم میں سے تھا جس کا مادہ شر نہ ہو بلکہ نتیجہ اس کا شر ہوتا ہے، مثلاً ادویہ طبیہ مثلاً دالیسغول اس کا لعاب پیتے ہیں۔ اگر اس کو چبائیں تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل سیفی کرتے ہیں کسی کو ہلاک کرنے کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے۔

"حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر" وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر لیو، یعنی ہم سے سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہ کرنا، جس کا نتیجہ برا نکلے اور غایت تشنیع کے باعث اس کو کفر فرمایا گیا۔ اس واسطے کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے، پھر اس کو استعمال کرے دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے۔ تفریق زوج اور زوجہ میں تو فسق ہے کفر نہیں ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں کہ ہاروت ماروت پر تعلیم دینے کے لئے سحر نازل ہوا تھا بلکہ حضرت علی رضی کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا۔ دیکھو جو ابن جریر رح نے ربیع سے نقل

کیا ہے اور اس کو ابن کثیر نے جید کہا ہے بلکہ تابعین کی ایک جماعت مثل مجاہدؒ سدیؒ۔ ربیع ابن انسؓ۔ حسن بصریؒ۔ قتادہؒ۔ ابوالعالیہ۔ زہریؒ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند سے صادق ومصدوق ومعصوم سے ثابت نہیں اور ظاہر قرآن بھی یہی چاہتا ہے کہ اس اجمال پر ایمان لایا جائے بغیر اطناب کے' اور موضح القرآن میں "یلحدون فی اسمائہ" میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے۔

"والذین یلحدون فی اسمائہ" الآیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں وہ کہہ کر پکارو تاکہ تم پر متوجہ ہو اور نہ چلو کج راہ۔ کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتلائے، بندہ وہ کہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کو بڑا کہا، لمبا نہیں کہا اور ایک کج راہ یہ ہے کہ ان کو سحر میں چلائے اپنے کئے کا پھل پا رہیں گے۔ یعنی قرب خدا نہ ملے گا۔ وہ مطلب بھلا ہو یا برا، یا یوں بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے کہ یہود جو کچھ ہاروت ماروت سے سیکھتے تھے اور جو سحر انھوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا۔ ان دونوں میں خلط ملط کرتے تھے۔ پس طاہر اور غیر طاہر کے ملنے سے خبیث پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فلا تکفر، پس یہ ایسا ہوا جیسے قولہٗ تعالیٰ یضل بہ کثیرًا ویھدی بہ کثیرًا ط پس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا بلکہ بالعرض ہوا۔ جیسے علم دین پڑھے "لیجاری بہ العلماء اولیماری بہ السفہاء" پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے ادھر بھی گئی ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے۔

(۳۴۴) "کان الناس امۃ واحدۃ" حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کو موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے، اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ایک ہی راہ ہے، جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجا کہ ان کو سمجھائے کہ اس راہ پر چلیں۔ پھر کتاب والے کتاب سے بچلے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی۔ سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے

لئے آئے ہیں، اسکی مثال ایسی ہے کہ تندرستی ایک ہے اور امراض بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ اب آخری کتاب میں ایسی دوا تجویز کی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے، یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

هدایۃ کے معنی طریق حق اور صواب کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے اختلاف کیا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام لائے اور بعضوں نے ترک کر دیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں "لما اختلفوا فیہ من الاسلام" ہے۔ (البحر المحیط)

چنانچہ "وما تفرق الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءتهم البینۃ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء۔

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو حنیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے اور یہ اسلام ہی میں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

(۴۳۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے جامع مسجد بہاولپور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ "تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ۔" تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی۔ شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا۔ یہ سنتے ہی مولانا بے قرار ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی۔

(۴۳۲) فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچائیں آخر خدا تعالےٰ نے ان ہی کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ حتیٰ کہ جنگِ احزاب میں جو ابو سفیان اتنی عداوت کا مظاہرہ کر رہے تھے، وہی جب ایمان لائے تو جنگِ یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے، فرما رہے تھے۔" لوگو! یہ موقعے روز روز ہاتھ نہیں آتے۔ آج وقت

ہے، خوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت دو۔ خوب جوش دلا رہے تھے، تا آنکہ میدان جیت لیا۔

(۴۴۳) احقر نے عرض کیا کہ حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی تو ہو سکتی ہے۔؟ فرمایا ہاں! "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا" اس میں یہ ہے کہ توفی ہو رہی ہے۔ موت واقع نہیں ہوئی۔ جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے، سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا۔ "ھو الذی یتوفکم باللیل"۔ پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان پور لودھی ضلع جالندھر پنجاب میں حیاتِ عیسٰی پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت جنازہ نکل جاتا ہے۔ بچے یتیم ہو جاتے ہیں، عورت بیوہ ہو جاتی ہے، بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے۔ (کبھی مدت العمر کھل کھلا کر نہیں ہنسے۔)

(۴۴۴) **عیدِ مسلم** عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور وانبساط اور ہر طرح کی فرحت وابتہاج عید کے مترادف ہے۔ لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضا کی نظر میں عید اس مسرت وخوشی کو کہتے ہیں جو نعماءِ ربانی اور کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل وجود پر ادائے نیاز کے لئے کی جاتی ہے۔ دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ وبہار فانی، پھر اس پر کیا مسرت وانبساط جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد غم ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے، اس لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ

عید کی حقیقت اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی سرمدی مسرت میں مضمر ہے، جس کی نسبت اور جس کا تعلق خود ذاتِ احدیت اور بارگاہِ صمدیت سے وابستہ ہے۔ منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے اور اس کا فضل واحسان سرمدی، لہٰذا اپنی یہ مسرت وفرحت اور خوشی وانبساط بجا اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے اسی کو رب العالمین نے

معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے:۔
قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ یعنی خوشی و مسرت در حقیقت خدائے قدوس کی رحمت اور اسکے فضل ہی پر کرنا چاہیئے۔

(۴۳۵) عیدِ الٰہی

حقیقت بیں نظریں اور پُراز معرفت نگاہیں اس حکمتِ ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریعی کی اساس کہ جس کو عالمِ اوامر و نواہی کہنا بہتر ہے، بہت کچھ عالمِ تکوینی کے مظاہر و شواہد پر قائم کی گئی ہے، تاکہ مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہو سکے، اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیرِ عنوان عید بھی ہے۔ عالمِ تکوین کی ابتداء اور اس کا منصۂ شہود میں آنیکے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت و تعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض و سمٰوات اور کائناتِ عالم کو چھ روز میں پیدا کیا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اس طرح روز و شمار بھی اس تکوینِ عالم سے اخذ کی گئی۔ چند روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کی سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنیکے لئے رب العزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا اور اسکو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا:۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔

(۴۳۶) استوٰی علی العرش کی مقامی توجیہہ اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استوی علی العرش سے کیا مراد ہے اس کے معنی کیا ہیں، اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے محققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے کیونکہ یہ ان ہی امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلفِ صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ "الاستواء معلوم

والکیف مجہولٌ" یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے لیکن علماءِ متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات و اقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انھوں نے قلوب عامہ کے وساوس اور ملحدین و فلاسفہ کے زیغ کو دیکھ کر کی ہیں تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور انھوں نے اس معجز کلمہ کی تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد و عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جدوجہد کی ہے، مناسب مقام اس کے معنے یوں سمجھنے چاہئیں کہ رب العالمین نے ارض و سمٰوات کو چھ روز میں پیدا کر دیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ اور شاہنشاہیت کے استیلاء و غلبہ کا اظہار فرمایا اور تمام عالم اس کے حیطۂ اقتدار میں گھر گیا کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض و سماوات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت و سطوت کا اظہار کرتا ہے۔

(۲۳۷) **ایک حدیثی نکتہ** تخلیق عالم اور عید الٰہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض و سماوات کی مدت ستہ ایام چھ روز قرار دی ہے اور صحاح کی بعض روایات میں ہے کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا۔ پس اگر تخلیقِ عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی کو محیط ہو جاتا ہے، اور تعطیل (استواء علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا کوئی صورت ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستہ ایام کو باقی رکھا جا سکے۔ اور استواء کے لئے ایک روز فاضل نکالا جا سکے اس اشکال کے پیدا ہو جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے جس میں تخلیق ارض و سماوات ہوئی ہے، حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام

کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستہ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا ہے، بلکہ ایک عرصہ مدیدہ کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور تخلیق ارض وسموات کے متصل جو جمعہ آیا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے۔ جن حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے، ان کے لئے ہماری یہ توجیہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے کافی ووافی ہے۔

(۴۳۸) **یوم سبت کی تحقیق** اس ہی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین وتحقیق ہے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم سبت ہفتہ کا نام ہے اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار ہے اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے خود علماءِ اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے۔

(۴۳۹) **غلطی ابن تیمیہ** حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث ومحقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ یوم سبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے اس اشکال کو اس سے اور بھی زیادہ تقویت ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے روز کو کہتے ہیں۔

(۴۴۰) **عروبہ وعرفہ** لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دورِ جہالت میں دنوں کے نام یہ نہ تھے جو اب ان کے یہاں مستعمل ہیں، کتبِ تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں، چنانچہ کتبِ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے، عروبہ عبرانی کا لفظ ہے، جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے، اردو زبان میں ہر عرفہ ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے، بعینہٖ یہی مفہوم یہود عروبہ کا سمجھتے تھے اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی

رواج پایا، اوراس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ بہرحال جبکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے ہیں تو لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو اسی لئے انھوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور محاورہ علمائے اسلام کے لئے اس کا باعث بنا کہ انھوں نے سنیچر ہی کو یوم السبت قرار دیا۔ اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہدِ اسلامی ہی سے شروع سمجھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے اور خلافِ تحقیق ہے۔ اس لئے کہ مسندِ امام شافعی کی روایت میں مذکور ہے کہ استواء علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ تخلیقِ عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی، لہٰذا ان دونوں روائتوں کی بنا پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغازِ تخلیق سنیچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلاشک وشبہ یوم السبت جمعہ ہی کا نام ہے اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ آغازِ تخلیق عالم ہی سے وہ مشرف ومعزز رہا ہے کیونکہ اس دن ہی رب العالمین کے استواء علی العرش کی عید تھی۔

(۱۱۴) انتخابِ جمعہ کی حدیث مع توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہوئے۔ اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امتِ مرحومہ کا ہی نصیب زبردست تھا اور ان ہی کی قسمت یاور تھی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی، چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا اس کو دوسری امتوں سے، پس نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امم کو اس شرف سے محروم رکھا، محدثین نے دو توجیہیں کی ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ دراصل انتخابِ یوم تعطیل ویومِ عید حق تعالےٰ نے اجتہاد پر رکھا تھا، پس امم سابقہ کا اجتہاد اس

برکت کو نہ پا سکا، جس کو امتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اول تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور طبعی رغبتوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا۔ اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام کو اس بارہ میں تنگ کیا کہ وہ خدا کو کہہ کر اس دن کو یومِ تعطیل نہ رہنے دیں۔ اس لئے وہ اس جنگ و جدل کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دئے گئے۔ اور بالآخر امتِ مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا۔ سو آگیا اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

خدائے برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے کہ بطفیل خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ نہایت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے اور ہر ایک مسلمان عید الٰہی کے باغ اور اس کی بارگاہ میں شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادتِ دارین کا وسیلہ جانتا ہے

(۲۴۴) **ایّامِ ربّانی کی تحدید**۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیتِ قرآنی میں جو ستہ ایام کا ذکر کیا ہے۔ آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولہ ہی کے موافق تھی یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے۔ جس کے متعلق محدثین و صوفیائے کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں اور خوب بحثیں کی ہیں، اہلِ عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ درگاہِ صمدیت و بارگاہِ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الوراء ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تحصیل بھی نسیًا منسیا ہے کیونکہ زمانہ تو مقدارِ حرکت کا نام ہے اور حرکت و سکون کی نسبت اُن ہی اجرام و اجسام کی طرف کیجا سکتی ہے جو ان کا محتاج ہو۔ لیکن خالقِ حرکت و سکون اور مکوّنِ زمانہ و زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار تعالی اللہ علوًا کبیرا۔ لہٰذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کاسدہ کی تفہیم کے لئے ہے، اسی لئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ایام ایام معمولہ ہی کی طرح تھے، نہ زیادہ اور نہ کم،

اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماءِ حسنیٰ کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے، چنانچہ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ وان یوماً عند ربك كالف سنة مما تعدون۔

(۳۴۳) **یوم ربوبی کا ایک نکتۂ لطیف** اس لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال ہے کیونکہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے گذرے ہیں۔ اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ادیانِ ترقی پذیر کا عہدِ مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے، چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلےٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سال ہی اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہوگیا، جس کی انتہا وجودِ قیامت پر ہوگی اور یہ سب کرشمے ایامِ ربوبیت ہی کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ ابتک اس کے منتظر ہیں کہ نبی آخرالزماں ساتویں ہزار میں آئے گا، اور اس پر ایمان لائیں گے۔ لیکن چونکہ بائبل کے کل نسخہ کے بارے میں علماءِ یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے اس لئے وہ اس صحیح حساب کے تشخیص نہ کرسکے اور نبی آخرالزمان پر ایمان نہ لائے۔ بائبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ کو اعتماد تھا، لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ اترا تو اس کو ساقط کرکے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کرسکا، اور یہ قوم اس بارے میں قاصر ہی رہی۔

(۳۴۴) **بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء** ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیانِ سماوی میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔ اور کسی نہ کسی رحمت و فضلِ الٰہی کے ادائے تشکر میں اس کا راز مضمر ہے اور ہمیشہ اس کا وجود بندگانِ خدا کے لئے سعادتِ دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے، تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ

کا آج تک اعلان کر رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فراعنۂ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبراً و قہراً سہا کئے۔ لیکن ظلم و عدوان اور غرور و نخوت کا مظاہرہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ اور انانیت و کبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خواریوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا۔ اور غلامی کی لعنت سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک مظاہرہ کا منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عبد صالح موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے تشرین اولیٰ میں قلزم سے پار ہو گئے اور خدائی کے جھوٹے مدعی فرعون کی فرعونیت اپنے لشکر سمیت قلزم کی تہ میں فنا ہو گئی۔ انعام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اس ہی بارگاہ کے لئے یوم عاشورہ کی عید ان کے مذہبی ارکان میں داخل کی گئی، تاکہ اس دن میں روزہ رکھ کر بنی اسرائیل نیاز مندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں اور اس روز مسرت و شادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سرِ نیاز جھکائیں۔

(۴۴۵) عاشورہ کی تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح لیکن اس مقام پر خود بخود اہلِ علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تشرین اولیٰ یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمسی نظام پر قائم کئے گئے ہیں لہٰذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا۔ پھر ہمارے یہاں ۱۰ر محرم الحرام کو عاشورہ کا ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، دوسرا امر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں اس دن یہود عاشورہ کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے، آپ نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کی دستگاری پر خوشی کریں اور شکرِ الٰہی بجالائیں، لہٰذا ہم میں سے جس شخص نے ابھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ

رکھ لے۔ اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاول میں ہوا تھا تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہو سکتا ہے لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں، ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی۔ اور عاشورہ کو اسی اصول پر مناتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں جو عاشورہ کی تاریخیں اس مرتبہ آکر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے ہیں اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورہ کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے، پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔

تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورہ مناتی تھی اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورہ قائم کرتی تھی۔ اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتنا کے قابل نہیں ہے۔

(۴۴۶) **عید رمضان** جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی رستگاری میں عاشورہ کی عید مقرر ہوئی، اسی طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کیلئے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا، جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دار و مدار اور اس کی تمام اساس قرآن حدیث رسول پر مبنی ہے۔ رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الٰہی ہے، جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا

شهر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان۔

وہ قانونِ الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا وہ کتابِ ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی اور وہ قرآنِ عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصلہ کُن اور احکامِ الٰہیہ کا آخری پیغام ہے، رمضان میں نازل ہوا اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضلِ خداوندی اور رحمتِ باری عام ہو گئی، پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآنِ عزیز کی دائمی برکتوں سے مالامال ہو سکے، لہٰذا فضل و نعمت کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے بعد اسلام نے ایک دن خاص دعوتِ الٰہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالےٰ کا مہمانِ خصوصی بنایا۔ اور اسی کا نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنھوں نے رمضان کے برکات و انوار کو حاصل کیا۔ عید کی حقیقی و ابدی مسرت سے حصہ پایا اور منور ہیں وہ قلوب جنھوں نے ان کے فیض کو اپنی تہ میں جگہ دی اور دائمی سرور و شادمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ یہی شادمانی و سرور ہے جو اس خیرِ کثیر اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتباع ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ہماری زبانوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہلاتا ہے۔

(۴۷) اتمامِ نعمت اور قرآنِ عزیز خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی بے نظیر مشعلِ ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تیئس ۲۳ سال تک برابر حصہ، حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیضیاب کرتا رہا، آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمۂ خیرِ کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی۔ اور ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم

نعمتی کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدانِ مقدس میں سنایا گیا اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظمؓ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سُن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے یہ سُن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی، اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہر حال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے خالص فضل و انعام کے تشکر و امتنان میں مخمور و مسرور ہوتا ہے اور دربارِ خداوندی میں مسرت و شادمانی کے ساتھ سرِ نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر، عید الاضحٰی، جمعہ عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی۔ یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل و ادیان میں کہ اس کی غمی و خوشی، رنج و سرور، حزن و مسرت سب خدائے قدوس ہی کے لئے ہے، اس کی تمام عیدیں ہزلیات اور خرافات سے پاک اور بری ہیں اور ان کا ہر ہر جزو صرف خدائے قدوس ہی کی یاد سے مملو ہے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

حضرت شاہ صاحبؒ کا کلام بالعموم حافظ شیرازی کے طرز پر ہوتا تھا، حافظؒ نے لکھا ہے ؎

شاہدِ دل ربائے من مے کند از برائے من
نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ؎

در ہمہ سیر و غربتے کشف نہ شد حقیقتے
گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

گر بودم فراغتے از پسِ مرگ ساعتے
شرح دہم ہمہ ترا قصہ بقصہ ہو بہ ہو
دانہ خلافِ تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ در وحظہ بحظہ جو ز جو

عالمِ برزخ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے، حضرت کا ایک مربعہ نعتیہ ہے جو عقیدۃ الاسلام کے آخر میں لگا ہوا ہے اسکے شروع کے یہ شعر ہیں ؎

مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہدِ ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر واماندہ آخر طالبِ منزل شدم
کز تگاپو سو بسو شامِ غریباں در رسید

یہ قصیدہ بہت لمبا ہے، ہم نے محض چار مصرعے درج کئے اس میں حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

(۴۴۴) **محدثانہ تحقیق بابتہ تراویح و تعاملِ سلف** ایک دفعہ ۱۳۳۲ھ میں ترمذی شریف کے درس میں احقر نے سوال کیا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث جو آتی ہے یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یوتر بثلاثٍ (الحدیث)

میں نے سوال کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں، حالانکہ میرا یہ سوال بے محل تھا کیونکہ اس حدیث میں ایک تو فی رمضان وغیرہ ہے، حالانکہ غیر رمضان میں تو تراویح نہیں ہوتی، دوسرے اس میں وتر تین ہیں اور آٹھ تراویح پڑھنے والے

وتر تین نہیں پڑھتے، تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نیند کرتے تھے وتر پڑھنے سے پہلے، پہلے جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو پھر حضرت عائشہ کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیونکہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور سے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کے متعلق ہے۔

توحضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاءِ راشدین کی سنت آیا سنت نبی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ:۔

حدیث یہ ہے۔ فانہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاءِ الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوٰۃ)

اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق فی نفسہا ہوتی ہے نہ کہ کسی کے عمل کو دیکھ کر۔ جب یہ بات ہے اور اتنا شدید اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیین کے عمل کو دیکھا جائے اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے تاکہ اختلاف رفع ہو جائے۔

حضرت ملّا علی قاری فرماتے ہیں۔

فائدہ:۔ کہ خلفاءِ راشدین مہدیین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔ مہدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے

وکان القاریُ یقرءُ سورۃ البقرۃِ فی ثمان رکعاتٍ فاذا قام بھا فی

اثنا عشر رکعۃ رأی الناس انہ قد خفف ۔ رواہ مالک

تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا اور بھی موطا امام مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں اور امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی حضرت ابیؓ ہی لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا اور حدیث ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ راوی کہتا ہے حتی خفنا الفلاح۔ اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کہ حتی خفنا الفلاح کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا، جماعت کو چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور جا کر سو جانا یا اور کوئی باتوں میں لگ جانا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا تو اتنا لمبا پڑھنا چاہیئے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔

جب روایات معارض آرہی ہیں تو کیوں نہ خلفاءِ راشدین کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے۔

(اور حدیث ما انا علیہ واصحابی صاف بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی والعیاذ باللہ)

صحابہ کرام کے اذکیاءِ امت ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہم کا صاف ارشاد ہے، جو مشکوٰۃ اور ابوداؤد شریف میں مذکور ہے، کہ ان کے گہرے علوم تھے اور صاف قلوب تھے پھر ان کے تعامل کو جان بوجھ کر چھوڑنا حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیں صحابہ کرام ہی کے تعامل سے معلوم ہوئی، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احبھم فبحبی احبھم فمن ابغضھم فببغضی ابغضھم ۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے، یہ کتنی بڑی وعید ہے جو حضور نے اپنے صحابہ کے اتباع کے متعلق

فرمائی ہے اس پر عمل درآمد کرنا چاہیئے، اس وعید سے ڈرنا چاہیئے۔ خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

(۴۴۹) (۱) حضرت مولانا حجۃ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحب رح فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے جس میں آدمی کو اپنا دین سنبھالنا مشکل ہو جائے۔

(۴۵۰) ان فی ذٰلک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وھو شھید

اس میں بڑی یاد داشت ہے اور نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر الحواس ہو، شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مغفل نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحب رح سیکروڈوی کو یہ فرما رہے تھے کہ دیکھنا مُغفّل نہ بننا۔

(۴۵۱) الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہٗ

اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے۔ اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالےٰ خود اٹھاتے ہیں کیونکہ پاک کلمات جو اس کا کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عملِ نیک تو ہمارا فعل ہے اس کو جب قبول فرماتے ہیں تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں

(۴۵۲) اذا غلا و اشتد۔ جو فقہا شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے، جب کہ جوش مارا اور تیز ہوا۔

(۴۵۳) ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے وہ بدیہی ہے جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سُنتے ہیں یا جو چیزیں کہ ہم چکھتے ہیں، یا جو چیزیں کہ ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں انھوں نے اس سوال کے جواب

میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی۔ فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں اور تم سُلّم کی عبارت سُناتے ہو۔

(۲۵۴) حلول کے معنی ہیں گھس جانا۔ خواہ حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔

(۲۵۵) فرمایا کہ فلاسفۂ یونان نے جسم کے معنی کئے ہیں۔ قابل لابعاد ثلاثہ اور جسم کہتے ہیں جو ہیولےٰ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو۔ قابل لابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور ہیولےٰ پر صادق نہیں آتی اور صدر الدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں، لہٰذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے اور وہ تحریر بہت لمبی ہے، میں نے دکھایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ میری تحریر امام غزالیؒ سے زیادہ محقق ہے۔

(۲۵۶) جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتابیں طبع ہو کر آئیں اور میں نے مطالعہ کیا اور ان کا امام غزالی پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا۔ لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایت المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

(۲۵۷) فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثباتِ باری تعالےٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ فرمایا کہ نیوٹن کی پندرہ تصانیف دیکھی ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں ضرب الخاتم علی حدوث العالم اور مرقاۃ الطارم اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا۔ پھر اقبالؒ نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی۔ اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ ضرب الخاتم کو اقبال سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی نہیں سمجھ سکا۔

(۲۵۸) ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاولپور میں فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا۔ غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان کہ زمان

کیا ہے اور مکان کیا ہے اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے لیا ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں، یہ سُن کر حیران ہوگیا، پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیئے۔ یہ قصہ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر اقبالؒ نے خطبہ صدارت سنایا تھا یہ بھی سنایا تھا۔

(۴۵۸) دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنہ شرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا، جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی اور احقر بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا، اس جلسے میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور دکن حیدرآباد سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں تمام پروفیسر حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبانی سن کر حیران رہ گئے۔

(۴۵۹) مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو ہمارا سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ تشریف لائے اور میرا مشکوۃ شریف میں امتحان لیا اور یہ حدیث سنی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھیں، میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

(　　) ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سہارنپور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لائے، جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا سامان اٹھالیا اور اسٹیشن پر پہنچا دیا، اس

وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے، میں اس وقت مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ مولانا مشیت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے، (۴۶۰) ہم اکثر حضرتؒ کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے جاتے تھے جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرتؒ کو بٹھاتے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی شہسوار تھے، اور نشانہ خوب لگاتے تھے، ایک دفعہ ہم نے مکان کا فوٹو کھچوایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ یہ یہ مصالحے استعمال کرتے ہو۔ وہ فوٹو گرافر حیران رہ گیا۔

(۴۶۱) ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں۔ ورنہ میں ہوائی جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔ جامعِ ملفوظات بجنوری نے بزمانہ قیام مصر، ۱۹۳۵ء میں اسکندریہ سے قاہرہ کا سفر ہوائی جہاز سے کیا تھا تو اس وقت کانوں میں روئی ٹھونسنی پڑتی تھی کہ اندر آواز سخت ہوتی تھی بلکہ ہوائی جہاز سے اتر کر بھی گھنٹہ سوا گھنٹے تک کان گنگناتے رہتے تھے، اُس آواز کے لئے حضرتؒ نے یہ فرمایا تھا۔

غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت رائے پوری مولانا عبدالقادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ شاہ صاحبؒ تو آیۃ من آیات اللہ تھے۔

(۴۶۲) قادیانی مختار مقدمہ بہاولپور نے کہا کہ آپ حوالہ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا، پھر فرمایا کہ جج صاحب انھوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

(۴۶۳) آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں، چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق ۱۳۳۶ھ ہجری میں جب حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے تو آپ فرماتے تھے کہ فرمائیے غریب پرور۔

(۴۹۴) ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے، یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا، مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا، ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آکر سُنا کہ مرزا صاحب تو قادیاں سے لاہور آکر کل ہیضے سے چل دئے۔ خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نخستیں مے کہ اندر جام کردند
زچشمِ مستِ ساقی وام کردند

حضرت شاہ صاحب رح آئے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا ؎

زدریائے عما موجِ ارادہ
حباب انگیخت حادث نام کردند

(۴۹۵) **حضرت بلال اور حدیث زیارۃ نبویہ** | حضرت نے ابوداؤد کی پوری حدیث کا متن سنا کر فرمایا کہ یہ حدیث آثار السنن جلد ۲ کے اخیر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی لیا ہے اور لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال رض شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال تم نے کیا جفاکاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے۔ پس حضرت بلال جاگے، گھبرا کر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینے شریف کا رُخ کیا۔ جب مدینہ تشریف لائے روضۂ نبی اکرم صلے اللہ

علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو سلام عرض کیا (دو جملوں کا ترجمہ رہ گیا) تو حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما حضرت بلال رضؓ کو ملے، حضرت بلالؓ نے دونوں سے معانقہ فرمایا اور دونوں کو بدن سے چمٹالیا اور پیار کیا۔ ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا۔ جب اشہد ان لا الٰہ الا اللہ فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا اور جب آپ نے اشہد ان محمدًا رسول اللہ فرمایا تو تمام مدینہ میں چیخ وپکار پڑ گئی کہ گیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے۔

( ) حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ما انا قلت کی جو مختصر المعانی اور مطوّل میں آیا ہے ما انا حملتکم ہے۔ بخاری ص ۹۹۴ ج ۲

(۴۶۶) حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ فرماتے ہیں۔ اتیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رھط من الاشعریین استحملہ۔ الحدیث ۔ من تعوّذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء وقولہ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ معلوم ہوا اچھی بُری تقدیر اللہ تعالےٰ کی بنائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ورنہ اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص ۹۷۹ جلد ۲

(۴۶۷) قادیانی نے بہاولپور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کرادیا؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً جواب دیا کہ جج صاحب لکھیے کہ ابن صیاد نابالغ تھا، نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔ یا یہ دن تھے یہود کے ساتھ معاہدہ کے، چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ نمبر ۱۲ میں ص ۹۷۹ جلد ۲ پر لکھتے ہیں۔ لانہ کان غیر بالغ

(۴۶۸) حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال پر جب مئی ۱۹۳۳ء میں دیوبند حاضر

ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم سُناتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بلایا کہ اپنی بہن سے تو کہدے کہ اپنی بچی کے پاؤں سے پازیبیں نکال دے۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ سنایا کہ وہ بچی غالباً راشدہ سلمہا (حضرت شاہ کی بچی چھ سال کی تھی)، میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے اور پازیبوں میں باجا کچھ نہیں ہے۔ ابوداؤد جلد ثانی ص۲۲۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے۔

قال علی بن سھل بن الزبیر خبرہ ان مولاۃً لھم ذھبت بابن الزبیر الی عمر بن الخطاب فی رجلھا اجراس فقطعھا عمر ثم قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان مع کل جرس شیطانا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اتقاء دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے تو وہ پازیبیں نکالی تھیں جس میں باجا تھا۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔

(۳۶۹) ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔

مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے وہ حدیث یہ ہے:۔ انَّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قالَ اَتَدرُونَ ما المفلس قالوا المفلس فینا من لادرھم لہ ولا متاع فقالَ اِنَّ المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلٰوۃٍ وصیام وزکوٰۃ ویاتی قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفکَ دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ فان فنیت حسناتہ قبل ان یقضی ما علیہ اُخِذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم طُرِحَ فی النار

(مسلم شریف جلد ثانی ص۳۲۰ مطبوعہ دہلی)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے، جس سے

یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے وہ غلط سمجھا۔

(۴۷۰) فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھسے کہنے لگا کہ "شاہ صاحب ہمارا بھی اس قرآن پر ایمان ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے:۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیہ اسمہ" میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ "ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ ہے۔ ومن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا اوقال اوحی الی ولم یوح الیہ شئ" یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

(۴۷۱) ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی لہٰذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی۔ پس میں مسیح ابن مریم ہوں۔ میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہٰذا وہ دجّال ہیں۔

(۴۷۲) **قصیدہ معراجیہ** (مع ترجمہ حضرت مولانا محمد انوریؒ)

تبارک من اسری داعلیٰ بعبدہ — الی المسجد الاقصیٰ الی الافق الاعلیٰ

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد اقصیٰ تک اور افقِ اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا

فتح الباری جلد ۷ مصری ص ۱۴۶! وفی حدیث ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما عند احمد فلما اتی النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم المسجد الاقصیٰ قام یصلے فاذا النبیّون اجمعون یصلون معہ۔

الی سبع اطباق الی سدرۃ کذا — الیٰ رفرفٍ فیا ابھی الی نزلۃ اخریٰ

ساتوں آسمان تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک۔ خوبصورت رفرف تک اور نزلۃ اخریٰ تک ایسے ہی سیر کرائی۔

وسوّیٰ لہ من حفلۃ ملکیۃ — لیشھد من آیات نعمتہ الکبریٰ

اور حق تعالےٰ نے آپ کے اعزاز میں شاہانہ محفل سجائی تاکہ آپ مشاہدہ کریں باری تعالےٰ

کی بڑی بڑی نعمتوں اور نشانیوں کا۔

زرقانی جلد ۶ شرح مواہب لدنیہ مصری ص ۵۔ فی حدیث ابی سعید عند البیھقی فی ذکر الانبیاء الیٰ باب من ابواب السماء الدنیا یقال لہ باب الحفظۃ وعلیہ ملک یقال لہ اسماعیل تحت یدہ اثنا عشر الف ملکٍ۔ وفی حدیث جعفر بن محمد عند البیھقی ایضاً۔ سیکن الھواء لم یصعد الی السماء قط ولم یھبط الی الارض قط الا یوم مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی حدیث ابی سعید عند البیھقی فی الدلائل وبین یدیہ سبعون الف ملک مع کل ملک جندہ مأتہ الف فتح الباری جلد ۷ ص ۱۲۵ وفی روایۃ لابی سعید فی شرف المصطفیٰ انہ اتی بالمعراج من جنۃ الفردوس وانہ منضد باللؤلؤ وعن یمینہ ملئکۃ وعن یسارہ ملائکۃ:-

براق یساوی خطوہٗ مدّ طرفہٖ
ایسا براق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔

اُتیح لہ واختیر فی ذلک المسریٰ
وہ آپکے لئے مقدر کیا گیا اور اس سیر گاہ میں پسند کیا گیا۔

وابدی لہ طیّ الزمان فعاقہ[عہ]
اور زمانے کا چکر آپ کے لئے ظاہر ہوا پس اس کی رفتار کو روک دیا

رویدا عن الاحوال حتاہ ما اجریٰ
تھوڑی دیر کے لئے (اپنے چکر سے) حتی کہ وہ زمانہ نہ چلا۔

وکانت لجبریل الامین سفارۃ
اور حضرت جبریل علیہ السلام سفیر تھے۔

الیٰ قاب قوسین استوی ثم ما اقصیٰ
قاب قوسین تک (ٹھہر گئے) پھر انتہی تک نہیں گئے۔

بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۱۲۰ ثم علا بہ فوق ذلک بما لا یعلمہ الا اللہ

عہ "طی زمان" مستقل اصطلاح ہے

حتیٰ جاء سدرة المنتهیٰ ودنا الجبّار رب العزة فتدلّیٰ حتے کان منه قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الله الیه فیما یوحی الله خمسین اے صلوٰة علیٰ امتک کل یوم ولیلة ثم هبط حتی بلغ موسیٰ فاحتبسه موسے فقال یا محمّد ماذا عهد الیک ربک قال عهد الیّ خمسین صلوة۔

اذا خلف السبع الطباق ورائه — وصادف من اولیٰ لزتبته المولیٰ

جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ — اور آپ نے پالیا جو کچھ آپ کے رتبہ کے مطابق اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا کیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے قصیدے میں فرمایا ہے کذا فی النبهانیہ

نبی خصّ بالتقدیم قدما — وآدم بعد فی طین وماء

علا ودنا وجاز الیٰ مقام — کریم خصّ فیه بالاصطفاء

بدا قمر ببدر فی نجوم — من الاصحاب اهل الاقتداء

ولم یرالله جهرًا سواه — لسر فیه جلّ عن امتراء

تحیة الاسلام مع عقیدة الاسلام صـ ۳۹

وکان عیانًا یقظة لا یشوبه — منام ولا قد کان من عالم الرؤیا

اور یہ عروج بیداری کی حالت میں تھا — ملاوٹ نہیں تھی نیند کی اور نہ تھا خواب کے عالم سے

اور شیخ اکبرؒ نے بیداری کی حالت میں رؤیا کے حاصل ہونکی تصریح کی اور شرح مواهب اللدنیہ۔ زرقانی مصری جلد ۶ صـ ۱۹۱ میں بھی ابن المنیر نے نقل کیا ہے صـ ۲۴۵ ج ۸

شرح المواهب اللدنیه للزرقانی. العیان بکسر العین المشاهده

قد التمس الصدیق ثم فلم یجد — وصحح عن شداد البیهقی کذا

بیشک آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت صدیق نے پس آپ کو نہ پایا۔ — اور اسکو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس سے امام بیہقی نے اسی طرح

یہ روایت طبرانی اور بزّار میں بھی ہے اور جلد ۳ صہ ۱۴ پر امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ امام بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے اور زوائد ہیثمی میں بھی ہے اور انھوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ اور دلائل میں بھی ہے جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ انھوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور فتح الباری جلد ۸ صہ ۴۱ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے۔ اور دیکھو شفا قاضی عیاض

رأی ربّہ لما دنا بفوادہ

جب آپ قریب گئے تو اپنے رب کو دیکھا اپنے قلب مبارک سے (زرقانی، ج ۶ صہ ۵)

ومنہ سری للعین مازاغ لا یطغی

اور قلب سے رویت سرایت کر گئی آنکھ تک جو کہ مازاغ تھی اور ماطغیٰ تھی نہ آنکھ نے تجاوز عن الحد کیا اور نہ بہکی۔

ماکذب الفواد ما رأی

رأی نورہ انّٰی یراہ مؤمّل

اور آپ نے باری تعالٰی کے نور کو دیکھا اور امید کرنیوالا کہاں دیکھ سکتا ہے اسکو

واوحیٰ الیہ عند ذاک بما اوحیٰ

اور باری تعالٰی نے اسی وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی۔

بحثنا فآل البحث اثبات رویۃ

ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہوا کہ باری تعالٰی کی رؤیت ثابت کی جائے

لحضرتہ صلی علیہ کما یرضی

آپ کی جناب کے لئے آپ پر اللہ تعالٰی درود بھیجے جیسا کہ راضی ہو۔

وسلم تسلیما کثیرا مبارکا

اور سلام بھیجے اللہ تعالٰی بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں

کما بالتحیات العلیٰ ربّہ حیّٰی

جیسا کہ التحیات للہ والصلوٰت والطیبات فرما کر آپ نے اپنے رب کو سلام کیا یہ مرقات شرح مشکوٰۃ صہ ۳۱/۲ میں ابن مالک نے سارا نقل کیا ہے۔

قال ابن ملک روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما عرج بہ اثنیٰ

علی اللہ تعالیٰ بھذہ الکلمٰت فقال اللہ تعالیٰ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقال علیہ السلام السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین فقال جبریل اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وبہ یظھر وجہ الخطاب وانہ علی حکایۃ معراجہ علیہ السلام فی آخر الصلوۃ التی ھی معراج المومنین۔ ص۱۱۱ عمدۃ القاری جلد ۶ مصری قال الشیخ حافظ الدین النسفیؒ التحیات العبادات القولیۃ والصلوات العبادات الفعلیۃ والطیبات العبادات المالیۃ۔ عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲

کما اختارہ الحبر ابن عم نبیّنا	واحمد من بین الائمۃ قد قوّی
رؤیت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے	اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل نے اسی کو قوی کہا ہے۔ نیز شیم الریاض جلد ۱ ص ۴۹ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی ہے۔

ف :۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے۔ مسند احمد اور زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص۱۱۹ جلد ۶

ف :۔ فی الاوسط باسناد قوی عن ابن عباس قال رأی محمدّ ربہ مرتین ومن وجہ آخر قال نظر محمد الی ربہ جعل الکلام موسیٰ والخلۃ لابراھیم والنظر لمحمد فاذا تقرر ذلک ظھر ان مراد ابن عباس ھنا برؤیۃ العین المذکورۃ۔ جمیع ما ذکرہ صلے اللہ علیہ وسلم وھکذا زرقانی ج ۶۔ وابن کثیر ج ۳ زرقانی جلد ۶ ص۳ فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۱ مصری عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۳۰ وفی البخاری ص۵۵ ج اول۔ عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ص۵۵ فی قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ھی رؤیا عین

فقال اذا اما المروزیؒ استبانه | راٰهُ رأی المولیٰ فسبحان من اسریٰ
پس آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بنؒ نے | اس کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے
جبکہ امام مروزیؒ نے آپ سے بیان کرایا دریافت | اپنے مولا کو دیکھا ہے پس پاک ہے وہ ذات
کیا۔ | جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری جلد ۸ ص ۴۳۱ مصری۔ بخاری ج ۲ ص ۱۰۲ میں کئی دفعہ آیا ہے:۔
فاذا رأیت ربی وقعت لہ ساجداً فی کتاب السنۃ عن اسحاق بن منصور ابن بھرام الکوسج التمیمی المروزی نزیل نیسا پور احد الائمۃ الحفاظ الثقات روی عنہ الجماعۃ سوی ابوداؤد وقال الخطیب کان فقیھاً عالماً وھوالذی دوّن المسائل عن احمد مات سنۃ احدیٰ وخمسین ومائتین زرقانی شرح مواھب لدنیہ جلد ۶ ص ۱۱۹ مصری۔

رواہ ابوذر بان قد رأیتہ | وانی اراہ لیس للنفی بل ثنیا
اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس کو روایت | اور انی اراہ یہ نفی کے لئے نہیں ہے
کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو | بلکہ کسر نفی کے لئے ہے امام سہیلی نے
دیکھا ہے۔ | بھی یہی فرمایا ہے۔

نعم رویۃ الرب الجلیل حقیقۃ | یقال لھا الرؤیا بالسنۃ الدنیا
ہاں رب جلیل کی رؤیت ایک ایسی حقیقت ہے | کہ اسی کو رؤیا کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زبانوں میں

(فتح الباری) عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں رؤیا عین کتاب التعبیر فتح الباری ج ۲ ج ۷ ص ۱۳۱ زرقانی ج ۶ ۱۰۰ امام ابن کثیرؒ ج ۳ از ص ۱ تا ص ۱۴
عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۰۳ قید بہ للاشعار بان الرؤیا بمعنی الرؤیۃ فی الیقظۃ

والا فرأی جبرئیل عوادۃ | ولیس بدیعاً شکلہ کان او فی
ورنہ پس حضرت جبرئیل کا دیکھنا تو کئی بار تھا | یہ کوئی نئی بات نہیں تھی خواہ کسی شکل میں

وذلك في التنزيل من نظم نجمه

اور یہ یعنی رؤیت کا مسئلہ قرآن شریف
میں سورۂ نجم میں ہے۔

وکان ببعض ذکر جبریل فاسری

اور بعض طریقوں میں حضرت جبریل کا ذکر ہے

وکان الی الاقصی سری ثم بعده

مسجد اقصی تک تو اسرا تھی پھر اس کے بعد

عروجا الی ان ظللته ضبابة

عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی
نے ڈھانپ لیا۔

ولیسمع للاقلام ثم صریفها

اور آپ وہاں صریف الاقلام سنتے تھے
یعنی قلموں کے چلنے کی آواز۔

ومن عض فیه من هنات تفلسف

اور جو آدمی فلسفہ کی غلیظ باتوں کو دانتوں
سے کاٹے

کمن کان من اولاد ماجوج فادعی

جیسا کہ وہ آدمی جو یاجوج ماجوج کی اولاد سے
ہے پس اس نے دعویٰ کر دیا۔

دیکھا ہو بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل
علیہ السلام آپ پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے

اذا مارعی الراعی ومغزاه قد وفی

جبکہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل
مقصود کو پورا ادا کر دے۔

الی کله والطول فی البحث قد عنی

یہ کل کی طرف سرایت کر گیا اور بحث کے طول نے تھکا دیا

عروجا بجسمان من حضرة اخری

جسم کے ساتھ عروج تھا ہاں دوسرے دربار تک

ولیغشی من الانوار ایاه ما یغشی

اور انوار الٰہیہ نے آپکو ڈھانپ لیا جس طرح
کہ ڈھانپ لیا۔

ولیشهد عینا ماله الرب قد سوی

اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے
جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا

علی جرف هار یقارف ان یردی

وہ ایسی گھاٹی پر ہے جو گرا ہی چاہتی ہے۔
قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

نبوته بالغی والبغی والعدوی

اپنی نبوت کا اپنی گمراہی سے بغاوت اور
تعدی سے۔

ومن یتبع فی الدین اهواء نفسہٖ علٰی کفرہٖ فلیعبد اللات والعزیٰ

اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے کفر میں لات وعزّیٰ کو پوجتا پھرے۔

(۲۷۳) قصیدہ انوریہ مع تشریح حضرت مولانا محمد انوریؒ

(۱) در ہمہ سیر و غربتے کشف نشد حقیقتے
گرچہ شدم برنگِ بوخانہ بخانہ کوبکو

تشریح:۔ تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی، اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا۔ یعنی اس عالم مشاہدہ میں اُس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی، جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے تو بعینہٖ اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

(۲) گر بودم فراغتے از پسِ مرگ ساعتے
شرح دہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہو

تشریح:۔ اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کر دوں گا۔

(۳) دانہ خلافِ تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتۂ ای درو حنظ بحنظ جو ز جو

تشریح:۔ خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور سمجھے یا قادرِ مطلق سمجھے بہرحال غلہ وہی ہوتا ہے جیسا بیج ڈالتے ہیں، جو کچھ تم نے بویا ہے اسی کو کاٹ لو اگر گیہوں بوئے ہیں تو گیہوں کاٹ لو۔ اگر جو بوئے ہیں جو کاٹ لو۔

(۴) ظاہر و باطن اندراں ہمچو نواۃ و نخل دان
نے بعد از یک ز دو جنب بجنب دو بدو

تشریح:۔ یہ دنیا اور آخرت اس طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی

ہوتی ہے، یہ دونوں جہاں اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دو ان کو کہیں، جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے، تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے اور کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

(۵) رشتۂ ایں جہاں بتن جامۂ آں جہاں بتن
رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو!

تشریح :- جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے اور روح ظاہر ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ روح چونکہ اس جہان کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور بدن چونکہ اِس جہاں کی چیز ہے، یہ بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

(۶) ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض
بیخ و شجر ہمو ہمو تخم و ثمر چنو چنو

تشریح :- جزا جنسِ عمل سے ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ۔ ووجدوا ما عملوا حاضرًا ولا یظلم ربک احدًا۔ سورہ کہف۔ جو کوئی ذرہ کے برابر نیکی کریگا اس نیکی کو دیکھ لے گا، جو کوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اس برائی کو دیکھ لیگا سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا وہی ملے گا۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جو جڑ ہے وہی شجر ہے، جو پھل ہے وہی بیج ہے۔ مشہور ہے کہ بیج جب ٹہنی کے ہاتھ چڑھتا ہے، اس کا نام پھل ہوتا ہے۔

(۷) قبر کہ بود داورے سوئے جہانِ دیگرے
غیب شود شہود از دیدہ بدیدہ رو برو۔

تشریح:- قبر میں جاکر اپنے سب اعمال منکشف ہوجائیں گے، جب روح ظاہر ہوجائیگی، کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آجائیں گی، یعنی عالم قبر دوسرے جہاں کے لئے ایک روشن دان کا کام دے گی۔ جیساکہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں اور بُرے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے اور قبر کو فرمایا گیا کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے، یعنی عالمِ غیب قبر میں منکشف ہوجائیگا، گویا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

(۸) منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود
زندگیِ دگر چو ذرہ بذرہ مو بہ مو

تشریح:- وہ جہاں بالکل واضح ہوجائے گا۔ اگرچہ بظاہر قبر تو اسی جہاں میں ہوتی ہے اُس جہان کی زندگی اس پر واضح ہوجاتی ہے۔

(۹) مردنِ ایں طرف بود زیستنِ دگر طرف
روزنِ باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

تشریح:- اِس طرف کا مرنا اُس طرف کا جینا ہے، عالمِ آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں اور اس روشن دان سے نظر آجاتے ہیں، جیساکہ احادیث میں صاف مذکور ہے۔ مشہور ہے کہ یہ راستہ آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے، جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالمِ برزخ منکشف ہوتا ہے۔

(۲۷۲) **تقریر بابتہ برزخ** حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ وان جهنم لمحیطة بالکفرین بے شک جہنم احاطہ باندھے ہوئے ہے کفار کا کہ کفار کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے، قیامت کے روز یہ زمین کا گولہ اٹھا دیا جائے گا، نیچے سے جہنم نمودار ہوجائے گی، اسی لئے مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اوپر کو پرواز کر اور ہلکا پھلکا ہوجا۔ حدیث

شریف میں ہے کہ مومن کو کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ رتل وارتق

(۱۰) تا نہ شکست صورتے جلوہ نزد حقیقتے

جب تک کہ ظاہری صورت نہیں ٹوٹتی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند
اول آں بنیاد را ویراں کنند

(۴۷۵) جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں اسی طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا، پھر اس میں سے آخرت نمودار کر دی جائے گی۔ جیسے کہ گٹھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے، اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے۔ حقیقی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہوگی جب یہ جہانِ فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ لہٰذا قیامت کا آنا برحق ہے۔ وہ چونکہ رب العالمین ہیں وہ انسان کی تربیت اسی طرح کرتے ہیں عالمِ برزخ میں رکھ کر پھر عالمِ آخرت میں اس کو نمودار کرینگے اسی واسطے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔ یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے بھاولپور میں ۱۹۳۲ء میں فرمائی تھی، پھر میں نے یہ تقریر حضرت شاہ عبدالقادرؒ مولانا رائیپوری کی خدمت میں سُنائی تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی، یہ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے۔ جبکہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھڈی ضلع سرگودھا میں موجود تھا۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحبؒ رہے جو ان سے استفادہ کیا جاتا اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے۔ ایسا بلند اور باریک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں حل کر کے رکھ دیا گویا عالمِ برزخ ہمارے سامنے ہے انتقال سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کے زیر مطالعہ اکثر مثنوی شریف ہوتی تھی۔ عموماً عالمِ ارواح اور عالمِ برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے، اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا

آخری مرحلہ ہے کسی کو کیا معلوم تھا کہ اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

(۴۷۶) بھاولپور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق صاحبؒ سے جو کہ دوم مدرس تھے۔ جامع عباسیہ کے "جب مقدمہ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آکر آواز دے دینا"۔ ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات سمجھی۔ جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرتؒ کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تو مولانا محمد صادق صاحبؒ نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ مولانا محمد صادق صاحبؒ کو حضرت شاہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے۔ ویسے بڑے فاضل تھے۔ علوم مستحضر تھے۔

(۴۷۷) حضرت شاہ صاحبؒ اور شعر فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا، ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا، بس ادھر کھانا ختم ہوا ادھر اشعار ختم ہوئے۔ مقامات حریری کی طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی۔ جس میں کئی ایک مقالے بے نقطہ تھے۔

(۴۷۸) ایک دفعہ احقر حضرت کی زیارت کے لئے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے تھے، حضرت نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ فرمایا کہ نہیں مجھے ہی آنا چاہیئے تھا۔ اس طرح حضرت مفتی صاحب کئی بار تشریف لا کر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں، ان کو اجازت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے ہے اور ان کو اجازت حضرت شاہ عبد العزیزؒ

سے ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت دی تھی۔

(۴۰۹) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ جو کہ برادر تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے، کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دئے، وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف لے گیا۔ وہاں جاکر ایک غار کے پاس کھڑے ہوکر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو۔ جب شاہ صاحب اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بڑا جن بیٹھا ہے اور بادشاہ کے سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں انھوں نے شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے ہمیں قصاص دلوانا چاہیئے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں لے سکتے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی شخص غلط فہمی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہی ہے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث شریف کو سُنا ہے

حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کے دیکھنے سے نہیں ہوئی۔ پھر شاہ اہل اللہ صاحب نے ان صحابی رضؓ

سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے، یہ حدیث ہمیں ترمذی شریف کے درس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سنائی تھی، اس جن کا نام شاہورشؓ تھا۔

(۴۸۰) حضرت شاہ صاحبؒ ظفر (یعنی بہادر شاہ دلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

(۴۸۱) تسمیہ کی عظمت | جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے پس کلمہ اللہ کا اس کا متکفل ہے کیوں کہ یہ علم ہے اس ذات پاک کا جو مجتمع لجمیع صفات کمال ہے، پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمٰن کا کلمہ متکفل ہوا یعنی بقاءِ عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے، تیسرے پایا جانا فائدہ اس کام کا اور یہ صفتِ رحیمی کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا، چوں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے اس لئے تسمیہ میں یہ تمام نام جمع فرمائے گئے عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور ہی تھا (بنی اسماعیل ہیں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمٰن مشہور تھا۔

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو اسم بھی پکارو سب اسماء حسنیٰ ہیں، پہلے عرب یوں کہتے تھے، وما الرحمٰن آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم ہوا تھا پھر قبلہ تاقیامت کعبہ شریف ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رُخ کرینگے اور حج بھی کرینگے، ......

...... یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کرینگے، یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب

کے سب ادیان ایک ہو گئے اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں۔ یہ عملی طور پر ثابت فرما دینگے بزرگان دین نے ان اسماء کا ورد کرنا فرمایا ہے۔ تاکہ ان کی برکت سے دینی و دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

(۴۸۲) سورۃ فاتحہ۔ الحمد للہ رب العلمین (ف) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جزو نہیں۔ لیکن قرآن کا جزو ضرور ہے، اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے۔ زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے۔ کہ یہی صحیح روایت ہے ابی حنیفہ رح سے (دھبانیہ میں ہے) ؎

ولو لم یبسمل ساھیا کل رکعۃ
فیسجد اذا یجا بھا قال اکثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔

(۴۸۳) سورۃ فاتحہ۔ نکتہ ہے، یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں، تربیت رحمت جزا۔ اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مدنظر ہوتے ہیں۔ یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے صفت و ثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں۔ کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں۔ ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری و باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں۔ کہ میں رحمان و رحیم ہوں۔ اور اگر دور اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی، غرض ہر ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے

مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا۔ روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا اور سر کی عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ڈوبا رہنا حتیٰ کہ ولا تکن من الغافلین نصیب ہو جائے۔ غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیات میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے حمدنی عبدی اور الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنے علی عبدی جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدنی عبدی بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ ایاک نعبد وایاک نستعین جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں۔ ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا۔ اور جب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل یہ میرے بندے کا حق ہے اور میرے بندے کو وہ سبھی ملے گا جو اس نے سوال کیا، حدیث کے شروع میں ہے قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی یہاں پر صلوٰۃ بمعنی سورۂ فاتحہ ہے، حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے واذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم آمین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔

جیسے واذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں۔ آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہیئے۔ آمین کے معنی اے اللہ تو قبول

فرمانے (استجب)

النعمت علیھم۔ چار قسم کے گروہ ہیں۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین۔ یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما، عوام کو چاہیئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں، اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں۔ ان کا طریق اختیار کرلیں۔ صالحین بسبب کمالِ متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقاداتِ فاسدہ اور اخلاقِ رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یادِ حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی تاآں کہ باری تعالےٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرمالیتا ہے۔ (الذین اٰمنوا وکانوا یتقون) اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہداتِ حق میں اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے۔ دل ان کے اسی شان سے قبول کرلیتے ہیں گویا دیکھتے ہیں، اسی واسطے راہِ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے۔ اور صدیق وہ ہیں کہ قوتِ نظریہ ان کی انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے اور ابتداءِ عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی سے دور رہتے ہیں۔ اور دین میں بالکل خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں۔ خواہشِ نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا۔ صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت براہ راست باری تعالیٰ عزاسمہٗ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے کہ مطلقاً غلطی اور انکے شبہات معلومات میں راہ نہیں پاتے، ان کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام مان لیں۔ انبیاء پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا۔ عیاذاباللہ۔

صراط الذین انعمت علیھم۔ گو ظاہر میں آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام

میں سرایت کرتی رہی۔ اولئك الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔ یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کر گئی تو جب آپ ان کی ھدیٰ پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا، کیونکہ آپ کو اولیت باطناً حاصل ہے اور ظاہراً آخریت ہے۔ ورنہ بھما اقتدہ ہوتا اور حدیث کنت نبیا وآدم بین الماء والطین وغیرہ النصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ اپنی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں۔ بردانامل والی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے فعلمت علم الاولین والآخرین۔ سے مراد انبیاء ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے اور اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے متقدم تھے۔ (الیواقت ج ۲ ص ۱۸)

ھدًی للمتقین۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے۔ کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے، والزمھم کلمۃ التقویٰ۔ کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً ولوان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا۔ کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا فاتقون۔ کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے مثلاً واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ کبھی اخلاص کے معنی دیتا ہے۔ فانھا من تقوی القلوب (از فتح العزیز)

(۴۸) الٓمٓ: یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ بس ہم ہاں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے۔ ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان۔ ذٰلك الكتاب۔ یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے لاریب فیہ اس کے برحق اور اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں کیوں کہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمھیں ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنالاؤ۔ یا کم از کم دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ کم از کم ایک ہی سورت بنالاؤ۔ تم بھی اہل لسان ہو، عرب ہو، مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو عرب العرباء ہو۔ مگر بحمد اللہ آج تک کوئی نہ لاسکا، یا تو اس کی مثل لاؤ یا پھر جب مقابلہ کی

تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

ھدًی للمتقین ۔ یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے۔ یعنی جو پرہیز کرتے ہیں، انھیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے، اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا۔ ممنوعات سے پرہیز کریگا وہی شفایاب ہوگا۔ ورنہ نسخے کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہے ہی نہیں۔

الذین یومنون بالغیب الآیۃ۔ یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط رسول اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کر لیا۔ یہی ایمان بالغیب ہے۔ تمام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن ۔ باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کر لینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔

کفر کے معنی مکر جانا منکر ہو جانا۔ یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے سچ ہونے میں شبہے نکالنا۔ یا تکذیب کرنا۔ کفر کہلاتا ہے۔

ویقیمون الصلوۃ ۔ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی نماز کے فرائض واجبات وشرائط سنن مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں۔ یعنی پوری اطاعت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔

ومما رزقناھم ینفقون ۔ جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

"وفی اموالھم حق للسائل والمحروم" والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک ۔ یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں کہ اس سے مراد ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما

اُنزل علےٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسےٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (پ۱ع) رکوع آخری اور پارہ اول رکوع آخری میں قولوا اٰمنا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم۔ الایۃ بھی آیا ہے اور سورہ بقر کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل اٰمن باللّٰہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ اولٰئک علےٰ ھدًی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی اور آخرت میں کامیاب ہو گئے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے فرمایا (فتح العزیز) کہ ایمان کا ایک تو وجود ذہنی ہے۔ دوسرا وجود عینی۔ تیسرا وجود لفظی۔ وجود عینی تو اصل ہے ایک نور کی جو بسبب حجاب رفع ہونے کے حاصل ہوتا ہے۔ جب بندہ مومن میں اور اس کے رب تعالیٰ شانہٗ میں حجاب رفع ہو جاتا ہے یہی نور جس کو کمشکوٰۃ فیہا مصباح اور اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور میں فرمایا ہے۔ جب حجاب رفع ہوتا ہے اور نورِ ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوجِ کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضاء کو گھیر لیتا ہے، پھر پہلے تو انشراحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائقِ اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہر شئی کے متجلی ہوتے ہیں، ہر ایک شئے کو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں اور اوامر اور نواہی کے موافق حکمِ الٰہی پر عامل ہوتا ہے، اس حال میں خصائلِ حمیدہ اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوتے ہیں اور اعمالِ صالحہ انوارِ معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء اور وجود ذہنی ایمان کا دوم مرتبہ

رکھتا ہے۔ اول کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی کا انکشاف جس کو گرویدن اور باور کردن بھی
کہتے ہیں، اس کا نام تصدیق اجمالی ہے، دوم ہر شئی کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور رجوا تباط
ان میں سے اس کو بھی لحاظ رکھنا اور ایمان کا وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین
کا اقرار ہے اور کلمات اس کلمہ طیبہ کے زبان سے جاری کرنا۔

ان الذین کفروا الایہ۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے اس سے ثابت
ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اسی طرح کسی کو کافر
نہیں کہہ سکتے۔ جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ کفر پر ہو جائے۔ کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین
محمدی ہونے سے ہی انکار کر دے۔ اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ اس کی حقیقت پہچانتا
ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے جیسا
کہ وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ کہ استدلال دوسروں کا
بھی نہیں سنتے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھنے نہیں دیتا۔ دل اور کان
پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ لگانا ذکر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں مدرکات
کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں۔ آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا کہ پردہ آنکھ کا شعاع کو باہر
نکلنے سے روکتا ہے اور وہی منشا رویت کا ہے اور عقلاء کا قاعدہ باندھا ہوا ہے کہ باہر
کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے
پردہ ڈالتے ہیں، ومن الناس یعنی یہ دعویٰ دونوں علموں کا کرتے ہیں۔ علم توحید اور علم معاد
کا یہی دو علم اصل دین ہیں، پس کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ محجوب حق سے ہیں حالانکہ
ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے کسی وقت نصیب نہ ہوگا، ان کو منافق کہتے ہیں،
نفاق کی کئی اقسام ہیں۔ جیسے کہ احادیث میں مروی ہے۔

(۴۸۵) قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل۔ یعنی جزا درحقیقت مجزی علیہ کے ظہور

ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں۔ یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہونگے
ذوقوا ما کنتم تعملون۔ فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرًا یرہ۔ الآیۃ

دانہ خلافِ تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ کشتہ درو حنطہ بہ حنطہ جو ز جو

حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں معنی تنز یہی نے دنیا میں تو لباس کلمات طیبات کا پہن لیا، آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے، جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی جمیل آدمی قبر والے کو مانوس کرنیکے لئے پاس رہے گا وہ نیک عمل ہی اس شکل میں ہوگا۔ معانی متجسد ہو جائیں گے۔

یا ایھا الناس اعبدوا۔ الآیۃ۔ مخفی نہ رہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں۔ اول انسان کی پیدائش۔ دوم پیدائش ان کے باپ دادوں کی۔ ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔ سوم پیدائش زمین کی۔ چہارم وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوئی کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو ایک جا لائے وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں نفس سے متعلق ہیں اور تینوں نعمتیں جسمانی ہیں۔ پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے۔ پھر اپنے اصول اقربا ماں باپ وغیرہما سے پھر زمین جو جگہ انسان کے رہنے کی ہے، پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں۔ پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں صحن اور چھت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی بارش پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالےٰ ہی ہے، کوئی اس کا شریک سہیم نہیں، لہٰذا شکر میں اسی ہی کو مخصوص کرو کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ کہ اس کا شریک الہیت میں اور اس کی صفات کمال میں ہو۔

قولہ تعالیٰ۔ الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون

(۴۸۷)

ما امر اللہ۔ الآیۃ۔ شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی گردیدن باور
کردن جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی سے ہیں، اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جابجا
دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے، چنانچہ قلبہ مطمئن بالایمان کتب فی قلوبھم الایمان
ولما یدخل الایمان فی قلوبھم۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام یہی تصدیق ہی ہے
اور بس، نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات
اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا۔ چنانچہ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا والذین
آمنوا ولم یھاجروا پس معلوم ہوا کہ اعمال نیک کو ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے
ایمان درہم برہم ہوتا ہے، اور اقرار محض کی بھی بلا تصدیق مذمت کی ہے۔ ومن الناس
من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین۔ پس معلوم ہوا کہ اقرار
محض تو ایمان کی حکایت ہے۔ اگر محکی عنہ کے مطابق ہوا تو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ محکی عنہ تو تصدیق
ہی ہے، تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے۔ ایمان کا بھی
تین طرح کا وجود ہے، ایک لفظی، دوم ذہنی، سوم عینی۔ وجود عینی تو اصل ہے، باقی وجود
اس کے تابع ہیں۔ ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے
سبب سے تمام پردے بینہ وبین الحق رفع ہو جاتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیھا
مصباح میں تمثیل مکمل فرمائی گئی۔ چنانچہ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت
الی النور۔ اس کا سبب بیان فرمایا کہ یہ نور انوار محسوسہ کی طرح قوت و اشتداد و
انتقاص قبول کرتا ہے چنانچہ آیت واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا۔ اس کی
زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجاب مرتفع ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور
ایمان قوت پکڑتا ہے تا آں کہ اوج کمال تک پہنچ جاتا ہے اور خوب پھیل جاتا ہے اور جمیع
قویٰ اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے پس اول تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر
مطلع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے

ہیں۔ اور بقدر انشراح صدر کے ہر امر کے بجالانے میں مستعد ہو جاتا ہے۔ اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اور وجود لفظی ایمان کا حکم شہادتین ہے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ

ثم استوی الی السماء خواہ دحوارض کو پہلے کہو خواہ تسویۂ آسمان کو پہلے کہو۔ سب درست ہے۔

۴۸۸ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ اس میں فرمایا گیا کہ مسئلہ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ اطاعۃ اللہ جب معتبر ہے کہ اس کے فرمانے پر اس کے غیر کی اطاعت کرے جیسے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول اور اس میں حُسن و قبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا اور عدل اور جور بھی منکشف کیا گیا اور اسماء احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے اور تقدیر خیر و شر من اللہ تعالے اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ کہ شرف عبودیت میں ہی ہے اور توبہ میں ہے اور یہ کہ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور یہ کہ آخری حیلہ مراحم خسروانہ میں اپیل دائر کرنا ہے۔ اور یہ کہ سبقت رحمتی غضبی، اور اس میں یہ کہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے اور مسئلہ جبر و قدر بھی اس میں آگیا۔ انی اعلم ما لا تعلمون۔ جو کچھ کہ آدمی کے جوارح و اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اول اس کا وجود مرتبہ روح میں ہوتا ہے۔ پھر قلب میں پھر قوی نفسانیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بلی من کسب سیئۃ و احاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ مبنا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو اور عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے، ایسا ہی زنا۔ چوری

لواطت بھی حرام ہیں۔ کبائر ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے اس مرتبہ کا نام فسق وفجور اور عصیان ہے۔ عیاذاً باللہ۔

اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دی ہے۔ لیکن وہ ایک مدت مقررہ عنداللہ کے بعد ختم ہو جائے گا۔ عذاب دائمی نہیں ہوگا، دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو، مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے، خواہ از قسم الہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو، خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو، مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو یا رسولوں یا احکام متواتر دین کا انکار کرتا ہو۔ اس کو جحود اور کفر اور زندقہ اور الحاد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ الفاسق لا یخلد فی النار والکافر خالدٌ فی النار۔ چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہود ہی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے اور اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔

(۲) اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہہ دیا۔ لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے اتخذتم عند اللہ عھداً۔ ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون۔ کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں، پس نص صریح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں، اس بات میں مفقود تھی اور تاویلات اعتقادیات اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرمادیا کہ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ، الایہ کہ فساد علم وعمل اور خرابی عقیدہ واعمال کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے، موجب خلود فی النار کا ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے۔ گو ظاہر میں کلمہ گو ہی ہو اور دعوے بھی دینداری کا رکھتا ہو، یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے عذاب کا خوف

بھی اُٹھ جائے اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے، زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ! مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴۰۹) ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب الاٰیۃ۔ یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی، اور بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لئے۔ سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگاتار رسول بھیجے۔ حضرت یوشع حضرت الیاس حضرت الیسع حضرت شمون حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان، حضرت شعیا حضرت ارمیاہ۔ حضرت یونس حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور ہزارہا پیغمبر تھے۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے۔ انہی کی شریعت کے متبع تھے۔ واٰتینا عیسی ابن مریم الاٰیۃ۔ اور مریم بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادر زاد اندھے کو اچھا کرتے تھے، اور کوڑھی کو چنگا کرتے تھے۔ مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا یہ سب کچھ بحکم خداوندی ہوتا تھا۔ جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں میں چھپاتے تھے سب معجزانہ طور پر آپ بتلا دیتے تھے۔ آپ کو بلا باپ پیدا فرما دیا۔ آسمان پر معجزانہ طور پر تشریف لے گئے، اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلہ نہ کر سکی، نہ اب ہی سائنس یہاں تک ترقی کر سکی ہے لیکن سائنس والے بھی اس کے امکان کے قائل ہو گئے ہیں

وقد قیل ان المعجزات تقدمُ — بما یرتقی فیہ الخلیفۃ فی المدٰی

آپ کا نام ہی روح رکھا۔ روح کی سبک سیر کا سریع رفتار، کا کس نے اندازہ لگایا ہے۔ روح نام ہے یا تو جبرائیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس اسم مبارک ہی کی تاثیر ہو کہ آسمان کو اڑ کر تشریف لے گئے، فرمایا گیا ہے، وروحٌ منہ۔ شہادۃ القرآن، عقیدۃ الاسلام اور

تحیۃ الاسلام۔ سیف چشتیائی۔ بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

(۴۹۰) ایشوع اصل ہے عیسیٰ کی۔ اس کے معنی ہیں مبارک اور مریم بھی عبری لفظ ہے جس کے معنی ہیں خادمہ یا عابدہ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس پھونک مارتا ہے۔ ان نفسًا لن تموت حتی تستکمل رزقھا۔ کہ کوئی جان دار نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا۔ اور حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بھی روح القدس تائید کرتے تھے۔

ففریقًا کذبتم وفریقًا تقتلون۔ مثلاً زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت شعیاء علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی کئی بار حملہ قاتلانہ کیا گیا زہر دیا۔ چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا۔ اس زہر کا اثر مرض وفات میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ سرِّ الشہادتین میں تفصیل سے مذکور ہے۔

یعنی ایسے متعصب ہیں کہ اچھی بات سنتے ہی نہیں۔ تصلبِ حق کے معنی یہ ہیں کہ دینِ حق کو قوت سے پکڑے اور کسی فریب میں نہ آجائے اور ادھر ادھر توجہ بھی نہ کرے، یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

(۴۹۱) فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی بھی پڑھی ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کشمیر میں چھ ماہ انگریزی پڑھی ہے۔ میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی دوسرا کئی سال میں پڑھے، ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی پڑھی تھی۔ آج کل کے بی، اے۔ ایم، اے سے زیادہ انگریزی کے واقف تھے، مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

(۴۹۲) ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے برہان پور جو کہ وطن تھا۔ حضرت

علی متقی جو صاحب کنز العمال وغیرہ ہیں۔ تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کا نام سن کر بہت سی مستورات آئیں تو حضرت نے خادم سے فرمایا کہ صحن کا دروازہ بند کر دو۔ کسی عورت کو مت آنے دو۔ اور خود حسبنا اللہ پڑھتے رہے۔

(۴۹۳) لاہور معراجِ جسمانی کے سلسلے میں بیان فرماتے وقت یہ بھی فرمایا کہ بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر بین حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں کہ ثم استیقظت الفاظ آتے ہیں بخاری شریف میں آتا ہے۔ اتی بالمنذر بن ابی اسید الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم حین ولد فوضع علی فخذہ وابوا سید۔ جالس فلھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم لشئی بین یدیہ فاخذ ابو اسید ابنہ فاحتمل من فخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستفاق النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال این الصبی۔

تو اس روایت میں استفاق کا یہ مطلب نہیں کہ غشی سے ہوش میں آ گئے بلکہ اپنی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا۔ فاستفاق ای فرغ من اشتغالہ

(۴۹۴) مالیر کوٹلہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بعد عشا ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ بہت مجمع علما کا تھا اس میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ مولانا بدر عالم صاحب اور بہت سے علماء موجود تھے۔ فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی ہی بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں۔ فقط اتنا چاندنا چاہیئے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے باقی تو اسراف ہے (غالباً یہی الفاظ تھے)

(۴۹۵) ایک دفعہ وہیں بھاولپور ہی میں میرے دریافت کرنے پر کہ لاہور میں سنہ ۱۹۲۸ء میں دسمبر کے مہینے میں السنہ شرقیہ کا جلسہ ہوا پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال مرحومؒ کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے مجھے علامہ عراقیؒ کا ایک فارسی رسالہ دیا، جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کون عراقی

ہیں۔ تو فرمایا یہی جو محدث مشہور ہیں۔ ان کی کتاب کا نام ہے غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان۔ یہ علامہ عراقی بڑے محقق گذرے ہیں، پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے واپس طلب کیا تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھو گیا، پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہیئے

فائدہ :۔ نیوٹن نے بھی اس نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جو یورپ میں مشہور تھا کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے۔ ڈاکٹر مرحوم نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دیئے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے۔ اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ علامہ عراقی اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

(۴۹۶) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حافظ شیرازیؒ کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ اس میں یا شراب کباب کا ذکر ہے تو پھر حافظ شیرازیؒ کو عارف کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے۔ میں نے سورۂ کہف تک دیکھا ہے، بہت اعلیٰ حاشیہ ہے۔ وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں، ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے، باری تعالےٰ آوارہ لوگوں سے ایسے بلند پایہ کام نہیں لیتا، جب انھوں نے تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا ہے تو بے ادبی کے الفاظ نہیں کہنے چاہیئں آپ توبہ کرو استغفار کرو۔

(۴۹۷) جب مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کو دیوبند سے دعوت دی گئی۔ یہ جنوری ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے، میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا زائرین ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا، جلسہ گاہ میں پہنچے ایک ہندو نے اپنے کوٹھے کی چھت پر سے حضرت کو دیکھ لیا، فوراً کود کر زمین پر آیا، مجمع کو چیرتا ہوا آیا اور حضرت کے پاؤں میں گر پڑا کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں۔ یہ کہا اور ایمان لے آیا، ایسے واقعات حضرت کی حیات مبارکہ میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع سرگودھے والوں نے بھی جب کہ لائلپور آپ تشریف لائے تھے احقر سے ملنے کے لئے تو انھوں نے بھی سنایا تھا، یہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد خاں صاحب کندیاں والوں کے یہاں واقعہ میں خود موجود تھے، جب مفتی صاحب مجھے سنا رہے تھے تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے منجملہ ان کے حاجی قائم الدین لائلپوری بھی تھے۔

جب حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری (بہار) نے قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا اور تمام حضرات دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اس اجتماع میں حضرت شاہ صاحب بھی تشریف لے گئے تھے، جب سب حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے تو ایک برہمن جو خود بھی بہت بڑا ودوان تھا، حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے ودوان ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں۔ پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا، ہم بھی حیران تھے کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے، یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے بہاولپور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

(۴۹۷) مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کی امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے۔ وہاں کے اہل خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی اور حضرت کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔ واپس ڈابھیل تشریف لاکر تمام مدرسین کی دعوت کی۔ پرتکلف کھانا کھلایا، اور ہر مدرس کو ایک ایک رومال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے، مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا۔ اہل رنگون نے احقر کی بہت خدمت کر دی تھی، یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

(۴۹۹) حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جواب دینے کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔

(۵۰۰) مولانا خیر محمد صاحب مولانا خیر الدین سرسوی مرحوم مولانا غوث محمد صاحبؒ مولانا عبدالجبار صاحب۔ مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کوٹلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرا دے تو عرض کر۔ سلیک غطفانی کا واقعہ سنتیں جمعہ کی ادا کرنے کا۔ جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرانا ہے احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں۔ فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب کیف کان بدا الوحی الی رسول اللہ علیہ وسلم کا درس دوں گا۔ اور خود ہی تلاوت کروں گا۔ کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے، چنانچہ سیکڑوں علماء جمع ہو گئے۔ مولانا مفتی محمد خلیل صاحب بھی بیٹھے تھے۔ مولانا عبدالغنی صاحب بخاری شریف لائے کہ میں بھی حضرت کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں۔ حضرت نے ان کو بخاری شریف شروع کرا دی اور درس حدیث دیا۔ علماء حیران تھے، علوم کے دریا بہہ رہے تھے، ایک سکتہ کا عالم تھا پھر سلیک کا واقعہ بھی ذکر فرما دیا کہ علماء کی تسلی ہو گئی۔ مولانا عبدالجبار مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے۔ مولانا خیر محمد صاحب فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب کے سینے سے اچھل اچھل کر باہر آتا ہے۔ افسوس کہ ہم تو دیوبند جا نہ سکے۔ دور ہی سے چھلکے پڑے۔ حضرتؒ کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ مولانا خیر الدین مرحوم حضرتؒ کو سنا رہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتداء تھی اور حضرت دہلی سے کشمیر جا رہے تھے۔

(۵۰۱) تفسیر سورۂ نجم | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ وَالنَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی سماویات سے شروع کیا۔ اس لئے کہ مابعد کا کلام آسمان کی خبر اور اسرا کے متعلق ہے۔ سمٰوٰت العلیٰ تک بلکہ سدرۃ المنتہیٰ تک۔ یہاں تک کہ فرمایا ان ھو الا وحی یوحیٰ

یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور موحی بکسر الحاء کو مبہم رکھا کیونکہ اس کا انحصار اللہ تعالیٰ ہی میں ہے۔ اور وحی رسالت ہی میں ہے اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں ہی منحصر ہوتے ہیں اس موصوف کا نام لینے سے زیادہ اَبلغ ہوتا ہے۔ مثلاً قول ان کا مررت باکرام القوم پھر فرمایا عَلَّمَہٗ شدید القوی پس منتقل ہوئے مُعَلِّم کی طرف مُوحِیْ کے ذکر کے بعد اور ان کو دو شمار کیا۔ مُوحِیْ اور معلّم، پھر اوصاف وہ ذکر کئے جو مُعَلِّم وحی کے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کلام مکہ والوں کے ساتھ ہے اور مکہ والے جبریئل علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے۔ پس اس کی صفات اور فعل ذکر فرمائے جیسے سورت تکویر میں ہے تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی کیونکہ جب کہا جائے کہ یاتیہ الملکؑ تو جی میں کھٹکتا ہے کہ آنے کی کیا صورت ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور وہ سویّ مبارک ہے۔ ذو مرّہ ہے اس جیسے سے خیر ہی کا اتیاس ہے اور وہ نزدیک ہوتا ہے اور وہ لٹک آتا ہے لہٰذا اس کے اوصاف ذکر فرمائے، ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذُو مِرّہ یعنی جمیل المنظر حسن الصورۃ ہے، جلالتِ شان والا ہے۔ اقبح صورت والا شیطان نہیں ہے بلکہ وہ اجمل الخلق ہے اور ذی امانت اور مکانت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی وحی نبوت کی تعدیل اور اس کا تزکیہ ہے۔ جیسے اس کی نظیر سورۂ تکویر میں ہے۔ بیان فرمایا کہ وہ علم قدرت والا اجمال المنظر ہے۔ یہ اوصاف رسول ملکی اور بشری دونوں کے ہیں۔

(۵-۲) قولہ فتدلّٰی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اپنے مکان سے تجاوز نہیں کیا۔ یہاں تعلق بھی قائم رہا۔ جیسے پھل کی تدلی ہوتی ہے کہ تعلق بھی باقی رہتا ہے اور نیچے بھی لٹک آتا ہے۔ جیسے نور عظیم منبسط فی الجوّ ہوتا ہے کہ چھوٹے سے سوراخ سے داخل ہو جائے اس کو ناظر یوں سمجھتا ہے کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے منفصل نہیں ہوا۔ گویا یہ تمثیل اس کی ہوئی جو جبرئیل امین کی بشر کی شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا، جیسا کہ سُہیلیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چڑھے۔ فاوحیٰ اِلیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ تو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دنوِّ رب محسوس ہوا تو آپ سجدے

میں گرے پس سبحان رب الجبروت والملکوت والعظمۃ کہتے ہی رہے حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے جو وحی کرنا تھا وہ کر لیا، پھر جبرئیل علیہ السلام نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی اسی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پر ملائے ہوئے ہیں۔ (یاقوت اور زبرجد اور لؤلؤ کے) میں نے خیال کیا کہ جبرئیل کی دو آنکھوں کے درمیان کے فاصلہ نے دونوں آفاق کو گھیر لیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے میں نے ان کو مختلف صور تو میں دیکھا تھا اور اکثر دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں دیکھا کرتا تھا اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے دیکھے قولہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، تفسیر طبری میں ہے فاوحی اللّٰہُ اِلیٰ ما اوحی اس کے قریب قریب مسلم شریف میں ہے اور یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں۔ کیونکہ یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے اور رسول تو موحی ہو نہیں سکتا بلکہ مرسل ہی موحی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء یہاں بھی متعاطفات نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے۔ بعض بعض سے ملا ہوا ہے جس کی انتہا الی اللہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے مضمون کا۔ جیسا کہ ان ھو الا وحی یوحیٰ میں آچکا ہوا باعادہ ما استولف عنہ جیسا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم میں ہے

(۳۔۵) پھر فرمایا ما کذب الفواد ما رای اس کو ماقبل سے جدا کر دیا۔ اور عطف نہیں ڈالا۔ کیونکہ یہ شامل ہے رویۃ باری تعالیٰ کو فواد سے اور رؤیۃ جبرئیل کو علی صورتہ یہ دونوں قبل الاسرا حاصل تھے، اور یہ شامل ہے، ان تمام اشیاء کو جو لیلۃ الاسرا میں دیکھیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ اور بنی اسرائیل میں ہے لنریہٗ من آیاتنا وہاں یہ بھی فرمایا وما جعلنا الرّؤیا الّتی اریناکؑ ------ الا فتنۃ للناس سو فتنہ ممارات ہی کا نام ہے۔ جیسے سورہ نجم میں فرمایا افتمارونہ علےٰ ما یریٰ پس قولہ ما کذب الفواد ما رایٰ ای ما کذب الفواد عبدنا ما رایٰ

ای هذا العبد یا تو فواد سے یا آنکھوں سے۔ اور کَذَبَ متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف جیسے ان کا قول صَدَقْتُ فلاناً الحدیث وکذبتہ احتمال ایک مفعول پر مقتصر ہونے کا بھی ہے۔ یعنی ما قال کذباً ای ہذہ المقولۃ بل قال ما وقع بعد عیاناً فی الاسراء بالنسبۃ الی رؤیۃ اللہ تعالیٰ۔

اور یہاں پر رؤیۃ فواد کا ہونا اور ما بعد میں رؤیۃ بصر کا ہونا یہ کوئی نظم قرآنی میں انفکاک کا باعث نہیں بلکہ رؤیۃ امر واحد ہے اور فرق جو آتا ہے وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے، آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں روئیتیں ثابت ہیں۔ رؤیۃ اللہ تعالیٰ کی پہلی فواد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بعثت میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رؤیا میں دکھا دیا جانا آتا ہے۔

(۵۰۴) پھر فرمایا افتمارونہ علی ما یریٰ اور نہ کہا فیما یریٰ اس نے دلالت کی کہ یہاں اور روئیت بھی ہے۔ اس کو سہیلیؒ نے ذکر فرمایا اور علی ما یریٰ فرمایا نہ فرمایا فیما یریٰ کیونکہ ان کو نفسِ رؤیۃ باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصاً مرئی میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فؤاد سے رواہ طبرانی فی اوسط رجالہ رجال الصحیح مسند دارمی میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا، پھر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا قلبٌ وکیعٌ لہ اذنان سمعتان وعینان بصیرتان۔ وکیعٌ یعنی متینٌ شدیدٌ یعنی مضبوط پھر فرمایا ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے[۵۰۵]۔ لیکن رؤیت جبرئیل یہ تو ظاہر ہی ہے لیکن باری تعالیٰ کی رؤیت سو اس کے نزول کے باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے یطلع اللہ علی اہل الجنۃ فیقول ھل رضیتم + سدرۃ المنتہیٰ اس کا تعلق رائی سے ہے نہ کہ مرئی سے جیسا طبری نے فرمایا۔ جیسے رأیتُ الھلال من المسجد قولہ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ یعنی

انوار اور تجلیات۔

نسائی شریف میں ہے ثم اتیتُ سدرۃ المنتھی فغشیتنی ضبابۃٌ فخررت لہ ساجداً اور یہی ظل من الغمام ہے، پھر فرمایا ما زاغ البصر وما طغیٰ اس میں تصریح فرمائی کہ یقظہ میں ہوا۔ پھر خلاصہ بیان فرمایا۔ لقد رأی من اٰیات ربہ الکبریٰ یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے، حدیث ابی ذرؓ میں ہے رأیتُ نوراً اور نورٌ انّی اُراہُ اس کے معنی ایک ہی ہیں۔ ای ھو نورٌ من این رأیتہٗ اور مروزی نے بھی امام احمد سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ رأیت ربّی پھر مسند کی حدیث میں ہے رأیتُ ربّی عزّ وجلّ (اس کی سند قوی ہے)

(۵۰۶) ایک مولانا شریف اللہ صاحب کابل کے تھے۔ حضرت رائپوری شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے، انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ ننگے بدن رہتے تھے۔ فقط تہہ بند رکھتے تھے دار الحدیث دیوبند کی بنیادیں جب بھری جارہی تھیں وہ اس میں بھی شامل تھے، پھر شیخ الہند اپنے پاس لے آئے۔ دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے جو ۱۳۲۸ھ میں ہوا، وہ رائپور بھی آتے تھے اور اکثر دیوبند رہتے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد میں صفیں بچھانا یہ ثابت ہے یا نہیں؟ مولانا شریف اللہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیثیں پیش کیں تو خاموش ہو گئے، حضرت شاہ صاحب نے منع فرما دیا تھا کہ کوئی ان سے نہ الجھے۔ فرمایا یہ صاحبِ حال ہیں ان کو مت چھیڑو۔

(۵۰۷) وہ فرماتے تھے کہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہ یعنی جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بڑھ کر کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے، ہمارے زمانے میں بھی

تشریف دیوبند لائے تھے۔ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے تھے۔ قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

(۵۰۸) بے آہِ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارِ جو

لالۂ پیکانی کہا آنکھوں کو، جیسا گلِ لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے۔ ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے۔ پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنارِ جو سے مراد رونا ہے یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے فرماتے ہیں ؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یعنی جب خدا تعالٰے سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

شام جس کی آشنائے نالۂ یارب نہیں
جلوہ پیرا جسکی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا سازِ دل شکستِ غم سے ہے ناآشنا
جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اسی واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں روتے تھے۔ یہ حالت صحابہ میں بھی تھی، حضرت شاہ صاحب کو اکثر دیکھا گیا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے، اکثر آنسو ہی بہاتے تھے۔

(۵۰۹) ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں وعظ فجر کی نماز کے بعد فرمایا تو امیر خسروؒ کے یہ اشعار پڑھے ؎

جاں ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز
قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو بہت ہی رقت ہوئی حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہوگئی۔ فرمایا کہ یہ شعر امیر خسرو کے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت کہے۔ اس واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی، کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا، بس رفیق فرماتے تھے، نہ مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر صحیح طور پر عامل تھے۔

(۵۱۰) حضرت شاہ صاحب کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے۔ بلکہ سکڑ کر سوتے تھے، جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پسار کر بے ادبی کر سکتا ہے۔

(۵۱۱) حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کابلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق باسماء اللہ ہوتا ہے۔ ایک اسماء اللہ کا تحقق ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق یہ جو آخری ہے یہ بڑا اونچا درجہ ہے۔

ف:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مبارکہ بیان فرمائیے تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن اسی سے وفورِ علم حضرت صدیقہؓ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصوف سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم علی قرآن پاک تھے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے تخلقوا

باخلاقِ اللہ۔

(۵۱۲) حضرت شاہ صاحبؒ محض مدرس حدیث کے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا، حدیث کا تحقق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تخلق بھی نصیب تھا۔ یہ بہت بڑی بات ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

(۵۱۳) ایک دفعہ غالباً ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ ملتان سے لائل پور تشریف لائے۔ ایک مکان پر ان کی دعوت چائے کی تھی، احقر بھی مدعو تھا احقر بھی حاضر ہوا۔ ملاقات پر حضرت شاہ صاحب کی باتیں ہونے لگیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

قہوۂ حمد را سزد انور

دارِ چینی ز نعتِ پیغمبر

یہ شعر سنتے ہی مولانا عطاء اللہ شاہ صاحبؒ پھڑک گئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حمدِ خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعتِ رسول نہ کہی جائے۔

(۵۱۴) **ذکر اللہ مفرداً بھی ذکر ہی ہے** حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلمیذ تھے، خود ہی فرمایا تھا کہ میں نے ملاحسن اور ترمذی شریف کا کچھ حصہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہے، سبق پڑھاتے وقت کہیں سے کہیں نکل جاتے تھے، اور میں تو غیر مقلد ہو جاتا اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا۔ جب حاضر ہوا تو ترمذی شریف میں فاتحہ خلف الامام کی ہی بحث ہو رہی تھی، جب حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی تو قلب مطمئن ہو گیا کہ ہمارے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔

ایک دفعہ سنہری مسجد دہلی میں میں نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب اسمِ ذات اللہ اللہ کا ذکر درمیانہ جہر کے ساتھ کر رہے ہیں، حجرے کے اندر بیٹھے تھے اور

دروازہ پر پردہ لٹک رہا تھا، اس وقت میں سمجھا کہ شاہ صاحب صوفی بھی ہیں، حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔

۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا کریم بخش مرحوم پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور حضرت سے مناظرہ کر رہے تھے کہ آپ خلافِ سنت ذکر کراتے ہیں۔ مفرد ذکر اللہ تو بدعت ہے۔ حضرتؒ نے میری طرف دیکھا (تاکہ میں جواب دوں) تو میں نے عرض کیا کہ مسلم شریف میں حدیث صحیح موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی شخص بھی باقی رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی، کیا حضور علیہ السلام نے بدعت کا سبق دیا تھا؟ اور ترمذی شریف میں بھی یہی حدیث (ص۴۲ ج۲ باب اشراط الساعۃ میں) موجود ہے، حضرت علامہ کشمیریؒ نے درس ترمذی میں فرمایا تھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا مفرد نام بھی ذکر ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ علماءِ امت کی تحقیق میں دنیا کی روح لا الٰہ الا اللہ میں ہے جب روح نہ رہیگی تو دنیا ختم ہو جائے گی، اور قرآن مجید میں بھی ایسا ہی ہے۔ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم الآیہ

(۵۱۵) حافظ ابن تیمیہ کا رد

یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ نے دعوے کیا کہ اللہ مفرداً ذکر نہیں ہے، اور مذکورہ دلائل میں تاویل سے کام لیا ہے (العرف الشذی ص۵۱۲)

آگے حضرت مولانا محمد انوری نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی ذکرِ اسم ذات مفرداً کرتے تھے اور اپنے مریدین و متوسلین کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں قادریہ کا طریق ذکر فرمایا ہے کہ ان کے یہاں پہلے آٹھ تسبیح، پانچ اللہ اللہ اسم ذات کی اور تین لا الٰہ الا اللہ نفی واثبات کی ہیں۔ کیا یہ بدعت ہے؟ نیز حضرت بلالؓ احد احد کا نعرہ لگاتے تھے جب امیہ بن خلف ان کو زدوکوب کرتا تھا، (ص۱۴ ابن ماجہ) کیا یہ بھی بدعت تھا؟؟

پھر جب حضرتؒ جالندھر تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ مدرسہ خیر المدارس میں جا کر کتابیں لا کر ہمیں مسئلہ دکھلائے، چنانچہ میں گیا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے تفسیر عزیزی لایا جس میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے نہایت شرح وبسط سے اس مسئلہ کو لکھا ہے، اس کی عبارت حضرت کو سنائی،

نیز الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ نے ولذکر اللہ اکبر کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اسمِ ذات اللہ کا ذکر دوسری تمام اسماءِ الٰہیہ کے ذکر سے اکبر واعظم ہے۔ وہ بھی پڑھ کر سنایا تو حضرت اقدس رائپوریؒ بہت مطمئن وخوش ہوئے (ملفوظات حضرت رائپوری ص۵)

(نوٹ) یہ ملفوظ گرامی اس لئے بھی اہم ہے کہ اس میں ذکر اسم ذات مفرداً کی پوری تحقیق ہے اور علامہ ابن تیمیہ کے تفرد کا رد بھی ہے، اس زمانہ میں سلفی وتیمی حضرات ان کے تفردات کے قائل ومعتقد ہیں اور اپنی جماعت کے بھی بعض علماء کرام ان سے غلط فہمی کی وجہ سے یا اپنے دلائل سامنے نہ ہونے کے باعث متاثر ہوجاتے ہیں، جیسے اس واقعہ میں مولانا کریم بخش صاحب کا ذکر ہوا ہے۔

(۵۱۶) انبیاء علیہم السلام کی جائے پیدائش واجب الاحترام ہوتی ہے

بہاولپور کے مشہور قادیانیوں کے مقدمہ کے ایام میں حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے خوب تیار کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو بھیجا تھا کہ پیغمبر کی ولادت گاہ واجب الاحترام ہوتی ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام جب لیلۃ الاسراء میں تشریف لے گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا "اے محمد یہ جگہ بیت اللحم ہے، جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام پیدا ہوئے لہٰذا آپ نے براق سے اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ حدیث گیارہ کتب حدیث سے نکال کر دی تھی۔

مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ابن سعود کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو اس نے عبد اللہ بن بلیہد کی طرف دیکھا کہ جواب دے، تو قاضی صاحب موصوف نے

پوچھا یہ حدیث کہاں ہے؟ میں نے حوالہ دیا تو جواب کچھ نہ دے سکے، اس پر میں نے ابن سعود سے کہا کہ فقط نجد میں ہی محدثین نہیں ہیں، دنیا میں اور لوگ بھی حدیث جانتے ہیں۔ (" صفحہ ۲۰) (۵۱۷)

حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کا تفرد ان دونوں حضرات کے نزدیک امکنہ و ماثر میں کوئی تقدس نہیں ہے، اور علامہ ابن القیم رحمہ نے تو زاد المعاد میں شب معراج میں حضور علیہ السلام کے نزول و نماز بیت اللحم کا بھی قطعی انکار کر دیا ہے، بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس بارے میں ہرگز کوئی حدیث صحیح نہیں ہے جبکہ اوپر حضرت شاہ صاحب کے حوالہ سے ذکر ہوا کہ گیارہ کتب حدیث میں یہ صحیح حدیث موجود ہے جن میں صحیح نسائی بھی ہے، جو صحاح ستہ میں سے اعلیٰ درجہ کی صحیح کتاب مانی جاتی ہے۔

ہم اس بارے میں کئی جگہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنے مختار مسلک کے خلاف احادیث کی صحت سے بالکل انکار کر دیتے ہیں، انوار الباری جلد ۱۱ میں بھی اس کی تفصیلات لائق مطالعہ ہیں اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رح نے بھی علاوہ دیگر تنقیدات کے لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رح نے منہاج السنہ میں ابن مطہر حلی کا رد کرتے ہوئے احادیث صحیحہ ثابتہ کو گرا دیا ہے اور درر کامنہ میں یہ بھی نقد کیا ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ کی تنقیص شان بھی کی ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رح نے بھی فتاوی عزیزی ص ۲/۸ میں منہاج السنہ کے بعض مواضع کا مطالعہ کر کے سخت توحش کا اظہار کیا ہے، جن میں تفریط حق اہل بیت بھی ہے اور تحقیر صوفیہ بھی۔

اتفاق سے رسالہ دار العلوم ماہ ستمبر ۶۸ء نظر سے گذرا جس میں "المنتقی" (للذہبی) بابت خلاصہ منہاج السنہ پر تبصرہ و تعارف شائع ہوا ہے۔ جہاں تک ابن المطہر رافضی کی ہفوات کا تعلق ہے علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق و تنقید قابل تحسین ہے، لیکن رافضی مذکور کی ضد میں آ کر جو حضرت علیؓ کی تنقیص وہ کر گئے ہیں وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے، جس کا نمونہ

فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر نے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق و تفصیل اس لئے بھی کی ہے تاکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق مذکور کو اجنبی خیال نہ کیا جائے خاص طور سے جبکہ حضرتؒ کو بہ کثرت احادیث سے اس فیصلے کے لئے شرح صدر حاصل ہو گیا تھا اور حضرتؒ نے خود ہی درسِ بخاری میں دونوں جگہ اور دوسرے وقت بھی) یہ ہی فرمایا کہ "میرے نزدیک" مذہب" کی بھی یہی تحقیق ہے، یعنی فقہاءِ حنفیہ کے تشدد پر خیال نہ کیا جائے کہ انھوں نے حجِ فرض کو بھی حدیثِ ممانعت کے تحت کر دیا ہے، جبکہ امامِ اعظم کا خود یہ مسلک نہیں ہو سکتا" وللہ درہ) (العرف الشذی ص۱۴۱)

فیض الباری ص۱۴۲/۳ میں بھی اجمالی طور سے یہی فرمایا اور فیض الباری ص۲۹۷/۲ میں تفصیل سے فرمایا کہ بشرطِ اعتماد اور فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں سفرِ حج فرض بغیر معیتِ محرم بھی درست ہے اور میرے پاس اس کے لئے احادیثِ کثیرہ کا ذخیرہ ہے اور فقہ حنفی میں مسائل بصورتِ فتنہ ذکر ہوئے ہیں (بعض احادیث کی طرف حاشیۂ فیض الباری میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔) مثلاً آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے شوہر حضرت ابوالعاصؓ کو مکہ معظمہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی کے ساتھ حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیجدیں اور انھوں نے غیر محرم کے ساتھ بھیجدیا تھا۔

احقر بجنودی عرض کرتا ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک بھی ثقہ و مامونہ ایک یا چند عورتوں کے ساتھ سفرِ حج جائز ہے اور امام احمدؒ سے جو ممانعت منقول ہے وہ نفلی حج کے لئے ہے۔ امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ممانعتِ سفر بغیر محرم کی احادیث غیر سفرِ فرض کے ساتھ خاص ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں، بدایۃ المجتہد لابن رشد۔ انوار المحمود۔ اوجز المسالک واعلاء السنن وغیرہ)

"حجِ فرض کے لئے محرم کی شرط ضروری نہیں"

لمحۂ فکریہ! جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوا کہ امام احمدؒ نے بھی احادیثِ ممانعت کو

سفرِ حج فرض سے غیر متعلق فرمایا اور وہ بعینہ وہی رائے ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے اختیار فرمائی ہے اور امام مالکؒ نے بھی موطا میں "ولتخرج فی جماعۃ من النساء" فرمایا کہ جس عورت نے حجِ فرض ادا نہ کیا ہو اور محرم میسر نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ ثقہ عورتوں کے ساتھ حج ادا کرے اور خدا کا فرض ترک نہ کرے۔

امام شافعیؒ بھی ثقہ عورت رفیقِ سفر ہو تو بغیر محرم یا زوج کے حجِ فرض کا جواز فرماتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ حجِ فرض کے لئے سب کی رائیں متفقہ ہیں، اور حجِ نفل یا دوسرے غیر مفروض سفروں کے لئے عدمِ جواز پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

حضرات مفتیانِ دورِ حاضر کو اس دور کی مشکلاتِ حج کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے اس لئے کہ نہایت غیر معمولی مساعی کے بعد تو کہیں حج پر جانے کی منظوری حاصل ہوتی ہے اور حکومتِ سعودیہ کو بھی حج کے مصارف بڑھانے سے کام ہے، حجاج کے مالی اخراجات وغیرہ مجبوریوں کا کچھ بھی خیال نہیں، پابندیاں بھی برابر بڑھائی جا رہی ہیں، اگر کسی عورت کے پاس ایک حج کی رقم ہو تو محرم کو ساتھ لیجانے کے لئے بھی اتنی ہی رقم اور چاہیئے، یعنی پچیس ہزار کی جگہ مثلاً پچاس ہزار روپے ہوں کیونکہ ساتھ جانے والے کے تمام مصارف بھی حج کو جانے والی کے ذمہ ہیں۔ اس لئے ائمہ اربعہ کے متفقہ فیصلہ مذکورہ پر ہی عمل شرعاً وعقلاً بھی مناسب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (بجنوری)

(زیارۃ نبویہ)

انوار الباری اردو شرح صحیح بخاری

مجموعۂ افادات اکابر امّت و تحقیقات علمیہ علماءِ دیوبند و سہارنپور

شرح بخاری شریف فتح الباری عمدۃ القاری فیض الباری وغیرہ کے مضامین و مباحث عالیہ کا سہل اردو میں نہایت مفید و بے نظیر خلاصہ اور امام العصر حضرۃ العلامۃ المحدث الشہیر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے آخری دو سالہ درس بخاری شریف کے امالی و افادات کا بیش قیمت

حضرات اکابر امّت کے چند تبصرے

رائے گرامی حضرت علامہ محدث مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مؤلف "اعلاء السنن" شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ٹنڈوالہ یار حیدر آباد سندھ (پاکستان)

اردو میں بخاری شریف کی یہ شرح مکمل ہوگئی اور خدا کرے جلد مکمل ہو جائے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا جو مولانا سید احمد رضا صاحب عم فیضہم کے ہاتھوں انجام پائے گا جس کی نظیر اردو زبان میں خدمتِ حدیث کے لئے اب تک ظہور میں نہیں آئی، اس شرح میں امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رح کے علوم و معارف کے علاوہ اکابرِ علماءِ دیوبند کے علوم بھی شامل ہو گئے ہیں جن کی طرف حضرتِ امام العصر اپنے درسِ حدیث میں اشارہ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ علماء اور طلباء اس کتاب سے بہت زیادہ منتفع ہوں گے اور مولانا سید احمد رضا صاحب کی مساعی جلیلہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کو دعاؤں سے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ جزاء اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء

اس کتاب انوار الباری کے مطالعہ سے دنیا پر یہ بات واضح ہو جائیگی کہ علماءِ حنفیہ کا علمِ حدیث میں کس قدر عالی مقام ہے اور وہ فہمِ حدیث میں سب سے آگے ہیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حنفیہ حدیث سے زیادہ قیاس پر عمل کرتے ہیں یہ ان کے قصورِ فہم کی دلیل ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حنفیہ تو سب سے زیادہ عامل بالحدیث والآثار ہیں کہ حدیث مرسل و ضعیف اور قول صحابی کو بھی قیاس سے مقدم کرتے ہیں، اور ان کے ہوتے ہوئے ہرگز قیاس سے کام نہیں لیتے چنانچہ اپنی کتاب "اعلاء السنن" میں اسی حقیقت کو بندہ نے بھی بخوبی واضح کر دیا ہے اور اس

کتاب انوار الباری میں بھی اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے انوار الباری میں یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ امام بخاری کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ میں اکثر حنفی ہیں اور یہ کہ حنفیہ میں بڑے بڑے محدثین ہیں جن کا مقام علم حدیث میں بہت بلند ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

حضرت علامہ محدث مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری صدر مفتی دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا

(۱) انوار الباری شرح صحیح البخاری کا مقدمہ جو دو حصوں میں پیش کیا ہے اور جو اس میں کاوش کی ہے اس کی داد نہ دینا مستقل جرم ہے۔ برسہا برس سے جو امور زاویۂ خمول اور پردۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے یا ڈال دیئے گئے تھے، ان سے پردہ ہٹا دیا گیا ہے، مقدمہ کے دونوں حصوں کو پڑھا اور زبان سے یہ نکلتا رہا ع۔ "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" دونوں حصوں میں علم فقہ و حدیث و فقہاء و محدثین، خصوصاً امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ اور تدوینِ فقہ اور حدیث دانی کی مکمل اور مختصر تاریخ پیش کر دی اور بڑی جانکاہی اور کاوش سے ان امور سے پردہ اٹھا دیا جو اب تک پردۂ خفا میں تھے، مقدمہ بہت قیمتی اور بیش بہا معلومات پر مشتمل ہے، حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ اردو داں طبقہ کے لئے ہی نہیں بلکہ علم حدیث کے طلباء اور علماء کے لئے بھی مفید اور نادر تحفہ ہے۔ اب تک امام صاحب اور ان کے تلامذہ اور حنفی مذہب کے خلاف اہل الرائے ہونیکا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، اس مقدمہ نے اس کی اصلی صورت پیش کر دی اور اسکے پردوں کو چاک کر دیا، شواہد و نظائر پیش کر کے ان توہمات و شبہات اور اعتراضات کو دور کر دیا، جن پر اغیار نے بنیادیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ جزاکم اللہ عنا وعن جمیع الاحناف، دلی مسرت و مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ انوار الباری کی تکمیل اسی کوشش و کاوش کے ساتھ ہو جائے کہ علمی طبقہ اس سے مستفید ہو۔ آمین۔ مقدمہ نایاب تحفہ ہے اور کافی مواد کا جامع، اوہام کا دافع اور اعتراض و غلط پروپیگنڈے کا قاطع و قالع ہے (۲) ہدیۂ سنیہ قیمہ پہنچا باوجود تکلیف کے اسی وقت انوار الباری کا مطالعہ شروع کر دیا اور اتنا لطف اندوز ہوا کہ نصف حصہ کو پڑھ گیا، مرحبا صد آفریں بر ہمت مردانہ تو، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، معانی و مطالب حدیث کے علاوہ

نتائج کی طرف بوضاحت اشارات قابل داد ہیں، جگہ جگہ پر امام العصر کے جستہ جستہ ریمارک، نکات اور تطبیق نے چار چاند لگادئے ہیں جس سے کتاب اور اس کے مضامین پر ہی نہیں بلکہ مطالعہ کرنے والوں پر بھی انعامات کی بارش ہوجاتی ہے، جس شے کی تمنا تھی، خداوند قدوس آپ کے علمی ذوق سے پورا کر رہا ہے، طلباء و علماء دونوں جماعتوں کے لئے بیش بہا مضامین آپ نے جمع کر دئے ہیں، اللہ تعالیٰ مزید توفیق اتمام کی عطا فرمائیں تاکہ علمی دنیا مستفید ہو۔ آمین۔ (۳۲) اللہ تعالیٰ علمی دنیا کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ اتنے اہم کام کو انجام دے رہے ہیں جو دوسروں سے بحالتِ موجودہ انجام پذیر نہیں ہوسکتا، انوار الباری علمی خزانہ ہے، جس کے پاس ہوگا مالدار ہوگا، میرے پاس الفاظ نہیں کہ اس کی ثنا و صفت کرسکوں، انوار الباری شرح بخاری اپنی نظیر آپ ہے جس میں اکابر کی آراء و تحقیقات کو جمع کرکے علمی دنیا پر احسان کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اختتام پر پہنچائیں اور دنیا اس کے انوار سے منور ہو۔

(۳۳) والی عبارت شرح انوار الباری کے متعلق تحریر فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ تعالیٰ

آپکی اس انتھک کوشش کے ثمرہ میں (۱) ایک ہی مصنَّف میں بکھری ہوئی چیزیں سامنے آگئی ہیں جو آجتک میری دانست میں جمع نہ تھیں واللہ اعلم، مختلف کتب میں کہیں بغیر حوالہ دورانِ مطالعہ نظر سے کچھ چیزیں گذری تھیں، پھر عند الضرورت ان کا فراہم ہونا بغیر شدید جد و جہد کی ورق گردانی کے دشوار تھا (۲) خود بہت سے حنفی علماء کی ان غلط فہمیوں کا ازالہ اس سے لابدی ہے جنکی معلومات کے تحت حضرت امام اعظمؒ کا مقام بمقابلہ مشاہیر حدیث وہ نہ تھا جو اسکے مطالعہ کے بعد متعین ہوسکے گا (۳) اکثر احناف عقیدۃً ہی حضرت امام اعظم کی رفعتِ عظمت پر جمے ہوئے تھے، اس مصنف سے ایک حجت قاہرہ آپنے قائم فرمادی، جزاک اللہ خیر الجزاء الاوفیٰ (۴) عام درسگاہوں میں فقہ و حدیث کے مدرسین کے لئے اور خصوصاً مباحثین کیلئے ایک اعلیٰ مواد آپنے فراہم فرمادیا۔ فبارک اللہ فی عمرکم و علمکم و فینا الینا اہدیتم

حضرت الشیخ العلامہ مولانا محمد انوری صاحب لائلپوری تلمیذ حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحبؒ (جامع ملفوظات انوری)

کتاب بیحد مفید ہے اس کو جلد از جلد نکلئے کہ انوار الباری کے انوار سے دنیا جگمگا اُٹھے۔

حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب استاذِ تفسیر و حدیث و ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند

مؤلفِ انوار الباری جس علم ریز قلم کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں، اس کے بعد یہ فیصلہ چنداں دشوار نہیں کہ اردو شروحِ بخاری میں انوار الباری کا منفرد مقام ہے اس میں مذاہبِ اربعہ کا تفصیلی بیان مسلکِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مؤیدات، اس جلیل القدر امام کے متعلق بدگمانیوں کا ازالہ واہی اعتراضات کی جوابدہی، اتنے مبسوط و مضبوط انداز میں ہے کہ حنفیت کی اصابت و حقانیت اور ترجیح و افضلیت واضح و نمایاں ہوگئی اور بعض اہل علم کے تفردات و اسقام پر شافی بحث بھی موجود ہے، اکابرِ امت کی آراء خصوصاً حضرت علامہ کشمیریؒ کے علوم دل آویز رنگ میں جمع کر دئے گئے ہیں۔

مؤلف نے سالہا سال علامہ موصوف کے ساتھ گذارے ہیں، اس لئے وہ ان کے علم سے واقف ہیں، ان کی وسعتِ نظر کے قائل اور غزارتِ علمیہ کے معترف ہیں یہ اعتراف و تسلیم ان کے قلم سے نمایاں ہے اور نگارشات میں علوم انوری بلہجۂ انوری جلوہ گر ہیں، یہ شرح اہلِ علم کے لئے خاصہ کی چیز ہے۔ اس سے نہ صرف فہمِ حدیث کے دروازے کھلتے ہیں بلکہ قاری گوناگوں علوم اور متنوع معلومات سے اپنے دامنِ نظر کو شاداب پاتا ہے۔

حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی (مؤلف ما تمس الیہ الحاجۃ وغیرہ) دامت برکاتہم

جزاکم اللہ، آپ نے بڑا کام کیا، اردو دانوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہاتھ آگئی، اس تفصیل سے اس موضوع پر کس نے قدم اٹھایا ہے؟ آپ نے تو بہت ہی کچھ لکھ ڈالا۔ یہ حصہ تو مقدمہ بخاری کی بجائے مناقبِ ابی حنیفہ کہلانے کا مستحق ہے، بلاشبہ شرکاءِ تدوین فقہ کا تذکرہ اس کا خصوصی وصف ہے آپ نے سب سے پہلے اس کو واضح کر دیا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تا بدیر آپ کو زندہ و سلامت رکھے اور عمر بھر اپنی مرضیات میں انہماک نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضرت مولانا عبد اللہ خان صاحب دام ظلہم (تلمیذ رشید حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ)

مقدمہ انوار الباری موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ، بالبداہۃ یہ زبان پر آتا ہے کہ کونسی خوبی ہے کہ جو اس کتاب میں نہیں، کتاب کیا ہے ماشاء اللہ ایک نایاب انسائیکلوپیڈیا ہے۔ کسی طور پر مقدمہ فتح الباری سے کم درجہ کی چیز نہیں ہے۔

مختصر تعارف مضامینِ انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری

(۱) مقدمۂ انوار الباری حصہ اول کے خاص مضامین (۱) تاریخ تدوین حدیث (۲) حجیت حدیث (۳) امام اعظمؒ اور تدوین قانونِ اسلامی کا بے نظیر کارنامہ (۴) امام اعظمؒ کے شیوخ کا ذکر خیر (۵) امام اعظمؒ کے حالات و مناقب عالیہ ۸۰ صفحات میں (۶) امام اعظمؒ کے چالیس شرکاءِ تدوین فقہ اور دوسرے اصحاب و تلامذہ کے مستند حالات (۷) امام اعظمؒ کے لئے دنیا کے تمام بڑے محدثین کی طرف سے مدح و توثیق (۸) امام مالک امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے مفصل حالات (۹) ۲۵۱ھ تک کے دیگر محدثین کبار کے حالات و مناقب (۱۰) امام بخاری کے شیخ اعظم حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ صاحب مصنف مشہور کے مفصل حالات وغیرہ وغیرہ (ڈیڑھ سو ۱۵۰ اکابر محدثین کے حالات و مناقب کا بہترین مرقع) ضخامت ۲۴۸ صفحات۔ غیر مجلد قیمت ۳۰/= روپے

(۲) مقدمۂ انوار الباری حصہ دوم کے خاص مضامین (۱) امام بخاری کے مستند حالات، مناقب و تصانیف عالیہ کا مفصل تذکرہ ۴۴ صفحات میں۔ (۲) امام مسلم اور دوسرے اصحاب صحاح کے مستند حالات (۳) ہر صدی کے مشاہیر ائمہ محدثین، احناف، مالکیہ، شافعیہ حنابلہ و اہل حدیث کے مفصل حالات، حافظ عینی، حافظ ابن حجر، علامہ ابن حزم، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کے خصوصی تذکرے، اکابر دیوبند کی حدیثی خدمات کا تذکرہ و دیگر حالات (تقریباً پانچ سو محدثین کبار کے مستند حالات کا بہترین مرقع) ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت

(۳) صحیح بخاری شریف کی کتاب الوحی و کتاب الایمان کے اصولی مباحث پوری تفصیل کے ساتھ درج ہوئے ہیں۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ قیمت (〃)

(۴) کتاب الایمان کے اہم مباحث کامل تحقیق و تشریحات محدثین کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ کے تسامحات کا ذکر و اشارہ ۲۰۰ صفحات۔ قیمت (〃)

(۵) بقیہ کتاب الایمان کے بعد پوری جلد میں کتاب العلم کے نہایت ضروری و اہم مباحث پھیلے ہوئے ہیں۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات غیر مجلد قیمت (〃)

(۶) بقیہ کتاب العلم کے بعد کتاب الوضو کے مسائل ومباحث پوری تحقیق وتفصیل سے درج ہوئے ہیں حافظ ابن تیمیہ کے تفردات کا تذکرہ ۲۰۰ صفحات قیمت بتیس روپے

(۷) بقیہ احکام متعلقہ وضوء اور ضمناً دوسرے مسائل ومباحث مہمہ وعلمی تحقیقات وافادات، حافظ ابن تیمیہ وابن قیمؒ کے تفردات پر نقد ونظر ۲۰۰ صفحات غیر مجلد قیمت (〃)

(۸) باقی احکام وضواور دوسرے اصولی وفروعی مسائل کا تحقیقی جائزہ، حافظ ابن تیمیہ وابن قیمؒ کے دعاوی ومختارات پر تفصیلی بحث ونظر ۲۰۰ صفحات۔ قیمت غیر مجلد (〃)

(۹) کتاب الغسل، ابواب البخاری کے تحت اہم مسائل کی تحقیق اور ضمناً اہم علمی مباحث، حافظ ابن تیمیہؒ کے تسامحات کا ذکر ۲۰۰ صفحات۔ قیمت غیر مجلد

(۱۰) کتاب الحیض اور اہم مسائل کی تشریح وتحقیق، کتاب التیمم اور تحقیقات نادرہ صفحات ۲۳۲، حافظ ابن تیمیہؒ وابن قیم کے تفردات ومختارات پر نقد ونظر۔ قیمت غیر مجلد (〃)

(۱۱) کتاب الصلوۃ، حدیث اسراء کے تحت معراج اعظم وسیر ملکوتی کے مکمل ومفصل ومرتب واقعات رؤیت باری، مشاہدہ جنت وجہنم، عطایا معراج، عروج عرش وغیرہ کی تحقیقات اکابر علماء امت محمدیہ کے اقوال کی روشنی میں مزعومات حافظ ابن قیمؒ وتفردات حافظ ابن تیمیہؒ کا رد ۲۰۰ صفحات قیمت (〃)

(۱۲) اہم ابواب صلوۃ کی مکمل تشریح اور بحث ونظر، ایمان واسلام اور ضروریات دین کی تحقیق، سمت قبلہ ومرکزیت کعبہ معظمہ، تحقیق حیات ونزول مسیح علیہ السلام وغیرہ، موافقات سیدنا عمرؓ ومماثلت ایمانیہ ونبویہ مع ذکر مناقب وفضائل، اصلاح نسواں کی طرف حضرت عمرؓ کی خصوصی توجہ اور ۱۲۶ نصوص واحادیث کی تصریحات مع تشریحات، ارشادات واقوال سیدنا عمرؓ وغیرہ، حافظ ابن تیمیہؒ وابن قیم کے اقوال شاذہ وتفردات کا جائزہ، علامہ مودودی کے نظریات پر نقد وبحث ۲۰۰ صفحات قیمت (〃)

(۱۳) تشریح احادیث، احکام مساجد واحترام سمت کعبہ معظمہ، رد معتزلہ وحافظ ابن تیمیہؒ کے تفردات وتسامحات، حافظ ابن تیمیہؒ کا مفصل تذکرہ اور ان کے بارے میں ۵۵ اکابر علماء امت کے انتقادات حافظ ابن تیمیہؒ کا احادیث زیارت نبویہ وتوسل نبوی کے لئے تشدد اور شاذ وضعیف روایات سے عقائد واصول الدین کا اثبات، حافظ ابن تیمیہؒ وابن قیم کی مزعومہ محدثانہ شان میں کلام،

استحباب سفر زیارت نبویہ اور زیارت و توسل نبوی کے مخالف دلائل کا مکمل و مدلل رد، اور موافق دلائل کا نہایت مفید جامع ذخیرہ، ذکر عقائد سلف و ائمہ اربعہ، ذکر فتنہ حرف و صوت و جسم و جہت و استقرارِ عرش وغیرہ، استواء و معیت و جہت کی مفصل و مدلل بحث، نیز دوسرے بہت سے عقائد و اصول دین کا ضمنی تذکرہ ۲۴۸ صفحات۔ قیمت غیر مجلد ۳۰ روپے

(۱۴) ابواب و احکام صلوٰۃ مع مکمل تشریحات، حوادث لا اول لہا وغیرہ عقائد کی غلطی اور افادات اکابر، زمانۂ نبویہ کا نقشہ شہر مدینہ منورہ، نقشہ مسجد نبوی مع تعیین مواضع آبار و بساتین و جبال، جمع بین الصلوٰتین اور تزیین مساجد۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات قیمت (〃)

(۱۵) احکام و ابواب صلوٰۃ مع تشریحات و ابحاث، بحث حیات خضر علیہ السلام، اکابر امت علامہ کشمیری کی نظر میں، بحث رفع یدین کا جواب مکمل و مدلل اور امام بخاری کے رسالہ رفع یدین کا جواب بحث قضاء صلوٰۃ متروکہ عمداً، کوفہ کی مرکزیت وغیرہ۔ ضخامت ۲۲۴ صفحات قیمت (〃)

(۱۶) تشریحات و ابحاث احکام صلوٰۃ، ثبوت عالم مثال، طلاق ثلاث اور غیر مقلدین کا فتنہ، فقہ حنفی کا شورٰوی و اجتماعی ہونا، اکابر دیوبند اور سائنس جدید، بحث قراءۃ خلف الامام مالہ وما علیہ اور امام بخاری کے رسالہ فاتحہ کے مکمل جوابات وغیرہ۔ صفحات ۲۰۴۔ قیمت (〃)

(۱۷) بیان احکام نماز جمعہ، نماز خوف، نماز عیدین مع مفصل بحث جمعہ فی القریٰ وغیرہ احادیث صحاح میں تصرفات رواۃ اور بیان اہمیت تعامل و توارث، خواص اشیاء، سلسلۃ العلل، توحید افعال وغیرہ۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ قیمت (〃)

(۱۸) باقی مباحث نماز عیدین، نماز وتر و استسقاء، تفردات علامہ ابن تیمیہ، تحقیق افضلیت بقعۂ مبارکہ قبر نبوی، احکام قصر سفر، اجتماعی دعاء بعد الصلوٰۃ، عالمی موتمر اسلامی مکہ معظمہ، تحقیق دار الحرب و دار السلام وغیرہ، صفحات ۱۶۴۔ قیمت (〃)

(۱۹) ابواب الجنائز کی تحقیق، کتاب التوحید و العقائد، چالیس اکابر متکلمین اسلام کے تذکرے اور افکار و نظریات۔ صفحات ۲۰۸۔ قیمت (〃) (۲۰) جلدوں میں شرح مکمل ہو جائیگی ان شاء اللہ تعالیٰ و بہ نستعین

(نوٹ) جنوری ۱۹۸۹ء سے ہر جلد کی قیمت ۳۰ روپے کر دی گئی تاجران کتب کیلئے خاص کمیشن، مدارس اسلامیہ علماء و طلباء کیلئے مزید رعایت

شائع کردہ

مکتبہ ناشر العلوم۔ بجارہ روڈ بجنور (یوپی)

سول ایجنسیاں { مسعود پبلشنگ ہاؤس، جامع مسجد۔ دیوبند
کتب خانہ رشیدیہ، اردو بازار جامع مسجد دہلی

دیوبند اور دہلی وغیرہ کے دوسرے کتب خانوں سے بھی منگا سکتے ہیں